شمارہ نمبر 49 تا 54

ذی الحجہ 1433 تا جمادیٰ اولیٰ 1434ھ، الموافق نومبر 2012 تا اپریل 2013ء

اہل سنت والجماعت، یعنی سلف صالحین، ائمہ محدثین کا عقیدہ ومنہج اپنانے میں ہی عافیت ہے، کیونکہ سلف صالحین کا عقیدہ قرآن وسنت سے ماخوذ ہے، جیسا کہ محدثِ شہیر، امام ابوبکر، احمد بن حسین بن علی بن موسیٰ، بیہقی (384-458ھ) اور مؤرّخِ اسلام، حافظ ابو القاسم، علی بن حسن بن ہبۃ اللہ، ابن عساکر (499-571ھ) رحمہما اللہ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، فَمُعَوَّلُهُمْ فِيمَا يَعْتَقِدُونَ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةِ .

''اہل سنت والجماعت کے عقائد کتاب وسنت پر مبنی ہیں۔''

(مناقب الإمام الشافعي للبيهقي، ص : 462، تبيين الكذب المفتري فيما نسب إلى الأشعري لابن عساكر، ص : 345)

ائمہ اہل سنت، یعنی محدثین کرام کے برعکس خلف، یعنی متاخرین ومتکلمین کا عقیدہ بشر مریسی اور جعد بن درہم جیسے گمراہوں سے ماخوذ ہے، جس کی لڑیاں یہودیوں تک جا پہنچتی ہیں۔اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سلف کا عقیدہ اسلم اور خلف کا عقیدہ احکم واعلم ہے، ائمہ مسلمین کے اجماعی عقائد کی سراسر مخالفت ہے۔جس عقیدے کی بنیاد قرآن وحدیث اور فہم سلف پر نہ ہو، احکم واعلم (ٹھوس اور مبنی برعلم) کیسے ہوسکتا ہے؟

متکلمین نے سلف صالحین کے عقیدہ ومنہج کے خلاف عقیدہ گھڑا اور بعض لوگوں نے اس کو احکم واعلم قرار دے دیا۔یہ خالص عقیدۂ توحید کے خلاف سازش ہے، تاکہ اسلامی عقائد کی شکل مسخ کر دی جائے، قرآن وحدیث پر مبنی عقیدے کا وجود ختم کر دیا جائے اور ائمہ محدثین کے عقائد کے مقابلے میں باطل عقائد کو درست اور صحیح ثابت کیا جائے۔

شیخ الاسلام، ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا يَجُوزُ أَيْضًا أَنْ يَّكُونَ الْخَالِفُونَ أَعْلَمَ مِنَ السَّالِفِينَ، كَمَا يَقُولُهُ

بَعْضُ الْأَغْبِيَاءِ، مِمَّنْ لَّمْ يَقْدِرْ قَدَرَ السَّلَفِ، بَلْ وَلَا عَرَفَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ وَالْمُؤْمِنِينَ بِهٖ، حَقِيقَةَ الْمَعْرِفَةِ الْمَأْمُورِ بِهَا، مِنْ أَنَّ طَرِيقَةَ السَّلَفِ أَسْلَمُ وَطَرِيقَةَ الْخَلَفِ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ، فَإِنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُبْتَدِعَةَ الَّذِينَ يُفَضِّلُونَ طَرِيقَةَ الْخَلَفِ عَلٰى طَرِيقَةِ السَّلَفِ، إِنَّمَا أَتَوْا مِنْ حَيْثُ ظَنُّوا أَنَّ طَرِيقَةَ السَّلَفِ هِيَ مُجَرَّدُ الْإِيمَانِ بِأَلْفَاظِ الْقُرْآنِ وَالْحَدِيثِ، مِنْ غَيْرِ فِقْهٍ لِّذٰلِكَ، بِمَنْزِلَةِ الْأُمِّيِّينَ الَّذِينَ قَالَ فِيهِمْ : ﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيَّ﴾ (البقرة 2 : 78)، وَأَنَّ طَرِيقَةَ الْخَلَفِ هِيَ اسْتِخْرَاجُ مَعَانِي النُّصُوصِ الْمَصْرُوفَةِ عَنْ حَقَائِقِهَا بِأَنْوَاعِ الْمَجَازَاتِ وَغَرَائِبِ اللُّغَاتِ، فَهٰذَا الظَّنُّ الْفَاسِدُ أَوْجَبَ تِلْكَ الْمَقَالَةَ، الَّتِي مَضْمُونُهَا نَبْذُ الْإِسْلَامِ وَرَاءَ الظَّهْرِ، وَقَدْ كَذَبُوا عَلٰى طَرِيقَةِ السَّلَفِ، وَضَلُّوا فِي تَصْوِيبِ طَرِيقَةِ الْخَلَفِ، فَجَمَعُوا بَيْنَ الْجَهْلِ بِطَرِيقَةِ السَّلَفِ فِي الْكِذْبِ عَلَيْهِمْ، وَبَيْنَ الْجَهْلِ وَالضَّلَالِ بِتَصْوِيبِ طَرِيقَةِ الْخَلَفِ .

”یہ بھی ممکن نہیں کہ پہلے گزر جانے والے اہل علم کے مقابلے میں بعد میں آنے والے زیادہ علم والے ہوں۔بعض بے وقوف قسم کے لوگ جنہیں سلف صالحین کی قدر معلوم نہیں، بلکہ دراصل انہیں اللہ و رسول اور مؤمنوں کی حقیقی معرفت ہی نہیں،وہ یہ کہتے سنائی دیتے ہیں کہ سلف صالحین کا منہج زیادہ سلامتی والا ہے،جبکہ خلف (بعد والوں) کا منہج زیادہ علم پر مبنی اور ٹھوس ہے۔یہ بدعتی اور گمراہ لوگ بعد والے زمانے کے فلسفیوں اور ان کے نقش قدم پر چلنے والوں کے منہج کو سلف کے منہج پر فضیلت دیتے ہیں۔انہوں نے اپنے وہم و گمان کی بنا پر یہ کہہ دیا ہے کہ سلف کا منہج صرف قرآن و حدیث کے ظاہری معانی پر استوار ہوتا ہے اور سلف قرآن و سنت کا فہم نہیں رکھتے،بالکل اَن پڑھ لوگوں کی طرح،جن کے

بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتَابَ اِلَّا اَمَانِيَّ﴾ (البقرة 2 : 78) (ان [اہل کتاب] میں سے بعض اَن پڑھ ہیں جو کتاب کو نہیں جانتے سوائے جھوٹی آرزوؤں کے)،اس کے برعکس خلف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ مجاز کی مختلف اقسام اور پیچیدہ قسم کی لغات کے ذریعے ان نصوص کے معانی کا استخراج کرتے ہیں،جن میں حقیقی معنیٰ مراد نہیں ہوتا۔' یہ غلط سوچ ہی اس بات کا موجب ہوئی ہے،جو اسلام کو پسِ پشت ڈالنے پر مبنی ہے۔ان لوگوں نے سلف کے منہج کے سلسلے میں دروغ گوئی سے کام لیا اور خلف کے منہج کو درست قرار دینے میں گمراہی کا شکار ہو گئے۔وہ بیک وقت دو جہالتوں کا شکار ہوئے: ایک تو جہالت کے سبب انہوں نے سلف کے منہج پر جھوٹ باندھا،دوسرے وہ خلف کے طریقے کو درست قرار دے کر جہالت وضلالت میں مبتلا ہوئے۔''

(مجموع الفتاوٰی : 8/5، الفتاوی الحموية الكبرٰی : 5/185-189)

شیخ الاسلام ثانی،عالم ربانی،علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) نقل فرماتے ہیں:

قَالَ شَيْخُنَا : وَالْكَلَامُ الَّذِي اتَّفَقَ سَلَفُ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتُهَا عَلٰى ذَمِّهٖ، وَذَمِّ أَصْحَابِهٖ، وَالنَّهْيِ عَنْهُ، وَتَجْهِيلِ أَرْبَابِهٖ، وَتَبْدِيعِهِمْ، وَتَضْلِيلِهِمْ، وَهُوَ هٰذِهِ الطُّرُقُ الْبَاطِلَةُ، الَّتِي بَنَوْا عَلَيْهَا نَفْيَ الصِّفَاتِ، وَالْعُلُوِّ، وَالِاسْتِوَاءِ عَلَى الْعَرْشِ، وَجَعَلُوا بِهَا الْقُرْآنَ مَخْلُوقًا، وَنَفَوْا بِهَا رُؤْيَةَ اللّٰهِ فِي الدَّارِ الْآخِرَةِ، وَتَكَلُّمَهٗ بِالْقُرْآنِ، وَتَكْلِيمَهٗ لِعِبَادِهٖ، وَنُزُولَهٗ كُلَّ لَيْلَةٍ إِلٰى سَمَاءِ الدُّنْيَا، وَمَجِيئَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِفَصْلِ الْقَضَاءِ بَيْنَ عِبَادِهٖ، فَإِنَّهُمْ سَلَكُوا فِيهِ طُرُقًا غَيْرَ مُسْتَقِيمَةٍ، وَاسْتَدَلُّوا بِقَضَايَا مُتَضَمِّنَةٍ لِّلْكَذِبِ، فَلَزِمَهُمْ بِهَا مَسَائِلُ، خَالَفُوا بِهَا نُصُوصَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَصَرِيحَ الْمَعْقُولِ، وَكَانُوا جَاهِلِينَ، كَاذِبِينَ، ظَالِمِينَ، فِي كَثِيرٍ مِّنْ مَّسَائِلِهِمْ، وَرَسَائِلِهِمْ، وَأَحْكَامِهِمْ، وَدَلَائِلِهِمْ.

''ہمارے شیخ (ابن تیمیہ رحمہ اللہ) نے فرمایا: علم کلام جس کی اور جس کے سیکھنے والوں کی سلف صالحین نے مذمت کی ہے، اس سے منع فرمایا ہے، جس کے حاملین کو سلف نے جاہل، بدعتی اور گمراہ قرار دیا ہے، اس علم کلام سے مراد وہ باطل اسباب ہیں جن کی بنا پر گمراہوں نے صفاتِ باری تعالیٰ، خصوصاً عُلُوِّ باری تعالیٰ اور استواء علی العرش کی نفی کی ہے، قرآنِ کریم کو مخلوق قرار دیا ہے، آخرت میں دیدارِ الٰہی سے انکار کیا ہے، قرآنِ کریم کے کلامِ باری تعالیٰ ہونے کی نفی کی ہے، اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں سے کلام کرنے سے انکاری ہوئے ہیں، ہر رات اللہ تعالیٰ کے آسمانِ دنیا کی طرف نزول فرمانے اور قیامت کے دن اپنے بندوں کے مابین فیصلے کرنے کے لیے آنے کا بھی انکار کیا ہے۔ گمراہ لوگ اس سلسلے میں غلط راستوں پر چل پڑے اور انھوں نے جھوٹ پر مبنی قصے کہانیوں سے استدلال کرنے کی کوشش کی ہے۔ یوں بہت سے ایسے مسائل ان کے گلے پڑ گئے، جن میں انھوں نے کتاب وسنت اور صریح عقلی اصولوں کی مخالفت کی اور اس طرح وہ اپنے بے شمار مسائل، رسائل، احکام اور دلائل میں جاہل، جھوٹے اور ظالم قرار پائے۔'' (الصواعق المرسلة على الجهمية والمعطّلة: 4/1267,1266)

شیخ الاسلام رحمہ اللہ اسی سلسلے میں مزید فرماتے ہیں:

ثُمَّ هٰؤُلَاءِ الْمُتَكَلِّمُونَ الْمُخَالِفُونَ لِلسَّلَفِ، إِذَا حَقَّقَ عَلَيْهِمُ الْأَمْرُ، لَمْ يُوجَدْ عِنْدَهُمْ مِّنْ حَقِيقَةِ الْعِلْمِ بِاللّٰهِ، وَخَالِصِ الْمَعْرِفَةِ بِهٖ خَبَرٌ، وَلَمْ يَقَعُوا مِنْ ذٰلِكَ عَلٰى عَيْنٍ وَّلَا أَثَرٍ، كَيْفَ يَكُونُ هٰؤُلَاءِ الْمَحْجُوبُونَ، الْمُفْضَلُونَ، الْمَنْقُوصُونَ، الْمَسْبُوقُونَ، الْحَيَارٰى، الْمُتَهَوِّكُونَ، أَعْلَمَ بِاللّٰهِ، وَأَسْمَائِهٖ، وَصِفَاتِهٖ، وَأَحْكَمَ فِي بَابِ ذَاتِهٖ، وَاٰيَاتِهٖ، مِنَ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ، مِنَ الْمُهَاجِرِينَ، وَالْأَنْصَارِ، وَالَّذِينَ اتَّبَعُوهُمْ بِإِحْسَانٍ، مِنْ وَّرَثَةِ الْأَنْبِيَاءِ، وَخُلَفَاءِ الرُّسُلِ، وَأَعْلَامِ الْهُدٰى، وَمَصَابِيحِ الدُّجٰى، الَّذِينَ بِهِمْ قَامَ

الْكِتَابُ، وَبِهِ قَامُوا، وَبِهِمْ نَطَقَ الْكِتَابُ، وَبِهِ نَطَقُوا، الَّذِينَ وَهَبَهُمُ اللّٰهُ مِنَ الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ مَا بَرَزُوا بِهِ عَلٰى سَائِرِ أَتْبَاعِ الْأَنْبِيَاءِ، فَضْلًا عَنْ سَائِرِ الْأُمَمِ، الَّذِينَ لَا كِتَابَ لَهُمْ، وَأَحَاطُوا مِنْ حَقَائِقِ الْمَعَارِفِ، وَبَوَاطِنِ الْحَقَائِقِ، بِمَا لَوْ جُمِعَتْ حِكْمَةُ غَيْرِهِمْ إِلَيْهَا لَاسْتَحْيَا مَنْ يَّطْلُبُ الْمُقَابَلَةَ، ثُمَّ كَيْفَ يَكُونُ خَيْرُ قُرُونِ الْأُمَّةِ أَنْقَصَ فِي الْعِلْمِ وَالْحِكْمَةِ، لَا سِيَّمَا الْعِلْمِ بِاللّٰهِ، وَأَحْكَامِ أَسْمَائِهِ، وَاٰيَاتِهِ، مِنْ هٰؤُلَاءِ الْأَصَاغِرِ، بِالنِّسْبَةِ إِلَيْهِمْ؟ أَمْ كَيْفَ يَكُونُ أَفْرَاخُ الْمُتَفَلْسِفَةِ، وَأَتْبَاعُ الْهِنْدِ وَالْيُونَانِ، وَوَرَثَةُ الْمَجُوسِ وَالْمُشْرِكِينَ، وَضُلَّالُ الْيَهُودِ، وَالنَّصَارٰى، وَالصَّابِئِينَ، وَأَشْكَالِهِمْ وَأَشْبَاهِهِمْ، أَعْلَمَ بِاللّٰهِ مِنْ وَّرَثَةِ الْأَنْبِيَاءِ، وَأَهْلِ الْقُرْآنِ وَالْإِيمَانِ.

”سلف صالحین کے مخالف ان متکلمین پر جب کوئی معاملہ آن پڑتا ہے تو ان کے پاس اللہ تعالیٰ کے بارے میں صحیح علم اور حقیقی معرفت کی کوئی بات نہیں ہوتی۔ وہ اس سلسلے میں کسی نص اور حقیقت سے واقف نہیں ہو پاتے۔ یہ بے عقل، نکمے، حقیر، ہارے ہوئے، پریشان اور بھٹکے ہوئے لوگ اللہ تعالیٰ کی ذات، اسماء اور صفات کے سلسلے میں زیادہ عالم اور اس کی ذات و آیات کے بارے میں ان سابقون اولون مہاجرین وانصار اور ان کے حقیقی پیروکاروں سے زیادہ ٹھوس کیسے ہو سکتے ہیں، جو انبیائے کرام کے وارث، رسولوں کے جانشین، ہدایت کے مینار اور اندھیری راتوں کے روشن چراغ ہیں۔ وہ لوگ جن کے ذریعے کتاب اللہ محفوظ رہی اور جنہوں نے کتاب اللہ کی حفاظت کی، جن کے بارے میں کتاب اللہ نے بیان کیا اور جنہوں نے کتاب اللہ کی بات کی۔ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے وہ علم عنایت فرمایا تھا جس کی بنا پر وہ تمام غیر اہل کتاب امتوں پر، بلکہ باقی تمام انبیائے کرام کے پیروکاروں پر بھی فضیلت پا گئے۔ انہوں نے ان ظاہری و باطنی حقائق و معارف کا احاطہ کیا کہ اگر ان کے سامنے باقی

تمام لوگوں کی حکمت کو جمع کیا جائے تو مقابلے کا مطالبہ کرنے والا شرم سے ڈوب مرے۔ پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے بہترین زمانے والے لوگ اپنی نسبت ان حقیر لوگوں سے علم وحکمت میں ناقص کیسے ہو سکتے ہیں، خصوصاً ذات الٰہی اور اس کی اسماء وصفات کے احکام کے حوالے سے؟ کیا فلسفیوں کی ذریت، ہندوستانی و یونانی تہذیبوں کے پیروکار، مجوسیوں اور مشرکین کے وارث، نیز یہود ونصاریٰ وصابی اور ان جیسے دیگر بے دین لوگوں کے ڈسے ہوئے لوگ، انبیائے کرام کے وارثوں اور اہل قرآن و ایمان سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں؟۔'' (مجموع الفتاوٰی: 11/5)

ائمہ اہل حدیث کے مخالفین متکلمین کے بارے میں علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْمُحَالِ أَنْ يَّكُونَ تَلَامِيذُ الْمُعْتَزِلَةِ، وَوَرَثَةُ الصَّابِئِينَ، وَأَفْرَاخُ الْيُونَانِ، الَّذِينَ شَهِدُوا عَلٰى أَنْفُسِهِمْ بِالْحَيْرَةِ، وَالشَّكِّ، وَعَدَمِ الْعِلْمِ الَّذِي يَطْمَئِنُّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ، وَأَشْهَدُوا اللّٰهَ وَمَلَائِكَتَهٗ عَلَيْهِمْ بِهٖ، وَشَهِدَ بِهٖ عَلَيْهِمُ الْأَشْهَادُ، مِنْ أَتْبَاعِ الرُّسُلِ، أَعْلَمَ بِاللّٰهِ، وَأَسْمَائِهٖ، وَصِفَاتِهٖ، وَأَعْرَفَ بِهٖ، مِمَّنْ شَهِدَ اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ لَهُمْ بِالْعِلْمِ وَالْإِيمَانِ، وَفَضَّلَهُمْ عَلٰى مَنْ سَبَقَهُمْ، وَمَنْ يَّجِيءُ بَعْدَهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، مَا خَلَا النَّبِيِّينَ وَالْمُرْسَلِينَ، وَهَلْ يَقُولُ هٰذَا إِلَّا غَبِيٌّ جَاهِلٌ، لَمْ يَقْدِرْ قَدْرَ السَّلَفِ، وَلَا عَرَفَ اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ، وَمَا جَاءَ بِهٖ.

'معتزلہ کے شاگرد، بے دین لوگوں کے وارث اور یونانیوں کی ذریت، جو خود اپنے بارے میں پریشانی وشک کی گواہی دیتے ہیں اور اس علم سے بے بہرہ ہونے کے معترف ہیں جس سے دل کو اطمینان نصیب ہوتا ہے اور انہوں نے اپنی اس حالت پر اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتوں کو گواہ بنایا ہوا ہے، نیز اس سلسلے میں پیغمبروں کے متبعین بھی گواہی دے چکے ہیں، ممکن ہی نہیں کہ ایسے لوگ ان لوگوں سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء و

صفات کی معرفت رکھتے ہوں، جن کے علم و ایمان کی گواہی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے دے رکھی ہو اور جن کو اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے علاوہ پہلے اور بعد میں آنے والے تمام انسانوں پر فضیلت دی ہو۔ایسی بات تو کوئی کند ذہن اور جاہل شخص ہی کہہ سکتا ہے، جسے نہ سلف صالحین کی قدر و قیمت کا علم ہے، نہ اسے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کی تعلیمات کی معرفت حاصل ہے۔"(الصواعق المرسلة على الجهميّة والمعطّلة :161/1)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اشاعرہ کے ردّ میں فرماتے ہیں :

وَتَارَةً يَّجْعَلُونَ إِخْوَانَهُمُ الْمُتَأَخِّرِينَ أَحْذَقَ وَأَعْلَمَ مِنَ السَّلَفِ، وَيَقُولُونَ : طَرِيقَةُ السَّلَفِ أَسْلَمُ، وَطَرِيقَةُ هٰؤُلَاءِ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ، فَيَصِفُونَ إِخْوَانَهُمْ بِالْفَضِيلَةِ فِي الْعِلْمِ، وَالْبَيَانِ، وَالتَّحْقِيقِ، وَالْعِرْفَانِ، وَالسَّلَفَ بِالنَّقْصِ فِي ذٰلِكَ، وَالتَّقْصِيرِ فِيهِ، أَوِ الْخَطَإِ وَالْجَهْلِ، وَغَايَتُهُمْ عِنْدَهُمْ أَنْ يُّقِيمُوا أَعْذَارَهُمْ فِي التَّقْصِيرِ وَالتَّفْرِيطِ، وَلَا رَيْبَ أَنَّ هٰذَا شُعْبَةٌ مِّنَ الرَّفْضِ، فَإِنَّهٗ وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ تَكْفِيرًا لِّلسَّلَفِ، كَمَا يَقُولُهٗ مَنْ يَّقُولُهٗ مِنَ الرَّافِضَةِ وَالْخَوَارِجِ، وَلَا تَفْسِيقًا لَّهُمْ، كَمَا يَقُولُهٗ مَنْ يَّقُولُهٗ مِنَ الْمُعْتَزِلَةِ وَالزَّيْدِيَّةِ وَغَيْرِهِمْ، كَانَ تَجْهِيلًا لَّهُمْ، وَتَخْطِئَةً، وَتَضْلِيلًا، وَنِسْبَةً لَّهُمْ إِلَى الذُّنُوبِ وَالْمَعَاصِي، وَإِنْ لَّمْ يَكُنْ فِسْقًا، فَزَعَمَا أَنَّ أَهْلَ الْقُرُونِ الْمَفْضُولَةِ فِي الشَّرِيعَةِ أَعْلَمُ وَأَفْضَلُ مِنْ أَهْلِ الْقُرُونِ الْفَاضِلَةِ، وَمِنَ الْمَعْلُومِ بِالضَّرُورَةِ لِمَنْ تَدَبَّرَ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ، وَمَا اتَّفَقَ عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ، مِنْ جَمِيعِ الطَّوَائِفِ أَنَّ خَيْرَ قُرُونِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ فِي الْأَعْمَالِ، وَالْأَقْوَالِ، وَالِاعْتِقَادِ، وَغَيْرِهَا مِنْ كُلِّ فَضِيلَةٍ، أَنَّ خَيْرَهَا الْقَرْنُ الْأَوَّلُ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، كَمَا ثَبَتَ

ذٰلِكَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، وَأَنَّهُمْ أَفْضَلُ مِنَ الْخَلَفِ فِي كُلِّ فَضِيلَةٍ، مِنْ عِلْمٍ، وَعَمَلٍ، وَإِيمَانٍ، وَعَقْلٍ، وَدِينٍ، وَبَيَانٍ، وَعِبَادَةٍ، وَأَنَّهُمْ أَوْلٰى بِالْبَيَانِ لِكُلِّ مُشْكِلٍ، هٰذَا لَا يَدْفَعُهُ إِلَّا مَنْ كَابَرَ الْمَعْلُومَ بِالضَّرُورَةِ مِنْ دِينِ الْإِسْلَامِ، وَأَضَلَّهُ اللّٰهُ عَلٰى عِلْمٍ.

''یہ لوگ کبھی اپنے متاخرین ہمنواؤں کو سلف صالحین کے مقابلے میں زیادہ ذہین اور زیادہ علم والے قرار دیتے ہوئے کہنے لگتے ہیں: 'سلف کا منہج زیادہ سلامتی والا ہے، جبکہ ان لوگوں کا منہج زیادہ علم پر مبنی اور زیادہ ٹھوس ہے۔' یوں یہ لوگ اپنے ہمنواؤں کو علم، بیان، تحقیق اور معرفت میں سلف پر فضیلت دیتے ہیں، جبکہ سلف صالحین کو اس بارے میں ناقص، کوتاہ یا غلطی و جہالت کے مرتکب قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ زیادہ سے زیادہ (سلف کی عزت و تکریم) یہ کرتے ہیں کہ افراط و تفریط میں ان کے لیے عذر پیش کرتے ہیں۔ بلاشبہ یہ رویہ ایک قسم کا رافضی پن ہے۔ رافضی اور خوارج کہتے ہیں کہ سلف کے بارے میں یہ نظریہ رکھنے سے ان کی تکفیر لازم نہیں آتی، جبکہ معتزلہ اور زیدیہ وغیرہ کے نزدیک یہ نظریہ سلف کے فاسق ہونے پر دلالت نہیں کرتا۔ اگر ان دونوں گروہوں کی اس بات کو مان بھی لیا جائے تو اس نظریے سے کم از کم سلف کی جہالت، گمراہی اور غلطی ثابت ہوتی ہے، نیز ان کی گناہوں کی طرف نسبت ضرور ہو جاتی ہے۔ ان دونوں گروہوں کے خیال کے مطابق شریعتِ اسلامیہ میں جن زمانوں والوں کو کم تر قرار دیا گیا ہے، وہ علم و فضل میں ان زمانوں والوں سے فائق ہیں، جن کو شریعتِ اسلامیہ میں بَرتَر قرار دیا گیا ہے۔ جو شخص کتاب و سنت اور اہل سنت والجماعت کے تمام گروہوں کے اجماعی نظریات پر غور کرتا ہے، اسے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام میں سے اعمال، اقوال، اعتقاد اور ہر قسم کی فضیلت میں صحابہ کرام کا زمانہ سب سے بہتر تھا، پھر تابعین اور تبع تابعین کے زمانے کا نمبر آتا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بہت سی سندوں کے ذریعے یہ بات ثابت ہے۔ قرآن و سنت اور اجماع سے یہ بھی ضروری طور پر

معلوم ہو جاتا ہے کہ سلف صالحین ہر فضیلت، مثلاً علم، عمل، ایمان، عقل، دین، بیان اور عبادت میں خلف سے افضل ہیں، نیز ہر مشکل معاملے کو سلجھانے کے وہی زیادہ لائق ہیں۔ اس بات کا انکار صرف وہی شخص کر سکتا ہے جو ہٹ دھرمی کی بنا پر دین اسلام کے بنیادی عقائد سے منحرف ہو جائے اور جسے اللہ تعالیٰ نے علم رکھتے ہوئے بھی گمراہ کر دیا ہو۔''

(مجموع الفتاویٰ : 158,157/4)

امام، محمد بن علی بن محمد، ابن ابو العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) سلف صالحین اور ائمہ دین کے مخالفین اہل کلام کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَنَبِيُّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أُوتِيَ فَوَاتِحَ الْكَلِمِ وَخَوَاتِمَهٗ وَجَوَامِعَهٗ، فَبُعِثَ بِالْعُلُومِ الْكُلِّيَّةِ، وَالْعُلُومِ الْأُوَلِيَّةِ وَالْأُخْرَوِيَّةِ، عَلٰى أَتَمِّ الْوُجُوهِ، وَلٰكِنْ كُلَّمَا ابْتَدَعَ شَخْصٌ بِدْعَةً اتَّسَعُوا فِي جَوَابِهَا، فَلِذٰلِكَ صَارَ كَلَامُ الْمُتَأَخِّرِينَ كَثِيرًا، قَلِيلَ الْبَرَكَةِ، بِخِلَافِ كَلَامِ الْمُتَقَدِّمِينَ، فَإِنَّهٗ قَلِيلٌ، كَثِيرُ الْبَرَكَةِ، (لَا) كَمَا يَقُولُهٗ ضُلَّالُ الْمُتَكَلِّمِينَ وَجَهَلَتُهُمْ : إِنَّ طَرِيقَةَ الْقَوْمِ أَسْلَمُ، وَإِنَّ طَرِيقَتَنَا أَحْكَمُ وَأَعْلَمُ ! وَلَا كَمَا يَقُولُهٗ مَنْ لَمْ يَقْدِرْهُمْ مِّنَ الْمُنْتَسِبِينَ إِلَى الْفِقْهِ : إِنَّهُمْ لَمْ يَتَفَرَّغُوا لِاسْتِنْبَاطِ الْفِقْهِ، وَضَبْطِ قَوَاعِدِهٖ، وَأَحْكَامِهٖ، اشْتِغَالًا مِّنْهُمْ بِغَيْرِهٖ، وَالْمُتَأَخِّرُونَ تَفَرَّغُوا لِذٰلِكَ، فَهُمْ أَفْقَهُ !

فَكُلُّ هٰؤُلَاءِ مَحْجُوبُونَ عَنْ مَّعْرِفَةِ مَقَادِيرِ السَّلَفِ، وَعُمْقِ عُلُومِهِمْ، وَقِلَّةِ تَكَلُّفِهِمْ، وَكَمَالِ بَصَائِرِهِمْ، وَتَاللّٰهِ مَا امْتَازَ عَنْهُمُ الْمُتَأَخِّرُونَ إِلَّا بِالتَّكَلُّفِ، وَالِاشْتِغَالِ بِالْأَطْرَافِ، الَّتِي كَانَتْ هِمَّةُ الْقَوْمِ مُرَاعَاةَ أُصُولِهَا، وَضَبْطَ قَوَاعِدِهَا، وَشَدَّ مَعَاقِدِهَا، وَهِمَمُهُمْ مُشَمَّرَةً إِلَى الْمَطَالِبِ الْعَالِيَةِ فِي كُلِّ شَيْءٍ، فَالْمُتَأَخِّرُونَ فِي شَأْنٍ، وَالْقَوْمُ فِي شَأْنٍ آخَرَ، وَقَدْ جَعَلَ اللّٰهُ

لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا .   ”ہمارے نبی اکرم ﷺ کو جامع، کامل اور واضح کلمات عطا فرمائے گئے اور آپ ﷺ کو کلی اور کامل ترین شکل میں دنیاوی و اخروی علوم دے کر مبعوث فرمایا گیا۔ متاخرین نے جب کسی شخص کو کسی بدعت کا مرتکب دیکھا تو اس بارے میں لمبے تڑنگے رُدُود شروع کر دیے۔ اس طرح متاخرین کی کلام مقدار میں بہت زیادہ اور برکت میں بہت کم رہی۔ اس کے برعکس متقدمین کی کلام مقدار میں بہت تھوڑی اور برکت میں بہت زیادہ تھی۔ گمراہ اور جاہل متکلمین کی یہ بات یکسر غلط ہے کہ ’سلف صالحین کا منہج زیادہ سلامتی والا ہے، جبکہ ان کا اپنا منہج زیادہ علم پر مبنی اور ٹھوس ہے۔‘ اسی طرح ان نام نہاد فقیہوں، جن کو سلف صالحین کی قدر معلوم نہیں ہو سکی، ان کی یہ بات بھی صحیح نہیں کہ ’سلف صالحین کو فقہی استنباطات کرنے اور فقہی قواعد و احکام کی تشکیل کرنے کی اتنی فرصت نہیں ملی، جتنا وہ اور کاموں میں مشغول رہے، جبکہ متاخرین نے ان کاموں کے لیے وقت نکالا، چنانچہ وہی زیادہ فقہ والے ہیں۔‘ ایسی باتیں کرنے والے تمام لوگ سلف صالحین کی صحیح قدر و قیمت، ان کے علوم کی گہرائی، ان کے عدمِ تکلف اور ان کی کمال بصیرت سے لاعلم ہیں۔ اللہ کی قسم! متاخرین کو متقدمین سے اگر کسی چیز میں امتیاز حاصل ہے تو وہ تکلف کرنے اور ان چیزوں کی فروعات میں مشغول ہونے میں حاصل ہے کہ سلف کا اہتمام جن کے اصول میں مصروف ہونے، ان کے قواعد کو مرتب کرنے اور ان کے ضوابط کو مقرر کرنے کا تھا۔ سلف صالحین ہر چیز کے بارے میں بلند مقاصد حاصل کرنے کے ارادے رکھتے تھے۔ یوں متقدمین اور متاخرین کی مصروفیات جُدا ہیں۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔“ (شرح العقيدة الطحاويّة، ص : 83,82)

مشہور مفسر، علامہ محمد امین شنقیطی رحمہ اللہ (م : 1393ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ مَذْهَبَ السَّلَفِ أَسْلَمُ، وَأَحْكَمُ، وَأَعْلَمُ، وَقَوْلُهُمْ : مَذْهَبُ السَّلَفِ أَسْلَمُ إِقْرَارٌ مِّنْهُمْ بِذٰلِكَ، لِأَنَّ لَفْظَ [أَسْلَمُ] صِيغَةُ تَفْضِيلٍ مِّنَ السَّلَامَةِ، وَمَا

كَانَ يَفْضُلُ غَيْرَهُ وَيَفُوقُهُ فِي السَّلَامَةِ، فَهُوَ أَحْكَمُ وَأَعْلَمُ، وَبِهٖ يَظْهَرُ أَنَّ قَوْلَهُمْ : وَمَذْهَبُ الْخَلَفِ أَحْكَمُ وَأَعْلَمُ، لَيْسَ بِصَحِيحٍ، بَلِ الْأَحْكَمُ الْأَعْلَمُ هُوَ الْأَسْلَمُ، كَمَا لَا يَخْفٰی .

''سلف صالحین کا مذہب ہی زیادہ سلامتی والا ہے اور وہی زیادہ ٹھوس اور علم پر مبنی ہے۔بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سلف کا مذہب زیادہ سلامتی والا ہے، یہ ان کی طرف سے ہماری ذکرکردہ بات کا اقرار ہے، کیونکہ [اسلم]اسم تفضیل کا صیغہ ہے(یعنی زیادہ سلامتی والا)۔ جو چیز کسی دوسری چیز کے مقابلے میں زیادہ فضیلت والی اور زیادہ سلامتی والی ہو،وہی زیادہ ٹھوس اور زیادہ علم پر مبنی ہوگی۔اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ خلف کا مذہب زیادہ ٹھوس اور زیادہ علم پر مبنی ہے۔ بلکہ ظاہر ہے کہ جو چیز زیادہ ٹھوس اور زیادہ علم پر مبنی ہو،وہی زیادہ سلامتی والی ہوتی ہے۔''(آداب البحث والمناظرۃ : 136/2)

مشہور سلفی عالم،شیخ محمد بن صالح،ابن عثیمین رحمہ اللہ (م:1421ھ) فرماتے ہیں:

فَتَبَيَّنَ بِهٰذَا أَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُحَرِّفِينَ عَلٰی ضَلَالٍ، وَأَنَّ مَنْ قَالَ : إِنَّ طَرِيقَتَهُمْ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ، فَقَدْ ضَلَّ، وَمِنَ الْمَشْهُورِ عِنْدَهُمْ قَوْلُهُمْ : طَرِيقَةُ السَّلَفِ أَسْلَمُ، وَطَرِيقَةُ الْخَلَفِ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ، وَهٰذَا الْقَوْلُ عَلٰی مَا فِيهِ مِنَ التَّنَاقُضِ، قَدْ يُوصِلُ إِلَی الْكُفْرِ، فَهُوَ ؛ أَوَّلًا فِيهِ تَنَاقُضٌ، لِأَنَّهُمْ قَالُوا : طَرِيقَةُ السَّلَفِ أَسْلَمُ، وَلَا يُعْقَلُ أَنْ تَكُونَ الطَّرِيقَةُ أَسْلَمُ، وَغَيْرُهَا أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ، لِأَنَّ الْأَسْلَمَ يَسْتَلْزِمُ أَنْ يَّكُونَ أَعْلَمَ وَأَحْكَمَ، فَلَا سَلَامَةَ إِلَّا بِعِلْمٍ بِأَسْبَابِ السَّلَامَةِ، وَحِكْمَةٍ فِي سُلُوكِ هٰذِهِ الْأَسْبَابِ، ثَانِيًا : أَيْنَ الْعِلْمُ وَالْحِكْمَةُ مِنَ التَّحْرِيفِ وَالتَّعْطِيلِ؟ ثَالِثًا : يَلْزَمُ مِنْهُ أَنْ يَّكُونَ هٰؤُلَاءِ الْخَالِفُونَ أَعْلَمَ بِاللّٰهِ مِنْ رَّسُولِهٖ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهٖ، لِأَنَّ

طَرِيقَةَ السَّلَفِ هِيَ طَرِيقَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَصْحَابِهٖ، رَابِعًا: أَنَّهَا قَدْ تَصِلُ إِلَى الْكُفْرِ، لِأَنَّهَا تَسْتَلْزِمُ تَجْهِيلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَتَسْفِيهَهٗ، فَتَجْهِيلُهٗ ضِدُّ الْعِلْمِ، وَتَسْفِيهُهٗ ضِدُّ الْحِكْمَةِ، وَهٰذَا خَطَرٌ عَظِيمٌ، فَهٰذِهِ الْعِبَارَةُ بَاطِلَةٌ، حَتّٰى وَإِنْ أَرَادُوا بِهَا مَعْنًى صَحِيحًا، لِأَنَّ هٰؤُلَاءِ بَحَثُوا، وَتَعَمَّقُوا، وَخَاضُوا فِي أَشْيَاءَ، كَانَ السَّلَفُ لَمْ يَتَكَلَّمُوا فِيهَا، فَإِنَّ خَوْضَهُمْ فِي هٰذِهِ الْأَشْيَاءِ هُوَ الَّذِي ضَرَّهُمْ وَأَوْصَلَهُمْ إِلَى الْحَيْرَةِ وَالشَّكِّ، وَصَدَقَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَالَ: «هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ»(صحیح مسلم: 2670)، فَلَوْ أَنَّهُمْ بَقُوا عَلٰى مَا كَانَ عَلَيْهِ السَّلَفُ الصَّالِحُ، وَلَمْ يَتَنَطَّعُوا، لَمَا وَصَلُوا إِلٰى هٰذَا الشَّكِّ، وَالْحَيْرَةِ، وَالتَّحْرِيفِ.

''اس سے ثابت ہو گیا ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تحریف کرنے والے یہ لوگ گمراہی پر ہیں۔جو شخص کہتا ہے کہ ان محرفین کا طریقہ زیادہ علم پر مبنی اور ٹھوس ہے، وہ بھی گمراہ ہے۔ان کا یہ قول مشہور ہے کہ سلف صالحین کا منہج زیادہ سلامتی والا جبکہ متاخرین کا منہج زیادہ علم پر مبنی اور ٹھوس ہے۔یہ قول متناقض ہونے کے ساتھ ساتھ کفر تک پہنچا دیتا ہے۔اس سلسلے میں پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ متناقض ہے،خود وہ کہتے ہیں کہ سلف کا زیادہ سلامتی والا ہے۔یہ بات کیسے معقول ہوسکتی ہے کہ زیادہ سلامتی والا منہج تو سلف کا ہو،لیکن زیادہ علم پر مبنی اور ٹھوس وہ منہج ہو جو ان کے خلاف ہو؟ زیادہ سلامتی والا ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ وہی زیادہ علم پر مبنی اور زیادہ ٹھوس بھی ہو۔سلامتی تو اسی وقت ہو گی جب سلامتی کے اسباب کا علم ہو گا اور ان اسباب کو اپنانے میں حکمت بھی ہو گی۔دوسری بات یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ میں تحریف اور تعطیل کرنے میں کون سا علم اور کون سی حکمت پنہاں ہے؟ تیسری بات یہ ہے کہ اس نظریے سے متاخرین کا رسولِ اکرم ﷺ اور آپ کے صحابہ کرام سے زیادہ معرفت ِالٰہی کے حامل ہونا لازم آتا ہے، کیونکہ سلف کا طریقہ تو وہی تھا جو نبی اکرم ﷺ اور آپ کے

اصحاب کا تھا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ یہ نظریہ کفر میں دھکیل دیتا ہے، کیونکہ اس سے (معاذ اللہ!) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جہالت و عدم حکمت کا فتویٰ لازم آتا ہے، کیونکہ علم نہ ہونا جہالت اور حکمت نہ ہونا عدم حکمت ہے (اگر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس علم وحکمت تھی تو سلف صالحین اسی منہج پر چل کر اس سے خالی کیوں تھے؟)۔لہٰذا یہ بہت خطرناک اور باطل عبارت ہے، اگرچہ وہ اس سے کوئی صحیح معنیٰ مراد لیتے ہوں، کیونکہ ان متاخرین نے ان چیزوں میں بحث وتفتیش اور غور و فکر شروع کیا ہے، جن کے بارے میں سلف صالحین نے کلام نہیں فرمائی۔ان چیزوں میں غوروفکر نے انہیں نقصان سے دوچار کرتے ہوئے حیرانی وشک میں مبتلا کیا ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا ہے کہ: «هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُونَ» (غلو کرنے والے ہلاک ہو گئے) (صحيح مسلم: 2670)۔اگر یہ لوگ سلف صالحین کے منہج پر ہی قائم رہتے اور غلو سے کام نہ لیتے تو وہ اس پریشانی وشک کی دلدل میں نہ گرتے۔'' (القول المفيد على كتاب التوحيد، ص: 672,671)

قوام السنۃ، امام، ابوالقاسم، اسماعیل بن محمد، اصبہانی رحمہ اللہ (م: 535ھ) فرماتے ہیں:

وَأَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ لَمْ تَتَعَدَّ الْكِتَابَ وَالسُّنَّةَ وَإِجْمَاعَ السَّلَفِ الصَّالِحِ، وَلَمْ تَتَبعِ الْمُتَشَابَهَ، وَتَأْوِيلَهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ، وَإِنَّمَا اتَّبَعُوا الصَّحَابَةَ وَالتَّابِعِينَ، وَمَا أَجْمَعْ الْمُسلمُونَ عَلَيْهِ بَعْدَهُمْ قَوْلًا وَّفِعْلًا، فَأَمَّا مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِمَّا لَا أَصْلَ لَهُ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَلَا أَجْمَعَتْ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ، فَهُوَ مُحْدَثٌ.

''اہل سنت والجماعت کتاب وسنت اور سلف صالحین کے اجماع سے تجاوز نہیں کرتے، نہ ہی فتنہ پروری کے لیے متشابہات اور ان کی تفسیر کے پیچھے پڑتے ہیں۔ وہ قول و فعل میں صرف صحابہ وتابعین اور بعد کے مسلمانوں کے اجماع کے پیروکار ہیں۔ بعد کے لوگوں نے جن معاملات میں اختلاف کیا ہے اور کتاب وسنت میں ان کی کوئی دلیل نہیں، نہ اس پر امت کا اجماع ہوا، وہ بدعت ہیں۔'' (الحجّة في بيان المحجّة: 410/2)

❁❁❁❁❁❁❁

فہمِ سلف اور اہل حدیث

ابوالحسن محمدی

اہل حدیث کی خصوصیات میں سے خصوصی شرف و امتیاز یہ ہے کہ وہ سلف صالحین کے منہج و فہم کے علمبردار ہیں۔ وہ اپنی عقل و دانش کی بنیاد پر قرآن و حدیث کو نہیں سمجھتے، بلکہ سلف صحابہ کرام اور ائمہ دین و محدثین کے فہم پر اکتفا کرتے ہوئے قرآن و حدیث کے مفاہیم و معانی اور مطالب معین کرتے ہیں۔ بعض لوگ اس پر بہت سے سطحی اشکالات وارد کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ تو سلف کی تقلید ہوئی اور اہل حدیث تو تقلید کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔ ہاں! اگر اسے لغوی طور پر تقلید، جس کا اطلاق کبھی پیروی پر بھی ہو جاتا ہے، کہہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن فہم سلف کا التزام اصطلاحی تقلید، یعنی تقلیدِ شخصی نہیں کہلا سکتا، جو کہ مذموم وممنوع ہے۔ یہ تو سلف صالحین کے اجماعی و اتفاقی منہج وفہم کی پیروی ہے، جو کہ سبیل المومنین اور واجب الاتباع ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سلف کی پیروی اہل حدیث کا شعار ہے۔

جو شخص یا گروہ شرعی نصوص کو صحابہ وتابعین اور ائمہ دین کے فہم و اجتہاد کے مطابق نہیں سمجھتا، وہ پکا گمراہ ہے۔ سلف صالحین کی پیروی درحقیقت رشد و ہدایت اور حق وصداقت تک پہنچنے کا راستہ ہے۔ یہی وہ بنیاد ہے جو امت کو انتشار و افتراق سے بچا سکتی ہے اور معاشرے کو صحیح اسلامی عقائد پر استوار کر سکتی ہے۔

امامِ اندلس، محمد بن وضاح، قرطبی رحمہ اللہ (199-286 ھ) فرماتے ہیں:

فَعَلَيْكُمْ بِالِاتِّبَاعِ لِأَئِمَّةِ الْهُدَى الْمَعْرُوفِينَ، فَقَدْ قَالَ بَعْضُ مَنْ مَّضٰى: كَمْ مِّنْ أَمْرٍ، هُوَ الْيَوْمَ مَعْرُوفٌ عِنْدَ كَثِيرٍ مِّنَ النَّاسِ، كَانَ مُنْكَرًا عِنْدَ مَنْ مَّضٰى، وَمُتَحَبَّبٌ إِلَيْهِ بِمَا يُبْغِضُهُ عَلَيْهِ، وَمُتَقَرَّبٌ إِلَيْهِ بِمَا يُبْعِدُهُ مِنْهُ،

وَكُلُّ بِدْعَةٍ عَلَيْهَا زِينَةٌ وَّبَهْجَةٌ . ”تم پر معروف ائمہ ہدایت کی پیروی لازم ہے۔سلف میں سے ایک شخص نے فرمایا: بہت سے کام آج اکثر لوگوں میں رائج ہیں، لیکن سلف کے ہاں وہ منکر تھے۔بہت سے کام آج کے لوگوں کو محبوب ہیں،لیکن سلف کے ہاں مبغوض تھے۔بہت سے کام آج کے لوگوں کے تقرب کا ذریعہ ہیں،لیکن یہی کام سلف سے دُوری کا باعث تھے۔ہر بدعت (ظاہری طور پر) خوبصورت اور پررونق نظر آتی ہے۔“

(البدع والنهي عنها، ص: 89)

قاضی،شریک بن عبداللہ رحمہ اللہ (م: 177ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا نَحْنُ، فَقَدْ أَخَذْنَا دِينَنَا هٰذَا عَنِ التَّابِعِينَ، عَنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُمْ عَمَّنْ أَخَذُوا .

”ہم نے تو اپنا یہ دین تابعین سے لیا ہے،انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام سے لیا اور صحابہ کرام نے کس سے لیا(یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں)۔“

(كتاب الأسماء والصفات للبيهقي: 949، وسندهٗ صحيحٌ)

شیخ الاسلام،ابو العباس،احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فہم سلف کو اختیار کرنے کی ضرورت کو یوں بیان کرتے ہیں:

وَمَنْ تَدَبَّرَ كَلَامَ أَئِمَّةِ السُّنَّةِ الْمَشَاهِيرِ فِي هٰذَا الْبَابِ، عَلِمَ أَنَّهُمْ كَانُوا أَدَقَّ النَّاسِ نَظَرًا، وَأَعْلَمَ النَّاسِ فِي هٰذَا الْبَابِ بِصَحِيحِ الْمَنْقُولِ، وَصَرِيحِ الْمَعْقُولِ، وَأَنَّ أَقْوَالَهُمْ هِيَ الْمُوَافِقَةُ لِلْمَنْصُوصِ وَالْمَعْقُولِ، وَلِهٰذَا تَأْتَلِفُ وَلَا تَخْتَلِفُ، وَتَتَوَافَقُ وَلَا تَتَنَاقَضُ، وَالَّذِينَ خَالَفُوهُمْ لَمْ يَفْهَمُوا حَقِيقَةَ أَقْوَالِ السَّلَفِ وَالْأَئِمَّةِ، فَلَمْ يَعْرِفُوا حَقِيقَةَ الْمَنْصُوصِ وَالْمَعْقُولِ، فَتَشَعَّبَتْ بِهِمُ الطُّرُقُ، وَصَارُوا مُخْتَلِفِينَ فِي الْكِتَابِ، مُخَالِفِينَ لِلْكِتَابِ، وَقَدْ قَالَ تَعَالٰى :

﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْ الْكِتَابِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ (البقرة 2 : 176)

''جو اس بارے میں مشہور ائمہ سنت کے کلام پر غور کرے گا ،اسے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ (علومِ دینیہ پر) سب لوگوں سے زیادہ گہری نظر رکھتے تھے اور اس بارے میں صحیح منقول اور صریح منقول دلائل کا سب سے بڑھ کر علم رکھنے والے تھے۔ان کے اقوال نقلی وعقلی دلائل کے عین مطابق ہوتے ہیں۔یہی وجہ ہے کہ وہ باہم ملتے جلتے ہیں،مختلف نہیں ہوتے اور باہم موافق ہیں، متناقض نہیں ہوتے۔جن لوگوں نے ان کی مخالفت کی ہے،وہ سلف اور ائمہ دین کے اقوال کو سمجھ نہیں پائے ،نہ وہ نقلی وعقلی دلائل کی حقیقت کو جان سکے ہیں۔اس طرح وہ گمراہ ہو کر وحیِ الٰہی میں اختلاف کا شکار ہو گئے اور اس کے مخالف بن گئے ہیں۔حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:﴿وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْ الْكِتَابِ لَفِيْ شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾(البقرة 2 : 176) (اور جن لوگوں نے کتاب[وحی] میں اختلاف کیا ہے،وہ دور کی گمراہی میں جا پڑے ہیں)۔'' (درء تعارض العقل والنقل : 301/2)

قرآنِ کریم میں فہم سلف کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے،فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾(النساء 4 : 59)

''اے ایمان والو! اللہ،اس کے رسول اور اپنے اولی الامر کی اطاعت کرو۔''

اولی الامر کے اول مصداق صحابہ کرام وتابعین اور ائمہ محدثین ہیں۔مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت وفرمانبرداری صحابہ وتابعین اور ائمہ محدثین کے فہم و منہج کے مطابق کرو۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿فَاِنْ آمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ

شِقَاقٍ﴾(البقرة 2 : 137)

”(میرے نبی کے صحابہ!)اگر یہ لوگ اس طرح ایمان لائیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ ہدایت یافتہ ہوں گے اور اگر وہ اس سے پھر گئے تو وہ گمراہی میں ہوں گے۔“

مزید فرمایا:

﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ﴾(التوبة 9 : 100)

”مہاجرین اور انصار میں سے پہلے سبقت لے جانے والوں اور ان کی احسان کے ساتھ پیروی کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ راضی ہو گیا ہے اور وہ اس سے راضی ہو گئے ہیں۔“

یعنی اللہ تعالیٰ کی رضا جس طرح مہاجرین و انصار صحابہ کرام کے لیے ہے، اسی طرح ان لوگوں کے لیے بھی ہے جو ان صحابہ کرام کا اتباع کرتے ہیں۔

صحابہ کرام کا اتباع ان کے فہم و اجتہاد میں کرنا ہے، جیسا کہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے خارجیوں سے مناظرہ کرتے ہوئے اسی فہمِ صحابہ ہی کو دلیل بنایا تھا۔ آپ رضی اللہ عنہما نے فرمایا تھا:

أَتَيْتُكُمْ مِّنْ عِنْدِ صَحَابَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، مِنَ الْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ، لِأُبَلِّغَكُمْ مَّا يَقُولُونَ، الْمُخْبَرُونَ بِمَا يَقُولُونَ، فَعَلَيْهِمْ نَزَلَ الْقُرْآنُ، وَهُمْ أَعْلَمُ بِالْوَحْيِ مِنْكُمْ.

”میں تمہارے پاس نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مہاجرین و انصار صحابہ کرام کی طرف سے حاضر ہوا ہوں تا کہ تمہیں ان کی بات پہنچاؤں۔ وہ ایسے لوگ ہیں کہ جو (قرآنی و حدیثی دلائل) وہ بیان کرتے ہیں، ان سے باخبر ہیں، ان پر قرآنِ کریم نازل ہوا اور یہ لوگ وحیِ الٰہی کو تم سے بڑھ کر جانتے ہیں۔“

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : 151,150/1، ح : 2656، وقال : هٰذا حديث صحيحٌ على شرط مسلم، ووافقه الذهبيّ، وسندهٗ حسنٌ)

امت کے جہالت و ضلالت اور اندھی تقلید سے نکلنے کے لیے فہم سلف کی پیروی ضروری ہے۔جس طرح اہل سنت والجماعت کا ہر گروہ قرآن و سنت کو معیارِ حق قرار دیتا ہے، اسی طرح اس کا ہر فرقہ چار و ناچار قرآن وسنت کو فہم سلف کے مطابق سمجھنے کو ضروری قرار دیتا ہے، یوں یہ امت کا اجماعی فیصلہ ہے،لیکن جس طرح قرآن وسنت پر ہر دعویدار عمل نہیں کرتا،اسی طرح فہم سلف کو بھی صرف اہل حدیث ہی صحیح معنوں میں قبول کرتے ہیں۔

ان سطور میں ہم بعض حنفی حضرات کی وہ آراء ذکر کرنا چاہتے ہیں جن میں فہم سلف کی ضرورت واہمیت اور تقلید کی مذمت بیان ہوئی ہے:

① علامہ، محمد بن علی بن محمد، ابن ابو العز، حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں:

وَكَيْفَ يَتَكَلَّمُ فِي أُصُولِ الدِّينِ مَنْ لَّا يَتَلَقَّاهُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَإِنَّمَا يَتَلَقَّاهُ مِنْ قَوْلِ فُلَانٍ؟ وَإِذَا زَعَمَ أَنَّهٗ يَأْخُذُهٗ مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَا يَتَلَقّٰى تَفْسِيرَ كِتَابِ اللّٰهِ مِنْ أَحَادِيثِ الرَّسُولِ، وَلَا يَنْظُرُ فِيهَا، وَلَا فِيمَا قَالَهُ الصَّحَابَةُ وَالتَّابِعُونَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ، الْمَنْقُولِ إِلَيْنَا عَنِ الثِّقَاتِ النَّقَلَةِ، الَّذِينَ تَخَيَّرَهُمُ النُّقَّادُ، فَإِنَّهُمْ لَمْ يَنْقُلُوا نَظْمَ الْقُرْآنِ وَحْدَهٗ، بَلْ نَقَلُوا نَظْمَهٗ وَمَعْنَاهُ، وَلَا كَانُوا يَتَعَلَّمُونَ الْقُرْآنَ كَمَا يَتَعَلَّمُ الصِّبْيَانُ، بَلْ يَتَعَلَّمُونَهٗ بِمَعَانِيهِ، وَمَنْ لَّا يَسْلُكُ سَبِيلَهُمْ فَإِنَّمَا يَتَكَلَّمُ بِرَأْيِهٖ، وَمَنْ يَتَكَلَّمُ بِرَأْيِهٖ وَمَا يَظُنُّهٗ دِينَ اللّٰهِ، وَلَمْ يَتَلَقَّ ذٰلِكَ مِنَ الْكِتَابِ فَهُوَ مَأْثُومٌ وَّإِنْ أَصَابَ، وَمَنْ أَخَذَ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ فَهُوَ مَأْجُورٌ وَّإِنْ أَخْطَأَ، لٰكِنْ إِنْ أَصَابَ يُضَاعَفُ أَجْرُهٗ.

”وہ شخص اصولِ دین کے بارے میں کلام کیسے کرسکتا ہے جس نے یہ اصول کتاب و سنت سے اخذ نہ کیے ہوں، بلکہ کسی شخص کے قول سے لیے ہوں۔اگر وہ قرآنِ کریم سے ان اصولوں کے اخذ کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو قرآنِ کریم کی تفسیر رسولِ اکرم ﷺ کی احادیث

سے نہیں لیتا۔ وہ نہ احادیث کو دیکھتا ہے، نہ صحابہ و تابعین کے ان اقوال میں غور کرتا ہے جنہیں ہم تک ان ثقہ راویوں نے پہنچایا ہے جن کو نقاد محدثین نے منتخب کیا تھا۔ صحابہ و تابعین (کے اقوال اس لیے ضروری ہیں کہ انہوں) نے صرف قرآنِ کریم کے الفاظ نقل نہیں کیے، بلکہ اس کا معنیٰ بھی نقل کیا ہے۔ وہ قرآنِ کریم کو اس طرح نہیں سیکھتے تھے جس طرح بچے (صرف لفظاً) سیکھتے ہیں، بلکہ وہ قرآنِ کریم کو اس کے معانی سمیت سیکھتے تھے۔ جو شخص ان کے راستے پر نہیں چلے گا، وہ اپنی رائے سے بات کرے گا اور جو شخص اپنی رائے سے بات کرے گا اور اسے اللہ کا دین سمجھے گا، حالانکہ اس نے یہ رائے وحی سے نہیں لی ہو گی، وہ اگر درست فیصلہ بھی کرے گا تو گناہگار ہوگا۔ اس کے مقابلے میں جو شخص کتاب و سنت سے مسئلہ اخذ کرے گا، اگرچہ وہ غلطی پر ہو، اسے اجر ملے گا۔ اگر وہ درستی پر ہوا تو اسے دو اجر ملیں گے۔''

(شرح العقيدة الطحاويّة، ص: 196,195)

یعنی صرف کتاب و سنت کا دعویٰ مبہم ہے، کیونکہ ہر گمراہ فرقہ بھی کتاب و سنت سے مسائل اخذ کرنے کا مدعی ہے۔ فیصلہ کن بات یہ ہے کہ کتاب و سنت کو فہم سلف کے مطابق سمجھا جائے اور وحیِ الٰہی سے ایسا کوئی مسئلہ اخذ نہ کیا جائے، سلف جس کے مخالف ہوں۔

② علامہ، احمد بن عبد الرحیم، المعروف بہ شاہ ولی اللہ، دہلوی، حنفی (1114-1176ھ) فہم سلف کو فرقہ ناجیہ کا منہج قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

اَلْفِرْقَةُ النَّاجِيَةُ هُمُ الْآخِذُونَ فِي الْعَقِيدَةِ وَالْعَمَلِ جَمِيعًا، بِمَا ظَهَرَ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَجَرٰى عَلَيْهِ جُمْهُورُ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ، وَإِنِ اخْتَلَفُوا فِيمَا بَيْنَهُمْ فِيمَا لَمْ يَشْتَهِرْ فِيهِ نَصٌّ، وَلَا ظَهَرَ مِنَ الصَّحَابَةِ اتِّفَاقٌ عَلَيْهِ، اسْتِدْلَالًا مِّنْهُم بِبَعْضِ مَا هُنَالِكَ، أَوْ تَفْسِيرًا لِّمُجْمَلِهٖ، وَغَيْرُ النَّاجِيَةِ كُلُّ فِرْقَةٍ انْتَحَلَتْ عَقِيدَةً خِلَافَ عَقِيدَةِ السَّلَفِ، أَوْ عَمَلًا دُونَ أَعْمَالِهِمْ.

''فرقہ ناجیہ (جنتی گروہ) وہ لوگ ہیں جو عقیدہ و عمل دونوں میں وہ بات لیتے ہیں جو

کتاب وسنت سے ظاہر ہو اور جس پر جمہور صحابہ و تابعین عمل کرتے ہیں۔ ہاں! جن مسائل میں کوئی شرعی نص معروف نہ ہو، نہ اس سلسلے میں صحابہ کرام کا کوئی اتفاق سامنے آیا ہو، اس میں فرقہ ناجیہ کے لوگ بعض آثار سے استدلال کرتے ہوئے یا مجمل نصوص کی تفسیر کرتے ہوئے آپس میں مختلف ہو سکتے ہیں۔اس کے برعکس غیر ناجیہ گروہ ہر وہ فرقہ ہے جو ایسے عقیدے سے منسوب ہو جو سلف صالحین (صحابہ و تابعین) کے خلاف ہے یا ایسا عمل اپنائے جو سلف سے ثابت نہیں۔‘‘(حجة الله البالغة :170/1)

نیز فرماتے ہیں: إِنَّ الْأُمَّةَ اجْتَمَعَتْ عَلٰى أَنْ يَّعْتَمِدُوا عَلَى السَّلَفِ فِي مَعْرِفَةِ الشَّرِيعَةِ، فَالتَّابِعُونَ اعْتَمَدُوا فِي ذٰلِكَ عَلَى الصَّحَابَةِ، وَتَبَعُ التَّابِعِينَ اعْتَمَدُوا عَلَى التَّابِعِينَ، وَهٰكَذَا فِي كُلِّ طَبَقَةٍ اعْتَمَدَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى مَنْ قَبْلَهُمْ، وَالْعَقْلُ يَدُلُّ عَلٰى حُسْنِ ذٰلِكَ، لِأَنَّ الشَّرِيعَةَ لَا تُعْرَفُ إِلَّا بِالنَّقْلِ وَالِاسْتِنْبَاطِ، وَالنَّقْلُ لَا يَسْتَقِيمُ إِلَّا بِأَنْ تَأْخُذَ كُلُّ طَبَقَةٍ عَمَّنْ قَبْلَهَا بِالِاتِّصَالِ، وَلَا بُدَّ فِي الِاسْتِنْبَاطِ أَنْ تُعْرَفَ مَذَاهِبُ الْمُتَقَدِّمِينَ، لِئَلَّا يَخْرُجَ عَنْ أَقْوَالِهِمْ، فَيَخْرِقُ الْإِجْمَاعَ.

’’امتِ مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ وہ شریعت کو سمجھنے کے سلسلے میں اپنے سلف پر اعتماد کرتی ہے۔تابعین کرام نے صحابہ پر اور تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا،اسی طرح ہر طبقے کے اہل علم نے اپنے سے پہلے لوگوں پر اعتماد کیا۔عقل بھی اس طریقے کو اچھا سمجھنے پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ شریعت کی معرفت نقل (روایت)اور استنباط دو چیزوں سے ہوتی ہے۔جس طرح روایت صرف اسی صورت ممکن ہے کہ ہر طبقہ اپنے سے پہلے طبقے سے اتصال کے ساتھ لے،اسی طرح استنباط میں بھی ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب بخوبی معلوم ہوں تاکہ کوئی استنباط سلف کے اقوال سے خارج ہو کر اجماعِ امت کا مخالف نہ ہو

جائے۔‘‘(عقد الجید في أحکام الاجتهاد والتقلید، ص: 36)

③ جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی (1292-1352ھ) کہتے ہیں:

’’قرآن کریم کی تقریر کو سمجھنے کا سب سے زیادہ قابل اعتماد راستہ آنحضرت ﷺ کا عمل اور صحابہ وتابعین کا تعامل ہے۔‘‘ (درس ترمذی از تقی عثمانی: 252/1)

④ جناب شبیر احمد عثمانی، دیوبندی، فلسفی (م: 1369ھ) لکھتے ہیں:

’’تَمَسُّك بالقرآن (قرآنِ کریم کو لازم پکڑنے) کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء واہواء کا تختۂ مشق بنا لیا جائے، بلکہ قرآنِ کریم کا مطلب وہ ہی معتبر ہوگا، جو احادیث ِصحیحہ اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔‘‘

(تفسیر عثماني، ص: 81، تحت سورۂ بقرہ: 107)

⑤ حافظ محمد ادریس، کاندھلوی، دیوبندی (م: 1394ھ) لکھتے ہیں:

’’اس لیے کتاب وسنت کا مفہوم اور جو علوم کتاب وسنت سے ماخوذ اور مستفاد ہوں گے، وہ وہی ہوں گے جو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھے ہیں۔ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے فاسد عقائد کو اپنے زعم اور خیال میں کتاب وسنت ہی سے ماخوذ ہونے کا مدعی ہے، لہٰذا کتاب وسنت کے وہی معانی اور مفاہیم معتبر ہوں گے، جو حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے سمجھے ہیں۔اس کے خلاف کسی مفہوم کا اعتبار نہ ہوگا۔جو شخص صحابہ کرام کے خلاف کتاب وسنت کا کوئی مفہوم بیان کرے، بس یہی اس کے گمراہ اور بے عقل ہونے کی دلیل ہے۔اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نہیں سمجھے تو یہ نیم عربی داں اور یہ نیم انگریزی خواں کہاں سے سمجھ گیا؟ یہ نیم کی قید اس لیے لگائی کہ پورا عربی داں تو وہی سمجھے گا، جو صحابہ وتابعین اور سلف صالحین نے سمجھا اور پورا انگریزی داں جو عربی سے بالکل بے خبر ہوگا، سو اگر وہ عاقل اور دانا ہوگا تو وہ کتاب وسنت کے بارے میں کچھ لب کشائی نہ کرے گا۔اس لیے کہ عاقل اور دانا اس کتاب کے مطلب بیان کرنے پر کبھی جرأت نہیں کر سکتا، جس کتاب کی وہ زبان نہ جانتا ہو۔جس طرح ایک عربی

زبان کا فاضل اور ادیب انگریزی قانون کی شرح کے بارے میں لب کشائی نہیں کر سکتا، اسی طرح ایک انگریزی داں قرآن و حدیث کی تفسیر پر لب کشائی نہیں کر سکتا اور محض ترجمہ دیکھ کر اپنے کو قانون داں سمجھنا بھی نادان ہونے کی دلیل ہے۔" (عقائدِ اسلام، ص: 166)

نیز لکھتے ہیں: "یہ فرقے دھوکا دینے کے لیے اسلام کا اور اللہ کا اور اس کے رسول کا نام لیتے ہیں اور آیات اور احادیث کے وہ معنیٰ بیان کرتے ہیں کہ جو صحابہ کرام اور تابعین اور امت کے علمائے ربانیین کے سمجھے ہوئے کے بالکل برعکس ہیں۔اور ظاہر ہے کہ دین وہ ہے جو صحابہ کرام نے سمجھا اور جو اس کے خلاف ہے، وہ کفر اور گمراہی ہے۔مسلمانوں کو چاہیے کہ ان کے دھوکہ میں نہ آئیں۔" (عقائدِ اسلام، ص: 183)

⑥ جناب سرفراز خان، صفدر، دیوبندی، حیاتی (1914-2009ء) لکھتے ہیں:

"اگر انصاف، خدا خوفی اور دیانت کے ساتھ اس بات پر غور کر لیا جائے کہ آخر یہی قرآن و حدیث حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین، تابعین عظام رحمہم اللہ اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم و بزرگانِ صالحین رحمہم اللہ کے سامنے بھی تھے۔ان کا جو مطلب و معنیٰ اور جو تفسیر و مراد انہوں نے سمجھی، وہی حق اور صواب ہے، باقی سب غلط اور باطل ہے۔پس عوام کا یہ کام ہے کہ ہر باطل پرست اور خواہش زدہ سے یہ سوال کریں کہ فلاں آیت اور فلاں حدیث کی جو مراد تم بیان کر رہے ہو، آیا یہ سلف صالحین سے ثابت ہے؟ اگر ہے تو صحیح و صریح حوالہ بتاؤ۔چشمِ ما روشن، دلِ ما شاد۔ورنہ یہ مراد جو تم بیان کرتے ہو، اس قابل ہے کہ اُسے؛

ع اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں!

عوام اس قائدہ اور ضابطہ کے بغیر اور کسی طرف نہ جائیں، پھر دیکھیں کہ حق کس کے ساتھ ہے؟ اور قرآن و حدیث کی مراد کون سی صحیح ہے؟ اگر وہ ایسا نہ کریں گے اور اس میں کوتاہی کریں گے تو ضروریاتِ دین میں غلطی کی وجہ سے کبھی عنداللہ سُرخرو نہیں ہو سکیں گے اور اپنی طاقت اور وسعت صَرف نہ کرنے کی وجہ سے جو گناہ قرآن و حدیث کی تحریف کرنے والوں کو

ملے گا، اس میں ماننے والے بھی برابر کے شریک ہوں گے۔'' (تنقیدِ متین، ص: 180)

نیز لکھتے ہیں: ''بریلوی حضرات کو ٹھنڈے دل سے غور کر لینا چاہیے کہ جو عقائد اور اعمال انہوں نے اختیار کر رکھے ہیں اور دن رات جن کی نشر و اشاعت میں وہ کوشاں ہیں، آیا یہ عقائد و اعمال حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین و تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور سلف صالحین کے تھے؟ اگر تھے تو نجات انہی میں ہے اور اگر یہ عقائد و اعمال ان کے نہ تھے تو اپنی نجات کی فکر کریں، ایسا نہ ہو کہ کل پچھتانا پڑے۔

ع فریب خود کو دیئے اور خود ہی پچھتائے!

(تنقیدِ متین، ص: 45)

⑦ جناب تقی، عثمانی، دیوبندی، حیاتی لکھتے ہیں:

''قرآن و حدیث کا معاملہ انتہائی نازک ہے۔ ان کی تفسیر و تشریح میں ہر کس و ناکس کی کتابوں سے استفادہ ٹھیک نہیں۔'' (تبصرے، ص: 260,259)

نیز لکھتے ہیں: ''دین کی تشریح و تعبیر حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نقوشِ قدم میں رہنمائی تلاش کیے بغیر ممکن نہیں۔'' (تبصرے، ص: 42)

یہ وہ قیمتی باتیں ہیں جن سے تقلیدِ ناسدید، جو کہ جہالت و ضلالت کا دوسرا نام ہے، کے ایوانوں میں لرزہ طاری ہو جاتا ہے۔ سلف صالحین پر اعتماد اور طائفہ منصورہ سے رشتہ استوار ہو جاتا ہے۔ یہ اصولی باتیں تب ہی بیان کی جاتی ہیں، جب اہل حدیث کے علاوہ کسی دوسرے گروہ سے پالا پڑے، جبکہ اہل حدیث کے مقابلے میں ان کا ذکر تک ممنوع ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ قیمتی متاع دراصل مسلک اہل حدیث ہے۔ ان زریں اصولی باتوں کی اہل حدیث کے علاوہ کوئی پاسداری نہیں کرتا۔ اس لیے اہل حدیث کے عقائد و اعمال وہی ہیں جو سلف صالحین کے تھے۔ یہ سلف سے سرِ مُو انحراف نہیں کرتے۔

یہ اہل حدیث کے حق ہونے کی دلیل و برہان ہے۔ اہل حدیث کے علاوہ کسی بھی

فرقے کے پاس باطل اور گمراہی کی سرکوبی کے لیے کوئی سامان نہیں، کیونکہ حق کے ساتھ باطل کا ردّ کیا جا سکتا ہے، نہ کہ باطل کے ساتھ باطل کا۔

مقلدین لوگ جہاں ایک طرف طائفہ منصورہ ائمہ محدثین کی تصریحات کو حق کہتے ہیں، وہاں دوسری طرف فردِ واحد کی اجارہ داری قائم کرتے ہوئے تقلیدِ شخصی کو واجب ہونے کا دعویٰ بلند کرتے ہیں، حالانکہ تقلیدِ شخصی سلف صالحین کے عقائد و اعمال سے انحراف کا دوسرا نام ہے۔اس کی ایک دو مثالیں پیشِ خدمت ہیں :

قبروں سے فیض اور فہم سلف :

مشہور دیوبندی، محمد بدر عالم، میرٹھی صاحب دار العلوم دیوبند کے ''شیخ الحدیث'' انور شاہ کشمیری، یوبندی کے بارے میں بیان کرتے ہیں :

فَقَدْ سَأَلْتُ عَنْهُ مَرَّةً عَنِ الِاسْتِفَاضَةِ مِنْ أَهْلِ الْقُبُورِ، هَلْ يَجُوزُ ذٰلِكَ أَمْ لَا ؟ فَقَالَ لِي : أَمَّا الْمُحَدِّثُونَ، فَلَا أَرَاهُمْ يُجَوِّزُونَهُ، وَلٰكِنْ أَجِيزُ أَنَا، لِكَوْنِهِ ثَابِتًا عِنْدَ أَرْبَابِ الْحَقَائِقِ .

''میں نے ان سے ایک مرتبہ اہل قبور سے فیض حاصل کرنے کے بارے میں سوال کیا کہ یہ جائز ہے یا نہیں؟ تو انہوں نے مجھے فرمایا : جہاں تک محدثین کرام کا تعلق ہے تو میں نے ان کو اس کے جواز کے قائل نہیں پایا۔لیکن میں اسے جائز قرار دیتا ہوں، کیونکہ یہ صوفیوں کے نزدیک ثابت ہے۔''(حاشية فيض الباري : 434/3)

مُردوں سے فیض حاصل کرنے کا یہ نسخہ سلف صالحین، یعنی صحابہ وتابعین اور تبع تابعین میں سے کسی کے پاس نہیں تھا، نہ محدثین کرام کے وہم وگمان میں کبھی گزرا۔کشمیری صاحب نے اسے گمراہ اور ملحد صوفیوں کی گھڑنت جانتے ہوئے بھی دین سمجھ بنا لیا ہے۔کیا فہم سلف کی پاسداری اسی کا نام ہے؟یہی بات تو ہمارے بریلوی بھائی بھی کہتے ہیں۔ان میں اور دیوبندیوں میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟

تقلید اور فہم سلف :

دیوبندیوں کے ''سید الطائفہ'' حاجی امداد حسین، المعروف بہ ''امداد اللہ مہاجر مکی'' قرآنِ مجید کی معنوی تحریف کرتے ہوئے کہتے ہیں :

''غیر مقلدین انکارِ تقلید کرتے ہیں۔ ﴿یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ میں (صاف اشارہ، بلکہ تصریح) تقلید موجود ہے۔'' (امداد المشتاق از اشرف علی تھانوی دیو بندی، ص: 83)

خیر القرون کے ائمہ اہل سنت، یعنی صحابہ وتابعین اور تبع تابعین میں سے کوئی بھی تقلید کے جواز کا قائل نہیں تھا، نہ کسی نے امداد حسین کی ذکر کردہ اس آیتِ کریمہ سے تقلید کا اشارہ یا تصریح سمجھی۔ ھَاتُوا بُرْھَانَکُمْ إِنْ کُنْتُمْ صَادِقِینَ!

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ اور تعظیمِ رسول

علامہ، عمر بن علی، بزّار رحمہ اللہ (م: 749ھ) شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَكَانَ لَا يَذْكُرُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ، إِلَّا وَيُصَلِّي وَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ، وَلَا وَاللّٰهِ، مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَشَدَّ تَعْظِيمًا لِّرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا أَحْرَصَ عَلَى اتِّبَاعِهِ، وَنَصْرِ مَا جَاءَ بِهٖ مِنْهُ، حَتّٰى إِذَا كَانَ وَرَدَ شَيْئًا مِّنْ حَدِيثِهٖ فِي مَسْأَلَةٍ، وَيَرٰى أَنَّهٗ لَمْ يَنْسَخْهُ شَيْءٌ غَيْرُهٗ مِنْ حَدِيثِهٖ، يَعْمَلُ بِهٖ، وَيَقْضِي، وَيُفْتِي بِمُقْتَضَاهُ، وَلَا يَلْتَفِتُ إِلٰى قَوْلِ غَيْرِهٖ مِنَ الْمَخْلُوقِينَ، كَائِنًا مَّنْ كَانَ، وَقَالَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : كُلُّ قَائِلٍ إِنَّمَا يُحْتَجُّ لِقَوْلِهٖ، لَا بِهٖ، إِلَّا اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ .

''آپ رحمہ اللہ جب بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ فرماتے تو درود وسلام پڑھتے۔ اللہ کی قسم! میں نے آپ سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم کرنے والا متبع سنت اور تعلیماتِ رسول کی حمایت ونصرت پر حریص کوئی نہیں دیکھا۔ حالت یہ تھی کہ جب رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی غیر منسوخ حدیث آجاتی تو اس پر عمل کرتے اور اسی کے مطابق فیصلہ وفتویٰ صادر فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کے بھی قول کی طرف التفات نہ فرماتے، خواہ وہ کوئی بھی ہوتا۔ آپ فرمایا کرتے تھے : اللہ اور اس کے رسول کے علاوہ ہر شخص کے قول کی دلیل طلب کی جائے گی، اسے دلیل نہیں بنایا جائے گا۔'' (الأعلام العليّة في مناقب ابن تيميّة، ص : 29)

تقلید کیا ہے؟

امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) نے تقلید کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے: وَالتَّقْلِيدُ أَنْ تَقُولَ بِقَوْلِهٖ، وَأَنْتَ لَا تَعْرِفُ وَجْهَ الْقَوْلِ، وَلَا مَعْنَاهُ، وَتَأْبٰى مَنْ سِوَاهُ، أَوْ أَنْ يَتَبَيَّنَ لَكَ خَطَأُهٗ، فَتَتَّبِعَهٗ مَهَابَةَ خِلَافِهٖ، وَأَنْتَ قَدْ بَانَ لَكَ فَسَادُ قَوْلِهٖ، وَهٰذَا مُحَرَّمٌ الْقَوْلُ بِهٖ فِي دِينِ اللّٰهِ سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى .

''تقلید یہ ہے کہ آپ اس (معیَّن شخص) کی بات کو تسلیم کر لیں، حالانکہ آپ کو نہ اس کی دلیل معلوم ہو، نہ اس کا معنیٰ اور اس کے علاوہ آپ ہر بات کا انکار کریں۔ یا یوں سمجھیں کہ آپ پر اس (معیَّن شخص) کی غلطی واضح ہو جائے تو پھر بھی اس کی مخالفت سے ڈرتے ہوئے اسی کی پیروی کرتے رہیں۔ ایسا کرنا اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی شریعت میں حرام ہے۔''

(جامع بیان العلم وفضلہ : 787/2)

علامہ محمد بن احمد بن اسحاق بن خواز، ابوعبد اللہ مصری مالکی کہتے ہیں:

التَّقْلِيدُ، مَعْنَاهُ فِي الشَّرْعِ الرُّجُوعُ إِلٰى قَوْلٍ لَّا حُجَّةَ لِقَائِلِهٖ عَلَيْهِ، وَهٰذَا مَمْنُوعٌ فِي الشَّرِيعَةِ . ''تقلید کا اصطلاحی معنیٰ یہ ہے کہ ایسے قول کی طرف رجوع کیا جائے جس کی قائل کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ شریعتِ اسلامیہ میں یہ کام ممنوع ہے۔'' (جامع بیان العلم وفضلہ : 992/2)

معلوم ہوا کہ تقلید ممنوع اور خلافِ شرع ہے۔ وحی اور دین کے مقابلے میں انسانوں کی آراء کو عقائد و اعمال میں دلیل بنانا اہل ایمان کا شیوا نہیں۔ اہل علم و عقل کا اس بات پر

اجماع ہے کہ تقلید حرام اور ممنوع ہے۔قرآن و حدیث سے اس کی مذمت ثابت ہے، نیز ضلالت و جہالت کا دوسرا نام تقلید ہے۔

تقلید جہالت ہے :

حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ (368-463ھ) تقلید کرنے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَالْمُقَلِّدُ لَا عِلْمَ لَهُ، وَلَمْ يَخْتَلِفُوا فِي ذٰلِكَ .

''اہل علم کا اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ مقلد جاہل مطلق ہوتا ہے۔''

(جامع بیان العلم وفضلہ : 992/2)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں :

وَالتَّقْلِيدُ لَيْسَ بِعِلْمٍ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ . ''اہل علم کا اتفاق ہے کہ تقلید، علم نہیں (جہالت ہے)۔'' (إعلام الموقّعين عن ربّ العالمين : 169/2)

نیز فرماتے ہیں : فَإِنَّهُ لَيْسَ عِلْمًا بِاتِّفَاقِ النَّاسِ .

''سب مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ تقلید علم نہیں (بلکہ جہالت ہے)۔''

(إعلام الموقّعين عن ربّ العالمين : 215/2)

تقلید کی خرابیاں :

تقلید وہ بُری مؤنث ہے جو ہر وقت بُرائیاں جنم دیتی رہتی ہے۔اس کے باعث انبیائے کرام علیہم السلام کو قتل کیا گیا،ان کی نبوت کا انکار کیا گیااور ان کی دعوت کو جھٹلایا گیا۔اسی تقلید نے انسانوں کودین الٰہی کا باغی بنا دیا،ان کو اللہ کے دین کے مقابلے میں دین ایجاد کرنے پر اُکسایا، اجماعِ امت کا مخالف بنایا،حق کا دشمن بنایااور سلف صالحین وائمہ دین سے بیگانہ کیا۔ اسی تقلید نے انسانیت سے علم و عقل کا زیور چھین لیا اور وحدتِ امت کا شیرازہ بکھیرتے ہوئے اور مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ کرتے ہوئے ہرجگہ منافرت اور

کدورتوں کے بیج بو دیئے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ تقلید کی قباحتیں ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں:

وَأَمَّا الْمُتَعَصِّبُونَ فَإِنَّهُمْ عَكَسُوا الْقَضِيَّةَ، وَنَظَرُوا فِي السُّنَّةِ، فَمَا وَافَقَ أَقْوَالَهُمْ مِّنْهَا قَبِلُوهُ، وَمَا خَالَفَهَا تَحَيَّلُوا فِي رَدِّهِ أَوْ رَدِّ دَلَالَتِهِ، وَإِذَا جَاءَ نَظِيرُ ذٰلِكَ أَوْ أَضْعَفُ مِنْهُ سَنَدًا وَدَلَالَةً، وَكَانَ يُوَافِقُ قَوْلَهُمْ قَبِلُوهُ، وَلَمْ يَسْتَجِيزُوا رَدَّهُ، وَاعْتَرَضُوا بِهِ عَلٰى مُنَازِعِيهِمْ، وَأَشَاحُوا وَقَرَّرُوا الِاحْتِجَاجَ بِذٰلِكَ السَّنَدِ وَدَلَالَتِهِ، فَإِذَا جَاءَ ذٰلِكَ السَّنَدُ بِعَيْنِهِ أَوْ أَقْوٰى مِنْهُ، وَدَلَالَتُهُ كَدَلَالَةِ ذٰلِكَ أَوْ أَقْوٰى مِنْهُ فِي خِلَافِ قَوْلِهِمْ، دَفَعُوهُ وَلَمْ يَقْبَلُوهُ، وَسَنَذْكُرُ مِنْ هٰذَا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ طَرَفًا، عِنْدَ ذِكْرِ غَائِلَةِ التَّقْلِيدِ وَفَسَادِهِ، وَالْفَرْقِ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الِاتِّبَاعِ.

”متعصب لوگوں نے معاملے کو برعکس کر دیا اور جو حدیث اپنے ائمہ کے اقوال کے مطابق ملی، اسے لے لیا اور جو ان کے خلاف معلوم ہوئی، کسی نہ کسی حیلے سے اسے ردّ کر دیا، اس کا معنیٰ ومفہوم بدلنے کی کوشش کی، اس سے بہت کمزور سند والی اور کمزور دلالت والی حدیث اگر ان کے مذہب کے موافق معلوم ہوئی تو اسے قبول کر لیا، اس کو ردّ کرنے والوں کے سر ہو گئے اور اپنے مخالف کے سامنے اس پر ڈٹ گئے، اس کے لیے تمام جتن کر ڈالے، حالانکہ خود اپنے امام کے خلاف پا کر اس سے بہت واضح دلالت والی حدیث کو درخوراعتناء نہ سمجھتے ہوئے پورے زور سے اسے ٹھکرا دیا تھا۔ ہم اس طرح کی مثالیں تقلید کی قباحت وشناعت کے بیان میں ذکر کریں گے۔ ان شاء اللہ، وہیں پر اس تقلید کی خرابیاں، بُرائیاں اور بیہودگیاں بھی معلوم ہوں گی اور وہیں پر ہم اتباع اور تقلید کا فرق بھی بیان کریں گے۔“ (إعلام الموقّعين :60/1)

شیخ عزّ الدین بن عبد السلام رحمہ اللہ (577-660ھ) فرماتے ہیں:

وَمِنَ الْعَجَبِ الْعَجِيبِ أَنَّ الْفُقَهَاءَ الْمُقَلِّدِينَ يَقِفُ أَحَدُهُمْ عَلٰى ضَعْفِ مَأْخَذِ إِمَامِهٖ، بِحَيْثُ لَا يَجِدُ لِضَعْفِهٖ مَدْفَعًا، وَمَعَ هٰذَا يُقَلِّدُهٗ فِيهِ، وَيَتْرُكُ مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ وَالْأَقْيِسَةِ الصَّحِيحَةِ لِمَذْهَبِهٖ، جُمُودًا عَلٰى تَقْلِيدِ إِمَامِهٖ، بَلْ يَتَحَلَّلُ لِدَفْعِ ظَوَاهِرِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَيَتَأَوَّلُهُمَا بِالتَّأْوِيلَاتِ الْبَعِيدَةِ الْبَاطِلَةِ، نِضَالًا عَنْ مُقَلَّدِهٖ، وَقَدْ رَأَيْنَاهُمْ يَجْتَمِعُونَ فِي الْمَجَالِسِ، فَإِذَا ذُكِرَ لِأَحَدِهِمْ فِي خِلَافِ مَا وَطَّنَ نَفْسَهٗ عَلَيْهِ تَعَجَّبَ مِنْهُ غَايَةَ التَّعَجُّبِ، مِنْ غَيْرِ اسْتِرْوَاحٍ إِلٰى دَلِيلٍ، بَلْ لِّمَا أَلِفَهٗ مِنْ تَقْلِيدِ إِمَامِهٖ، حَتّٰى ظَنَّ أَنَّ الْحَقَّ مُنْحَصِرٌ فِي مَذْهَبِ إِمَامِهٖ، وَلَوْ تَدَبَّرَهٗ لَكَانَ تَعَجُّبُهٗ مِنْ مَّذْهَبِ إِمَامِهٖ أَوْلٰى مِنْ تَعَجُّبِهٖ مِنْ مَذْهَبِ غَيْرِهٖ، فَالْبَحْثُ مَعَ هٰؤُلَاءِ ضَائِعٌ، مُفْضٍ إِلَى التَّقَاطُعِ وَالتَّدَابُرِ، مِنْ غَيْرِ فَائِدَةٍ يُّجْدِيهَا، وَمَا رَأَيْت أَحَدًا رَجَعَ عَنْ مَذْهَبِ إِمَامِهٖ، إِذَا ظَهَرَ لَهُ الْحَقُّ فِى غَيْرِهٖ، بَلْ يُصِرُّ عَلَيْهِ مَعَ عِلْمِهٖ بِضَعْفِهٖ وَبُعْدِهٖ، فَالْأَوْلٰى تَرْكُ الْبَحْثِ مَعَ هٰؤُلَاءِ، الَّذِينَ إِذَا عَجَزَ أَحَدُهُمْ عَنْ تَمْشِيَةِ مَذْهَبِ إِمَامِهٖ، قَالَ : لَعَلَّ إِمَامِي وَقَفَ عَلٰى دَلِيلٍ لَّمْ أَقِفْ عَلَيْهِ وَلَمْ أَهْتَدِ إِلَيْهِ، وَلَا يَعْلَمُ الْمِسْكِينُ أَنَّ هٰذَا مُقَابَلٌ بِّمِثْلِهٖ، وَيَفْضُلُ لِخَصْمِهٖ مَا ذَكَرَهٗ مِنَ الدَّلِيلِ الْوَاضِحِ وَالْبُرْهَانِ اللَّائِحِ، فَسُبْحَانَ اللّٰهِ، مَا أَكْثَرَ مَنْ أَعْمَى التَّقْلِيدُ بَصَرَهٗ، حَتّٰى حَمَلَهٗ عَلٰى مِثْلِ مَا ذُكِرَ ! وَفَّقَنَا اللّٰهُ لِاتِّبَاعِ الْحَقِّ، أَيْنَ مَا كَانَ وَعَلٰى لِسَانِ مَنْ ظَهَرَ، وَأَيْنَ هٰذَا مِنْ مُّنَاظَرَةِ السَّلَفِ وَمُشَاوَرَتِهِمْ فِي الْأَحْكَامِ، وَمُسَارَعَتِهِمْ إِلَى اتِّبَاعِ الْحَقِّ، إِذَا ظَهَرَ عَلَى لِسَانِ الْخَصْمِ .

''کتنی تعجب خیز بات ہے کہ ہر مقلد فقیہ اپنے امام کی کمزور بات پر ڈٹ جاتا ہے، حالانکہ وہ اس کمزوری کا کوئی توڑ بھی نہیں جانتا ہوتا۔ پھر بھی وہ اس مسئلے میں اسی امام کی تقلید کرتے ہوئے قرآن و سنت اور قیاسِ صحیح کے روز روشن کی طرح واضح دلائل کو ٹھکرا دیتا ہے۔ وہ یہ کام صرف اپنے امام کے مذہب پر جمود کی وجہ سے کرتا ہے۔ اسی پر بس نہیں، بلکہ وہ اپنے امام کا ناحق دفاع کرنے کی خاطر قرآن و حدیث کے اصل معانی کو بدلنے اور اس میں دوراز کار تاویلات کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ہم نے مقلدین کو علمی مجالس میں جمع ہوتے ہوئے بھی دیکھا ہے، جب ان میں سے کسی کے سامنے ایسی بات کر دی جائے جو اس کے مذہب کے خلاف ہو تو بغیر کوئی دلیل ذکر کیے اسے عجیب و غریب قرار دیتا ہے۔ دراصل وہ اپنے امام کی تقلید سے اتنا مانوس ہو چکا ہوتا ہے کہ وہ اپنے امام کے مذہب کے علاوہ کسی مذہب کو حق نہیں سمجھتا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث فضول ہے، بلکہ اس سے بجائے فائدے کے قطع رحمی اور بغض و کینہ حاصل ہوتا ہے۔ میں نے ان لوگوں میں سے کسی کو اپنے امام کے مذہب سے رجوع کرتے ہوئے نہیں دیکھا، حالانکہ ان کے سامنے یہ بات واضح ہو چکی ہوتی ہے کہ اس مسئلے میں کوئی دوسرا مذہب حق پر ہے۔ وہ اپنے امام کے مذہب کو کمزور اور دوراز کار جاننے کے باوجود بھی اسی کے ساتھ چمٹے رہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے ساتھ بحث و مباحثہ نہ کرنا ہی بہتر ہے۔ جب ان میں سے کوئی اپنے امام کے مذہب کو دلائل سے ثابت کرنے سے عاجز آ جاتا ہے تو کہہ دیتا ہے کہ شاید میرے امام کے پاس وہ دلیل ہو جو مجھے معلوم نہیں ہو سکی۔ اس بیچارے کو اتنا شعور بھی نہیں ہوتا کہ اسے بھی کوئی مخالف یہی بات کہہ سکتا ہے، بلکہ اس کی طرف سے یہ بیان اس کے مخالف کے لیے زیادہ واضح اور ٹھوس دلیل بن جائے گا۔ سبحان اللہ! لوگوں کو تقلید نے کتنا اندھا کر دیا ہے کہ وہ اس طرح کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کا اتباع کرنے کی توفیق دے، وہ کہیں بھی ہو اور کسی کی زبان پر جاری ہو۔ کہاں یہ رَوش اور کہاں سلف صالحین کا آپس میں معنیٰ خیز بحث و مباحثہ،

مسائل میں ان کی باہمی مشاوت اور مخالف کی زبانی حق کو سن کر اس کی پیروی میں جلدی!۔''

(قواعد الأحكام في مصالح الأنام : 135/2، وفي نسخة : 159)

جناب اشرف علی تھانوی دیوبندی صاحب (1863-1943ء) تقلید کے مفاسد یوں بیان کرتے ہیں: ''اور مفاسد کا ترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام، بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ قولِ مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے، ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا، بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے، پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے، خواہ کتنی ہی بعید ہو اور خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو، بلکہ مجتہد کی دلیل اُس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو، بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو، مگر نصرتِ مذہب کے لیے تاویل ضروری سمجھتے ہیں، دل یہ نہیں مانتا کہ قولِ مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح وصریح پر عمل کر لیں۔'' (تذکرۃ الرشید : 131/1)

شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی (1114-1176ھ) لکھتے ہیں :

فَإِنْ بَلَغَنَا حَدِيثٌ مِّنَ الرَّسُولِ الْمَعْصُومِ، الَّذِي فَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْنَا طَاعَتَهٗ، بِسَنَدٍ صَالِحٍ يَّدُلُّ عَلٰى خِلَافِ مَذْهَبِهٖ، وَتَرَكْنَا حَدِيثَهٗ، وَاتَّبَعْنَا ذٰلِكِ التَّخْمِينَ، فَمَنْ أَظْلَمُ مِنَّا، وَمَا عُذْرُنَا يَوْمَ يَقُومُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ؟

''اگر ہمارے پاس اس رسولِ معصوم ﷺ کی حدیث قابل حجت سند کے ساتھ پہنچ جائے، جن کی اطاعت اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کی ہے اور وہ حدیث ہمارے امام کے مذہب کے خلاف جاتی ہو اور ہم نبی اکرم ﷺ کی حدیث کو چھوڑ کر اس ظن کی پیروی میں لگ جائیں، تو ہم سے بڑا ظالم کون ہو گا اور جس دن لوگ رب العالمین کے سامنے کھڑے ہوں گے، اس دن ہمارا کیا عذر ہو گا؟'' (حجّة اللّٰه البالغة : 156/1)

تقلید میں ردّ حدیث کی دو مثالیں

اب ہم دو مثالیں ذکر کریں گے، جن سے معلوم ہو گا کہ مقلدین اپنے امام کے مذہب

کے خلاف حدیث کو کس طرح ردّ کرتے ہیں اور کس طرح اس میں دوراز کار اور مضحکہ خیز تاویلات کرتے ہیں۔

مثال نمبر ① : تقلید اور سواری پر وِتر کی ادائیگی

سواری پر نماز وتر کی ادائیگی اور سنتِ رسول علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام:

رسول اللہ ﷺ سے سواری پر وتر ادا کرنا ثابت ہے، جیسا کہ:

① صحابی جلیل، سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فِي السَّفَرِ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، حَيْثُ تَوَجَّهَتْ بِهٖ، يُوْمِي إِيمَاءً، صَلَاةَ اللَّيْلِ، إِلَّا الْفَرَائِضَ، وَيُوتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ.

''نبی اکرم ﷺ فرائض کے علاوہ باقی نماز سفر میں اپنی سواری ہی پر ادا کر لیتے تھے، اس کا رُخ جس طرف بھی ہوتا، آپ ﷺ اشارے سے نماز پڑھ لیتے تھے اور وتر بھی سواری پر ادا فرماتے تھے۔'' (صحیح البخاري: 136/1، ح: 1000، صحیح مسلم: 244/1، ح: 700)

② عظیم تابعی، سعید بن یسار رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

كُنْتُ أَسِيرُ مَعَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بِطَرِيقِ مَكَّةَ، فَقَالَ سَعِيدٌ: فَلَمَّا خَشِيتُ الصُّبْحَ نَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، ثُمَّ لَحِقْتُهُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ: أَيْنَ كُنْتَ؟، فَقُلْتُ: خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ، فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ: أَلَيْسَ لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ؟ فَقُلْتُ: بَلٰى، وَاللّٰهِ! قَالَ: فَإِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ.

''میں سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ مکہ کے راستے میں تھا۔ جب مجھے صبح صادق طلوع ہونے کا خدشہ ہوا تو میں نے سواری سے نیچے اُتر کر وتر ادا کیے، پھر میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جا ملا۔ انہوں نے پوچھا: تم کہاں رہ گئے تھے؟ میں نے کہا: مجھے صبح صادق

طلوع ہونے کا خدشہ ہوا تو میں نے سواری سے اُتر کر وتر ادا کر لیے۔ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قابل عمل نہیں ہے؟ میں نے کہا: اللہ کی قسم! کیوں نہیں۔انہوں نے فرمایا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اونٹ پر وتر ادا کر لیا کرتے تھے۔''

(صحيح البخاري :136/1، ح : 999، صحيح مسلم :244/1، ح : 36/700)

③ نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: كَانَ ابْنُ عُمَرَ رضي الله عنه يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَيُوتِرُ عَلَيْهَا، وَيُخْبِرُ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يَفْعَلُهُ.

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنی سواری پر (نفل) نماز پڑھ لیتے اور وتر بھی اسی پر ادا فرماتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔''

(صحيح البخاري : 1095، صحيح مسلم : 700)

④ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: إِنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی سواری پر وتر ادا فرما لیتے تھے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 6/2، وسندهٗ صحيحٌ)

سواری پر وِتر اور صحابیٔ رسول سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما:

❀ جریر بن حازم رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

قُلْتُ لِنَافِعٍ : أَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ؟ قَالَ : وَهَلْ لِّلْوِتْرِ فَضِيلَةٌ عَلٰى سَائِرِ التَّطَوُّعِ؟ إِي، وَاللّٰهِ ! لَقَدْ كَانَ يُوتِرُ عَلَيْهَا .

''میں نے نافع (مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ) سے پوچھا کہ کیا سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وتر ادا کر لیتے تھے؟انہوں نے فرمایا: کیا وتر کو باقی نوافل پر کوئی فضیلت ہے (کہ وہ سواری پر ادا نہ کیا جا سکتے)؟۔اللہ کی قسم! وہ سواری پر وتر (بھی) ادا کر لیا کرتے تھے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 6/2، وسندهٗ صحيحٌ)

امام عبداللہ بن دینار تابعی رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ . ''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وِتر ادا کیا کرتے تھے۔''(السنن الکبریٰ للنسائي :456/1، تهذيب الآثار للطبري :542/1، وسندهٗ صحيحٌ)

عظیم تابعی، امام سالم رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ عَبْدَ اللّٰهِ كَانَ يُصَلِّي فِي اللَّيْلِ، وَيُوتِرُ رَاكِبًا عَلٰى بَعِيرِهٖ، لَا يُبَالِي حَيْثُ وَجَّهَهٗ . ''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو نماز ادا فرماتے تو اپنی سواری پر ہی وتر ادا کرلیا کرتے تھے،اس کا رُخ جس طرف بھی ہوتا۔''

(مسند الإمام أحمد : 105/2، وسندهٗ صحيحٌ)

سواری پر نماز وتر کی ادائیگی اور فقہائے امت:

عظیم المرتبت تابعی،فقیہ امت،امام حسن بصری رحمہ اللہ (م :110ھ) کے بارے میں ہے:

كَانَ الْحَسَنُ لَا يَرٰى بَأْسًا أَنْ يُّوتِرَ الرَّجُلُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ .

''وہ اس بات میں کوئی حرج خیال نہیں کرتے تھے کہ آدمی اپنی سواری پر وِتر پڑھے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 98/2، وسندهٗ حسنٌ)

امام موسیٰ بن عقبہ رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

وَقَدْ رَأَيْتُ أَنَا سَالِمًا يَّصْنَعُ ذٰلِكَ . ''میں نے سالم بن عبد اللہ بن عمر رحمہ اللہ کوسواری پر وِتر ادا کرتے ہوئے دیکھا۔''(مسند الإمام أحمد : 105/2، وسندهٗ صحيحٌ)

جلیل القدر تابعی،مشہور فقیہ،نافع مولیٰ ابن عمر رحمہ اللہ (م : 117ھ) کے بیٹے ان کے بارے میں بیان کرتے ہیں: إِنَّ أَبَاهُ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الْبَعِيرِ .

''ان کے والد(نافع رحمہ اللہ) اونٹ پر وِتر ادا کرلیا کرتے تھے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 97/2، وسندهٗ صحيحٌ)

فقیہ عراق،امام ابوعبداللہ،سفیان بن سعید ثوری رحمہ اللہ (97-161ھ)فرماتے ہیں:

أَعْجَبُ إِلَيَّ أَنْ يُّوتِرَ عَلَى الْأَرْضِ، وَأَيُّ ذٰلِكَ فَعَلَ، أَجْزَأَهٗ .

”مجھے زمین پر وتر پڑھنا زیادہ پسند ہے،لیکن جیسے بھی پڑھ لیے جائیں، جائز ہیں۔“

(تهذيب الآثار للطبري :545/1، وسندهٗ صحيحٌ)

امام شافعی رحمہ اللہ سواری پر وتر ادا کرنے کو جائز سمجھتے تھے۔امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
وَقَدْ ذَهَبَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ وَغَيْرِهِمْ إِلٰى هٰذَا، وَرَأَوْا أَنْ يُّوتِرَ الرَّجُلُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَبِهٖ يَقُولُ الشَّافِعِيُّ وَأَحْمَدُ وَإِسْحَاقُ .

”اس حدیث پر بعض صحابہ کرام اور دیگر اہل علم نے عمل کیا ہے اور ان کی رائے میں آدمی کا اپنی سواری پر وتر ادا کرنا جائز ہے۔امام شافعی،امام احمد اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔“(سنن الترمذي، تحت الحديث : 472)

امام اہل سنت،احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) کے بیٹے ابوفضل صالح رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: سَأَلْتُ أَبِي : يُوتِرُ الرَّجُلُ عَلٰى بَعِيرِهٖ؟ قَالَ : نَعَمْ، قَدْ أَوْتَرَ النَّبِيُّ ﷺ عَلٰى بَعِيرِهٖ .

”میں نے اپنے والد سے پوچھا کہ کیا آدمی اپنے اونٹ پر وتر ادا کرسکتا ہے؟انہوں نے فرمایا: ہاں، یقیناً نبی اکرم ﷺ نے اپنے اونٹ پر وتر ادا فرمائے ہیں۔“

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه أبي الفضل صالح : 257/2، الرقم : 859)

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (161-238ھ) فرماتے ہیں: اَلسُّنَّةُ الْوِتْرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ فِي السَّفَرِ . ”سفر میں سواری پر وتر ادا کرنا سنتِ رسول ہے۔“

(مسائل الإمام أحمد وإسحاق بن راهويه للكوسج : 650/2، الرقم : 297)

مشہور امام،ابومحمد،عبد اللہ بن عبد الرحمٰن بن فضل بن بہرام دارمی رحمہ اللہ (181-255ھ) نے جب سواری پر وتر ادا کرنے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کی حدیث بیان کی تو اُن سے پوچھا گیا: تَأْخُذُ بِهٖ؟ کیا آپ اس حدیث کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا: نَعَمْ . ”ہاں،(میں اس کے مطابق فتویٰ دیتا ہوں)۔“

(سنن الدارمي : 991/2)

امام اہل سنت، رئیس المفسرین، ابوجعفر، محمد بن جریر، طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) سواری پر وتر کے بارے میں اختلاف اور دلائل ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالصَّوَابُ مِنَ الْقَوْلِ فِي الْوِتْرِ رَاكِبًا، قَوْلُ مَنْ أَجَازَهُ، لِمَعَانٍ : أَحَدُهَا صِحَّةُ الْخَبَرِ الْوَارِدِ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَنَّهُ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ، وَهُوَ الْإِمَامُ الْمُقْتَدٰى بِهٖ .

''سواری پر وِتر کی ادیئگی (کے جواز اور عدمِ جواز) کے بارے میں اس شخص کی بات درست ہے، جو اسے جائز کہتا ہے۔اس کی کئی وجوہات ہیں۔سواری پر وِتر ادا کرنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی احادیث ثابت ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی وہ امام ہیں جن کی اقتدا کی جانی چاہیے۔''(تهذيب الآثار للطبري : 545/5)

امام الائمہ، ابن خزیمہ رحمہ اللہ (223-311ھ) حدیث ابن عمر پر یوں تبویب فرماتے ہیں:

بَابُ إِبَاحَةِ الْوِتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ . ''سواری پر وتر کے جائز ہونے کا بیان۔''

(صحيح ابن خزيمة : 249/2)

امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) اس کے جواز کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

ذِكْرُ الْوِتْرِ عَلَى الرَّاحِلَةِ، ثَبَتَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ .

''سواری پر وتر ادا کرنے کا بیان۔یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر وتر ادا فرمایا کرتے تھے۔''(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف : 201/5)

علامہ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) نے یوں باب قائم کیا ہے:

بَابُ جَوَازِ الْوِتْرِ جَالِسًا، وَعَلَى الرَّاحِلَةِ فِي السَّفَرِ .

''اس بات کا بیان کہ بیٹھ کر وتر پڑھنا اور سفر میں سواری پر وتر ادا کرنا جائز ہے۔''

(خلاصة الأحكام في مهمّات السنن وقواعد الإسلام : 562/1)

سواری پر نماز وتر کی ادائیگی اور فقہ حنفی:

اس صحیح و ثابت سنتِ رسول، عمل صحابہ، فہم ائمہ دین اور فقہائے امت کے خلاف سواری

پر وتر ادا کرنے کے بارے میں فقہ حنفی کا فتویٰ یہ ہے:

وَلَا يَجُوزُ أَنْ يُّوتِرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ. ''سواری پر وتر ادا کرنا جائز نہیں۔''

(الفتاوی الهنديّة المعروف به فتاوی عالمگیری: 111/1، البناية شرح الهداية للعيني الحنفي: 477/2، البحر الرائق لابن نجيم الحنفي: 41/2)

سنتِ رسول اور حنفی تاویلات:

قارئین کرام صحیح احادیث سے یہ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سواری پر وتر ادا کرنا نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔جلیل القدر صحابی سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کی سنت سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ائمہ دین اور فقہائے امت نے اسے سنتِ رسول ہی بتایا ہے۔

اس صحیح و ثابت سنتِ رسول کو قبول کرنے کی سعادت احناف کے حصے میں نہیں آئی، بلکہ انہوں نے اسے اپنی نام نہاد فقہ کی بھینٹ چڑھاتے ہوئے اس میں عجیب و غریب تاویلات اور گمراہ کن دعوے کیے ہیں۔آیئے ان تاویلاتِ باطلہ کا تحقیقی جائزہ لیتے ہیں۔

تاویل نمبر ①: دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب (1875-1933ء) لکھتے ہیں:

أَمَّا ابْنُ عُمَرَ، فَالْجَوابُ عِنْدِي أَنَّهٗ مِمَّنْ لَّمْ يَكُنْ يُّفَرِّقُ بَيْنَ الْوِتْرِ وَصَلَاةِ اللَّيْلِ، وَكَانَ يُطْلِقُ الْوِتْرَ عَلَى الْمَجْمُوعِ، فَيُمْكِنُ أَنْ يَّكُونَ مَا ذَكَرَهٗ مِنْ وِتْرِهٖ عَلَى الدَّابَّةِ، هِيَ صَلَاةَ اللَّيْلِ.

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بیان کا تو میرے پاس یہ جواب ہے کہ وہ وتر اور نماز تہجد میں فرق نہیں کرتے تھے، بلکہ ساری نماز کے لیے وتر ہی کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ممکن ہے کہ انہوں نے سواری پر آپ ﷺ کے وتر کا جو ذکر کیا ہے،اس سے مراد تہجد کی نماز ہو۔''

(فيض الباري: 194/3)

علامہ زیلعی حنفی (م: 762ھ) اور علامہ عینی حنفی (م: 855ھ) نے کیا خوب کہا ہے کہ:

اَلْمُقَلِّدُ ذَهْلٌ، وَالْمُقَلِّدُ جَهْلٌ. ”مقلد حقائق سے چشم پوشی کرنے والا اور جاہل ہوتا ہے۔“ (نصب الراية للزيلعي :219/1، 228/3، البناية شرح الهداية للعيني :317/1)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے فہم پر یہ حملہ دیکھ کر ہمیں بھی بڑے افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے کہ اس مسئلے میں شاہ صاحب نے علم و عقل سے خوب دشمنی کمائی ہے۔ یہ احادیث بول بول بتا رہی ہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے یہاں وتر اور تہجد کو نہ خود ایک سمجھا ہے، نہ اپنے شاگرد سعید بن یسار تابعی کے سامنے اسے ایک شمار کیا ہے، بلکہ ان کی مراد سراسر اصطلاحی وتر ہی تھی۔ یہ بات ادنیٰ شعور رکھنے والے شخص کو ادنیٰ غور وفکر سے سمجھ میں آ سکتی ہے۔

تابعی سعید بن یسار رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے استفسار پر بتایا تھا کہ:

خَشِيتُ الصُّبْحَ، فَنَزَلْتُ، فَأَوْتَرْتُ.

”مجھے صبح صادق کے طلوع ہونے کا خدشہ ہوا تو میں نے اُتر پر وتر ادا کر لیے۔“

کیا جب اتنا تھوڑا وقت ہو کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کا خدشہ ہو رہا ہو تو پوری نماز تہجد ادا کی جا سکتی ہے؟ کیا کوئی عقل مند اس طرح کی ہفوات پر کان دھر سکتا ہے؟

آیئے اب ہم آپ کو یہی بات حدیثِ رسول کی روشنی میں بتاتے ہیں:

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، وَهُوَ يَخْطُبُ، فَقَالَ: كَيْفَ صَلَاةُ اللَّيْلِ؟ فَقَالَ: «مَثْنٰى مَثْنٰى، فَإِذَا خَشِيتَ الصُّبْحَ فَأَوْتِرْ بِوَاحِدَةٍ».

”ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اس نے پوچھا: رات کی نماز (تہجد) کس طرح پڑھنی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: دو دو رکعت کر کے۔ پھر جب صبح صادق طلوع ہونے کا خدشہ ہو تو ایک وتر ادا کر لے۔“

(صحيح البخاري : 473، صحيح مسلم : 749)

یعنی بقولِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم بھی جب صبح صادق طلوع ہونے کے قریب ہو تو اصطلاحی وتر ہی ادا کیے جاتے ہیں۔ اب کس کس حدیث کی مخالفت پر افسوس کریں! اس

حدیث میں خود رسولِ اکرم ﷺ نے ایک وتر پڑھنے کا حکم دیا ہے، لیکن احناف اسے بھی تسلیم کرنے سے انکاری ہیں۔ بھلا مؤخر الذکر حدیث سننے کے بعد کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ صبح صادق کے طلوع ہونے کے عین قریبی وقت میں وتر پڑھنے سے مراد تہجد پڑھنا ہے؟ یہ حدیث بھی رسولِ اکرم ﷺ سے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی نے بیان کی ہے۔ بھلا وہ کیسے سعید بن یسار کے اصطلاحی وتر کو تہجد سمجھنے کی غلط فہمی میں مبتلا ہو سکتے تھے؟ فہم کی ایسی غلطی میں تو کوئی ادنیٰ شعور رکھنے والا عام آدمی بھی مبتلا نہیں ہوسکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ پہلی حدیث میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی نے رسول اکرم ﷺ کی نماز تہجد اور وتر دونوں کو الگ الگ ذکر کر کے یہ صراحت کی ہے کہ آپ ﷺ تہجد اور وتر دونوں کو سواری پر ادا فرمایا کرتے تھے۔ کیا اب بھی کوئی یہ بہانہ کر سکے گا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما تہجد اور وتر، دونوں کو وتر کہتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ہماری ذکر کردہ تیسری روایت میں نافع تابعی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ وتر اپنی سواری ہی پر ادا کر لیا کرتے تھے۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ نافع تابعی رحمہ اللہ بھی تہجد کو وتر کہتے تھے؟

چوتھی بات یہ کہ احناف کے متقدمین علماء اس بات کے اقراری تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے سواری پر اصطلاحی وِتر ہی ادا کیے تھے۔ آئندہ اعتراض کے ضمن میں امام طحاوی حنفی کا یہ اعتراف آپ ملاحظہ فرمالیں گے۔ آپ ﷺ کے سواری پر وِتر سے مراد تہجد لینا خالص کشمیری اختراع ہے۔ ہمارے علم کے مطابق ان سے پہلے کسی مسلمان نے ایسا نہیں کہا۔

پانچویں بات یہ کہ سعید بن یسار تابعی رحمہ اللہ نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ حدیث سن کر کوئی معارضہ نہیں کیا اور یہ نہیں کہا کہ میں نے تو وتر ادا کیا ہے، جبکہ آپ کی بیان کردہ حدیث کے مطابق تو رسولِ اکرم ﷺ سواری پر وتر نہیں، بلکہ تہجد کی نماز ادا کیا کرتے تھے۔ پھر ائمہ دین اور فقہائے امت کا فہم اس پر مستزاد ہے۔ امام شافعی، امام احمد بن حنبل، امام

اسحاق بن راہویہ، امام ابن خزیمہ وغیرہم رحمہم اللہ کے علاوہ امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سواری پر وتر کو بَابُ الْوِتْرِ عَلَى الدَّابَّةِ (سواری پر وتر پڑھنے کا بیان) کی تبویب کر کے اصطلاحی وتر ہی سمجھا ہے۔امام بخاری رحمہ اللہ کے اجتہاد اور ان کی فقاہت کا اعتراف کرتے ہوئے تو خود انور شاہ کشمیری صاحب نے لکھا ہے:

فَإِنَّهٗ لَيْسَ بِمُقَلِّدٍ لِّلْأَحْنَافِ وَالشَّافِعِيَّةِ . ''امام بخاری رحمہ اللہ حنفی یا شافعی مقلد نہیں تھے۔'' (العرف الشذي :106/1)

یعنی ان احادیث میں وتر سے اصطلاحی وتر ہی مراد ہے،مجتہدین امت کا یہی فیصلہ ہے،ایسا نہیں کہ ہم احناف کی مخالفت میں ایسا کر رہے ہیں۔جن محدثین کرام نے احادیث پر فقہی تبویب کی ہے،سب نے اس حدیث سے اصطلاحی وِتر ہی مراد لیا ہے۔

اس حقیقت کے واضح ہو جانے کے باوجود بھی مقلدین واضح احادیث کی باطل تاویلات پر اُتر آتے ہیں، کیونکہ انہوں نے حدیث کے خلاف اپنے امام کی ''لا یجوز'' کی لاج جو رکھنی ہے،خواہ انہیں منکرینِ حدیث کا انداز ہی کیوں نہ اختیار کرنا پڑے۔ہم تو حدیث کی مخالفت پر ایسے لوگوں سے وہی سوال کریں گے جو سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے سعید بن یسار تابعی سے سواری پر وتر نہ پڑھنے پر فرمایا تھا کہ:

أَمَا لَكَ فِي رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ .

''کیا تمہارے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ قابل عمل نہیں ہے؟''

فرق صرف یہ ہے کہ سعید بن یسار تابعی رحمہ اللہ نے تو حدیث کا علم نہ ہونے کی بنا پر ایسا کیا تھا،لیکن ہمارے احناف بھائی نہ صرف حدیث کو بخوبی جانتے بوجھتے ایسا کرتے ہیں، بلکہ اس سنت سے روکنے کے لیے ایسے اوچھے ہتھکنڈے بھی اپناتے ہیں،جن سے فہم صحابہ و فقاہت ِفقہائے امت کی فقاہت پر سخت زَد آتی ہے۔اہل انصاف کو غور وفکر کی دردمندانہ اپیل ہے!

اعتراض نمبر ۲ :

امام طحاوی حنفی لکھتے ہیں :

فَيَجُوزُ أَنْ يَّكُونَ مَا رَوَى ابْنُ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ وِّتْرِهٖ عَلَى الرَّاحِلَةِ كَانَ ذٰلِكَ مِنْهُ قَبْلَ تَأْكِيدِهٖ إِيَّاهُ، ثُمَّ أَكَّدَهٗ مِنْ بَعْدِ نَسْخِ ذٰلِكَ . ''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جو رسول اللہ ﷺ کا سواری پر وِتر پڑھنا ذکر کیا ہے، ہوسکتا ہے کہ وہ وِتر کی تاکید (وجوب) سے پہلے کا واقعہ ہو، پھر اس کے نسخ کے بعد آپ ﷺ نے وِتر کی تاکید کر دی ہو۔''(شرح معاني الآثار :430/1)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ کے دعوئ نسخ پر شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) یوں تبصرہ فرماتے ہیں:

لٰكِنَّهٗ يُكْثِرُ مِنِ ادِّعَاءِ النَّسْخِ بِالِاحْتِمَالِ . ''لیکن امام طحاوی محض احتمال کی بنا پر بکثرت نسخ کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں۔''(فتح الباري في شرح صحيح البخاري : 487/9)

جب اپنا فقہی مذہب حدیث کے خلاف ہو اور کوئی جواب نہ بن پڑے تو آلہ نسخ کا بلادریغ استعمال کرتے ہوئے احادیث کو ردّ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ پہلی بات تو یہ ہے کہ نماز وتر کے وجوب کی حقیقت ایک مفروضے سے بڑھ کر نہیں، دلائل شرعیہ یہی بتاتے ہیں کہ نماز وتر نفل ہی ہے۔ دوسرے کوئی احناف سے پوچھے کہ نماز وتر کی تاکید کب ہوئی؟ جب تک ٹھوس قرائن وشواہد سے یہ ثابت نہ ہو جائے کہ کون سا معاملہ پہلے کا اور کون سا بعد کا ہے، اس وقت تک نسخ کا دعویٰ ہی مردُود ہوتا ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) سواری پر وتر پڑھنے کو منسوخ کہنے کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَلَا يَجُوزُ دَعْوَى النَّسْخِ فِيمَا رُوِّينَا فِي ذَلِكَ، بِمَا رُوِيَ فِي تَأْكِيدِ الْوِتْرِ، مِنْ غَيْرِ تَارِيخٍ، وَلَا سَبَبٍ، يَدُلُّ عَلَى النَّسْخِ .

''وِتر کی تاکید والی حدیث سے سواری پر وِتر کی ادائیگی کے بارے میں مروی حدیث کے منسوخ ہونے کا دعویٰ جائز نہیں۔ دعوئ نسخ پر وقت کا علم، کوئی تاریخ یا کوئی سبب موجود

نہیں۔''(معرفة السنن والآثار : 448/3)

وَمَا رُوِيَ فِي تَأْكِيدِ الْوِتْرِ يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ أَوَّلُ مَا شَرَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوِتْرَ، وَإِنَّمَا صَلَّاهَا عَلَى الرَّاحِلَةِ، بَعْدَ مَا شَرَعَهَا، وَأَخْبَرَ أُمَّتَهٗ بِأَمْرِهِمْ بِهَا، إِنْ ثَبَتَ الْحَدِيثُ عَنْهُ، فَكَيْفَ يَكُونُ ذٰلِكَ نَاسِخًا لِّمَا صَنَعَ فِيهَا بَعْدَهٗ؟

''وِتر کی تاکید کے بارے میں جو احادیث مروی ہیں، اگر وہ صحیح ہیں تو، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نمازِ وتر کی مشروعیت کے بالکل آغاز کی بات ہے، جبکہ سواری پر وِتر نبی اکرم ﷺ نے اس کی مشروعیت اور اس کی تاکید کے بعد پڑھے ہیں۔ پھر یہ تاکید آپ ﷺ کے بعد والے عمل (سواری پر وِتر) کو کیسے منسوخ کر سکتی ہے؟''(معرفة السنن والآثار : 447/3)

اہلِ خرد انصاف کریں کہ صحابیٔ رسول سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما جو نبی اکرم ﷺ کے سواری پر وِتر ادا کرنے کو امت کے لیے بیان کرتے ہیں، وہ خود آپ ﷺ کی وفات کے بعد سواری پر وتر ادا کرتے تھے اور اسے اسوۂ حسنہ قرار دے کر دوسروں کو اس کی تاکید بھی کرتے تھے۔ اگر سواری پر وتر ادا کرنا منسوخ ہو چکا تھا تو انہیں کیوں علم نہ ہوا؟ امام طحاوی حنفی سے پہلے، سوا تین سو سال تک، کسی امام و فقیہ نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ سواری پر وتر ادا کرنا منسوخ ہو چکا ہے۔ اس پر مستزاد کہ امام بیہقی رحمہ اللہ جیسے محدثِ شہیر نے اس کا سختی سے علمی ردّ بھی کر دیا ہے۔

علامہ عبدالحیٔ حنفی نے بھی امام طحاوی کے دعویٔ نسخ کا ردّ کرتے ہوئے لکھا ہے:

وَفِيهِ نَظَرٌ لَّا يَخْفٰى، إِذْ لَا سَبِيلَ إِلٰى إِثْبَاتِ النَّسْخِ بِالِاحْتِمَالِ مَا لَمْ يُعْلَمْ ذٰلِكَ بِنَصٍّ وَارِدٍ فِي ذٰلِكَ .

''امام طحاوی حنفی کا دعویٔ نسخ واضح طور پر مردود ہے، کیونکہ نسخ کبھی بھی احتمال کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا، جب تک اس بارے میں قرآن و سنت کی واضح تعلیمات معلوم نہ ہو جائیں۔''

(التعليق الممجّد على مؤطّإ مالك : 133)

تنبیہ : اگر کوئی کہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں مروی ہے:

إِنَّهُ كَانَ يُصَلِّي عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَيُوتِرُ بِالْأَرْضِ، وَيَزْعَمُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ .

''وہ سواری پر (نفل) نماز ادا کرتے تھے، پھر وتر زمین پر ادا فرماتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کیا کرتے تھے۔'' (شرح معاني الآثار للطحاوي :1/429، وسندهٗ صحيحٌ)

تو ایسا کرنا بالکل جائز اور درست ہے۔سواری پر وِتر ادا کیے جائیں یا زمین پر، دونوں صورتیں بالکل درست ہیں۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کو سواری پر وِتر ادا کرنے کے خلاف پیش کرنا دھوکہ دہی کے سوا کچھ نہیں، کیونکہ ہم ان سے سواری پر وِتر ادا کرنے کے بارے میں ان کے کئی شاگردوں کی صحیح الاسناد روایات پیش کر چکے ہیں۔

اگر پھر بھی کسی کو کوئی شبہ ہو تو وہ یہ روایت پڑھ لے۔نافع رحمہ اللہ بیان فرماتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ رُبَّمَا أَوْتَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَرُبَّمَا نَزَلَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سواری پر وتر ادا فرماتے اور کبھی نیچے اُتر کر۔''

(تهذيب الآثار للطبري :1/541، سنن الدارقطني :2/339، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اُتر کر وِتر ادا کرنا اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ وہ سواری پر وتر کو ناجائز سمجھتے تھے، کیونکہ خود ان سے سواری پر وِتر ادا کرنا بھی ثابت ہے، یعنی وہ حدیثِ رسول کی روشنی میں دونوں صورتوں کو جائز سمجھتے تھے۔

امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) فرماتے ہیں:

أَمَّا نُزُولُ ابْنِ عُمَرَ عَنْ رَّاحِلَتِهٖ حَتّٰى أَوْتَرَ بِالْأَرْضِ، فَمِنَ الْمُبَاحِ، إِنْ شَاءَ الَّذِي يُصَلِّي الْوِتْرَ صَلّٰى عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَإِنْ شَاءَ صَلّٰى عَلَى الْأَرْضِ، أَيَّ ذٰلِكَ فَعَلَ يُجْزِيهِ، وَقَدْ فَعَلَ ابْنُ عُمَرَ الْفِعْلَيْنِ جَمِيعًا،

رُوِّينَا عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّهُ كَانَ رُبَّمَا أَوْتَرَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ، وَرُبَّمَا نَزَلَ، وَالْوِتْرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ جَائِزٌ، لِلثَّابِتِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ أَوْتَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَيَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى أَنَّ الْوِتْرَ تَطَوُّعٌ، خِلَافَ قَوْلِ مَنْ شَذَّ عَنْ أَهْلِ الْعِلْمِ، وَخَالَفَ السُّنَّةَ، فَزَعَمَ أَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ.

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اُتر کر وِتر ادا کرنا جواز کی دلیل ہے۔ وِتر پڑھنے والا چاہے تو سواری پر پڑھ لے اور چاہے تو اُتر کر۔دونوں صورتیں جائز ہیں۔سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے دونوں طرح سے وِتر پڑھے ہیں۔ہمیں یہ روایت مل گئی ہے کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کبھی سواری پر وِتر ادا فرماتے اور کبھی اُتر کر۔سواری پر وتر ادا کرنا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت شدہ حدیث کی بنا پر جائز ہے۔اس سے یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ وتر نفل ہے،جن لوگوں نے اہل علم (سلف صالحین) اور سنت کی مخالفت میں وتر کو فرض سمجھا ہے، یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔''

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: 247/5)

امام طبری رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَا رُوِيَ فِي ذٰلِكَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي التَّطَوُّعَ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ بِاللَّيْلِ، فَإِذَا أَرَادَ أَنْ يُّوتِرَ نَزَلَ، فَأَوْتَرَ عَلَى الْأَرْضِ، فَإِنَّهُ لَا حُجَّةَ فِيهِ لِمُحْتَجٍّ بِأَنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْ أَجْلِ أَنَّهُ كَانَ لَا يَرٰى جَائِزًا لِّلْمَرْءِ أَنْ يُّوتِرَ رَاكِبًا، وَأَنَّهُ كَانَ يَرٰى أَنَّ الْوِتْرَ فَرْضٌ كَسَائِرِ الصَّلَوَاتِ الْمَكْتُوبَاتِ، وَذٰلِكَ أَنَّهُ جَائِزٌ أَنْ يَّكُونَ نُزُولُهُ لِلْوِتْرِ إِلَى الْأَرْضِ كَانَ اخْتِيَارًا مِنْهُ ذٰلِكَ لِنَفْسِهٖ، وَطَلَبًا لِّلْفَضْلِ لَا عَلٰى أَنَّ ذٰلِكَ كَانَ عِنْدَهُ الْوَاجِبُ عَلَيْهِ الَّذِي لَا يَجُوزُ غَيْرُهُ، هٰذَا لَوْ لَمْ يَكُنْ وَّرَدَ عَنِ ابْنِ عُمَرَ بِخِلَافِ ذٰلِكَ خَبَرٌ، فَكَيْفَ وَالْأَخْبَارُ عَنْهُ بِخِلَافِ ذٰلِكَ مِنَ الْفِعْلِ مُتَظَاهِرَةٌ؟

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے جو یہ روایت ہے کہ وہ رات کو نفل نماز سواری پر ادا فرماتے اور جب وِتر پڑھنے کا ارادہ فرماتے تو اُتر کر زمین پر ادا کرتے، اس میں کسی کے لیے یہ دلیل نہیں کہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سواری پر وِتر کو ناجائز سمجھتے ہوئے کرتے تھے یا وہ وِتر کو فرضی نمازوں کی طرح فرض سمجھتے تھے، بلکہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنی مرضی سے زمین پر اُتر کر زیادہ ثواب کے لیے ایسا کرتے تھے، اس لیے نہیں کہ وہ اسے ضروری سمجھتے تھے۔ اگر اُن سے اس کے خلاف کوئی بات ثابت نہ ہوتو بھی اس روایت سے یہی ثابت ہوگا، چہ جائیکہ اس کے خلاف اُن سے (سواری پر وِتر ادا کرنے کی) بہت سی روایات ثابت ہیں۔''

(تهذيب الآثار :541/1)

امام بیہقی رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سواری سے اُتر کر وِتر پڑھنے کے بارے میں فرماتے ہیں: وَقَدْ ذَكَرْنَا --- وِتْرَ عَلِيٍّ وَّابْنِ عُمَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، بَعْدَ وَفَاةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنُزُولُ ابْنِ عُمَرَ لِوِتْرِهٖ لَا يَرْفَعُ جَوَازَهٗ عَلَى الرَّاحِلَةِ .

''ہم ذکر کر چکے ہیں کہ۔۔۔سیدنا علی اور سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد سواری پر وِتر ادا فرماتے تھے۔ جبکہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا سواری سے اُتر کر وِتر ادا کرنا سواری پر وِتر ادا کرنے کے جواز کو ختم نہیں کرتا۔''(معرفة السنن والآثار 448/3)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے اس عمل کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَوِتْرُهٗ عَلَى الْأَرْضِ فِيمَا لَا يَنْفِي أَنْ يَّكُونَ قَدْ كَانَ يُوتِرُ عَلَى الرَّاحِلَةِ أَيْضًا، ثُمَّ جَاءَ سَالِمٌ وَّنَافِعٌ وَّأَبُو الْحُبَابِ، فَأَخْبَرُوا عَنْهُ أَنَّهٗ كَانَ يُوتِرُ عَلٰى رَاحِلَتِهٖ .

''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا زمین پر وِتر ادا کرنا اس بات کی نفی نہیں کرتا کہ وہ سواری پر بھی وِتر ادا فرمایا کرتے تھے۔ پھر سالم، نافع اور ابو الحباب نے یہ بیان بھی کر دیا ہے کہ وہ سواری پر وِتر ادا فرمایا کرتے تھے۔''(شرح معاني الآثار :430/1)

شارحِ بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الطَّحَاوِيُّ : ذُكِرَ عَنِ الْكُوفِيِّينَ أَنَّ الْوِتْرَ لَا يُصَلّٰى عَلَى الرَّاحِلَةِ، وَهُوَ خِلَافُ السُّنَّةِ الثَّابِتَةِ، وَاسْتَدَلَّ بَعْضُهُمْ بِرِوَايَةِ مُجَاهِدٍ أَنَّهٗ رَأَى ابْنَ عُمَرَ نَزَلَ فَأَوْتَرَ، وَلَيْسَ ذٰلِكَ بِمُعَارِضٍ، لِكَوْنِهٖ أَوْتَرَ عَلَى الرَّاحِلَةِ، لِأَنَّهٗ لَا نِزَاعَ أَنَّ صَلَاتَهٗ عَلَى الْأَرْضِ أَفْضَلُ .

''امام طحاوی نے کوفیوں سے یہ بات ذکر کی ہے کہ سواری پر وِتر نہ پڑھے جائیں۔یہ بات ثابت شدہ سنتِ نبوی کے خلاف ہے۔بعض لوگوں نے امام مجاہد کی اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا، انہوں نے اُتر کر زمین پر وِتر ادا کیے۔لیکن یہ روایت سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے سواری پر وِتر ادا کرنے کے خلاف نہیں، کیونکہ بالاتفاق زمین پر وِتر کرنا افضل ہے۔''(فتح الباري : 488/2)

اعتراض نمبر ③ : جناب تقی عثمانی دیوبندی حیاتی لکھتے ہیں:

''امام طحاوی فرماتے ہیں کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ وِتر کو قدرت علی القیام کی صورت میں قاعداً (بیٹھ کر) پڑھنا جائز نہیں، جس کا تقاضا ہے کہ وتر علی الراحلہ (سواری پر) بطریق اولیٰ ناجائز ہو، کیونکہ راحلہ (سواری) پر نماز نہ صرف قیام سے بلکہ استقبالِ قبلہ اور قعود (بیٹھنے) کی ہیئتِ مسنونہ سے بھی خالی ہوتی ہے۔''(تقریر ترمذی: 244/1)

''عقل بڑی کہ بھینس؟'' کی مصداق یہ وہ رائے ہے جس کی محدثین کرام مذمت کرتے ہیں۔صحیح و صریح سنتِ نبوی کے خلاف یہ قیاس کسی مسلمان کو زیب نہیں دیتا۔ جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سواری پر نمازِ وتر ادا کی ہے تو پھر یہ اعتراض کیسا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری پر نماز جائز تھی یا ناجائز؟ اگر جائز تھی تو اس حیلہ و حجت سازی کا کیا جواز؟

اعتراض نمبر ④ : شارحِ ہدایہ، ابن ہمام حنفی لکھتے ہیں:

إِنَّهُ وَاقِعَةُ حَالٍ، لَا عُمُومَ لَهَا، فَيَجُوزُ كَوْنُ ذٰلِكَ لِعُذْرٍ، وَالاِتِّفَاقُ عَلٰى أَنَّ الْفَرْضَ يُصَلّٰى عَلَى الدَّابَّةِ لِعُذْرِ الطِّينِ وَالْمَطَرِ وَنَحْوِهِ.

''یہ خاص واقعہ ہے،اس میں عموم نہیں۔ہوسکتا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی عُذر کی بنا پر سواری پر وِتر ادا کیا ہو اور اس بات پر اتفاق ہے کہ کیچڑ اور بارش کی مجبوری میں فرائض سواری پر ادا کیے جا سکتے ہیں۔''(فتح القدير :371/1)

راویٔ حدیث،صحابیٔ جلیل،سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد اسے اُسوۂ حسنہ قرار دے کر یہ تعلیم دے رہے کہ سواری پر وِتر جائز ہے اور اس کے خلاف ابن ہمام صاحب اسے ایک خاص واقعہ کہہ کر سواری پر وِتر کو ناجائز قرار دے رہے ہیں۔ائمہ محدثین کے فہم کے مطابق یہ سنتِ رسول ہے،جبکہ احناف بغیر دلیل شرعی کے نماز وتر کی سواری پر ادائیگی کو ناجائز کہتے ہیں۔اسی بنا پر محدثین کرام ان کو مخالفِ سنت سمجھتے ہیں۔

کیا صحابہ و تابعین اور ائمہ دین میں سے کسی کو یہ بات معلوم نہ ہوسکی کہ یہ ایک خاص واقعہ ہے؟ صرف ابن ہمام کو یہ بات سوجھی ہے۔

یہ ہے تقلید کا بھیانک انجام کہ مقلدین کو اپنے امام کا بے دلیل مذہب بچانے کی خاطر کتنے پاپڑ بیلنا پڑتے ہیں اور نتیجے میں سوائے سنت کی مخالفت کے کچھ ہاتھ نہیں آتا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تقلید اور تعصب کو چھوڑ کر ہمیں سنتِ رسول پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

مثال نمبر ② : تقلید اور جانور کے پیٹ کا بچہ

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهِ». ''اپنی ماں کے ذبح ہونے سے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔''(مسند الإمام أحمد : 39/3، سنن الدارقطني : 274/4، السنن الكبرٰى للبيهقي : 335/9، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کے راوی یونس بن ابو اسحاق سبیعی، صحیح مسلم کے راوی ہیں اور جمہور محدثین کرام کے نزدیک ثقہ ہیں۔ان پر تدلیس کا الزام ثابت نہیں۔ان کے بارے میں امام یحییٰ بن معین(سؤالات ابن الجنید : 430)،امام عجلی(تاریخ الثقات : 486)،امام ابن سعد(الطبقات الکبریٰ : 6/344) رحمہم اللہ نے ثقہ، امام عبد الرحمٰن بن مہدی رحمہ اللہ(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 244/9، وسندهٗ صحیحٌ)نے لم یکن بہٖ بأس (ان میں کوئی خرابی نہیں)اور امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ(أیضًا) نے کَانَ صَدُوقًا(یہ سچے تھے)کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔امام ابن حبان رحمہ اللہ(الثقات : 650/7)اور امام ابن شاہین رحمہ اللہ(الثقات : 1621) نے انہیں ثقہ راویوں میں شمار کیا ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَهٗ أَحَادِيثُ حِسَانٌ .

''انہوں نے حسن درجے کی احادیث بیان کی ہیں۔''(الکامل في ضعفاء الرجال : 179/7)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ حَسَنُ الْحَدِيثِ .

''یہ حسن الحدیث راوی ہیں۔''(سیر أعلام النبلاء : 27/7)

نیز انہیں ثقہ بھی قرار دیا ہے۔(من تکلّم فیه وهو موثّق : 393)

اس روایت کے دوسرے راوی ابو ودّاک جبر بن نوف بکالی بھی ثقہ ہیں۔

ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَلَمْ أَرَ مَنْ ضَعَّفَهٗ، وَقَدِ احْتَجَّ بِهٖ مُسْلِمٌ .

''میں نہیں جانتا کہ انہیں کسی نے ضعیف قرار دیا ہو،البتہ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کی حدیث سے حجت لی ہے۔''(التلخیص الحبیر : 157/4، ح : 2009)

اس حدیث کو امام ابن حبان(صحیح ابن حبان : 5889)نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ منذری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''حسن'' کہا ہے۔(مختصر السنن : 120/4)

حافظ نووی رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے۔(المجموع : 562/2)

نیز فرماتے ہیں: وَهُوَ حَدِيثٌ حَسَنٌ . ''یہ حدیث حسن ہے۔''

(تهذيب الأسماء واللّغات : 111/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، علامہ غزالی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فَقَالَ : هُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، وَتَبِعَ فِي ذٰلِكَ إِمَامَهُ (إِمَامُ الْحَرَمَيْنِ الْجُوَيْنِيُّ) .

''انہوں نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے، اس سلسلے میں انہوں نے اپنے امام (امام الحرمین جُوَینی) کی پیروی کی ہے۔'' (التلخيص الحبير : 157/4)

علامہ ابن دقیق العید رحمہ اللہ نے بھی اسے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔ (أيضًا)

خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذِهِ مُتَابَعَةٌ قَوِيَّةٌ .

''یہ مضبوط متابعت ہے۔'' (أيضًا)

اس صحیح حدیث سے ثابت ہوا کہ اگر بکری، گائے، اونٹنی وغیرہ کو ذبح کیا جائے تو اس کے پیٹ میں جو بچہ ہوگا، وہ بھی ذبح ہو جائے گا اور اس کا کھانا حلال ہوگا۔ یہ اہل حق کا اجماعی مسئلہ ہے۔

اس کے برعکس امام ابوحنیفہ اور ان کے مقلدین کے نزدیک ایسے بچے کا کھانا حرام ہے۔ ان کے نزدیک اپنی ماں کے ذبح ہونے سے وہ بچہ ذبح نہیں ہوگا۔ اسے کھانا ناجائز ہے۔

(المبسوط للسرخسي : 6/12، الهداية للمرغيناني : 351/4، بدائع الصنائع للكاساني : 421/5، النتف في الفتاوى للسعدي : 228/1، البحر الرائق لابن نجيم : 195/8، مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر لشيخي زاده : 512/2، ردّ المحتار على الدّر المختار : 304/6)

یہ موقف صحیح احادیث، اجماعِ امت اور فہم محدثین کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بے اصل اور بے دلیل بات ہے، جیسا کہ امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يُرْوَ عَنْ أَحَدٍ مِّنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِينَ وَسَائِرِ الْعُلَمَاءِ أَنَّ الْجَنِينَ لَا يُؤْكَلُ، إِلَّا بِاسْتِئْنَافِ الذَّكَاةِ فِيهِ، إِلَّا مَا رُوِيَ عَنْ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَا

أَحْسِبُ أَصْحَابَهٗ وَافَقُوهُ عَلَيْهِ .

''صحابہ و تابعین اور باقی اہل علم میں سے کسی سے بھی یہ بات مروی نہیں کہ (حلال جانور کے) پیٹ کے بچے کو الگ ذبح کیے بغیر نہیں کھایا جا سکتا۔صرف امام ابوحنیفہ سے یہ روایت کیا گیا ہے۔میرا نہیں خیال کہ اس مسئلے میں ان کے شاگردوں نے بھی ان کی موافقت کی ہو۔''(نصب الراية للزيلعي الحنفي : 4/192)

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ أَبِي حَنِيفَةَ وَزُفَرَ، فَلَيْسَ لَهٗ فِي حَدِيثِ النَّبِيِّ ﷺ، وَلَا فِي قَوْلِ أَصْحَابِهٖ، وَلَا فِي قَوْلِ الْجُمْهُورِ أَصْلٌ .

''امام ابوحنیفہ اور زُفر کے قول کی کوئی دلیل نہ نبی اکرم ﷺ کی حدیث میں موجود ہے، نہ صحابہ کرام کے اقوال میں، نہ جمہور اہل علم کے مذہب میں۔''(الاستذكار : 5/265)

شیخ الاسلام ثانی، علامہ ابن قیم الجوزیہ رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

رَدُّ السُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ الصَّرِيحَةِ الْمُحْكَمَةِ بِأَنَّ ذَكَاةَ الْجَنِينِ ذَكَاةُ أُمِّهٖ، بِأَنَّهَا خِلَافُ الْأُصُولِ، وَهُوَ تَحْرِيمُ الْمَيْتَةِ، فَيُقَالُ : الَّذِي جَاءَ عَلٰى لِسَانِهٖ تَحْرِيمُ الْمَيْتَةِ هُوَ الَّذِي أَبَاحَ الْأَجِنَّةَ الْمَذْكُورَةَ، فَلَوْ قُدِّرَ أَنَّهَا مَيْتَةٌ لَكَانَ اسْتِثْنَاؤُهَا بِمَنْزِلَةِ اسْتِثْنَاءِ السَّمَكِ وَالْجَرَادِ مِنَ الْمَيْتَةِ، فَكَيْفَ وَلَيْسَتْ بِمَيْتَةٍ؟ فَإِنَّهَا جُزْءٌ مِّنْ أَجْزَاءِ الْأُمِّ وَالذَّكَاةُ قَدْ أَتَتْ عَلٰى جَمِيعِ أَجْزَائِهَا، فَلَا يَحْتَاجُ أَنْ يُّفْرَدَ كُلُّ جُزْءٍ مِّنْهَا بِذَكَاةٍ، وَالْجَنِينُ تَابِعٌ لِلْأُمِّ، جُزْءٌ مِّنْهَا، فَهٰذَا هُوَ مُقْتَضَى الْأُصُولِ الصَّحِيحَةِ، وَلَوْ لَمْ تَرِدِ السُّنَّةُ بِالْإِبَاحَةِ، فَكَيْفَ وَقَدْ وَرَدَتْ بِالْإِبَاحَةِ الْمُوَافِقَةِ لِلْقِيَاسِ وَالْأُصُولِ؟

''اپنی ماں کے ذبح ہونے سے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے، اس بارے میں ثابت

شدہ، صریح اور محکم سنتِ نبوی کو یہ کہہ کر ردّ کیا گیا کہ یہ اصول کے خلاف ہے، اصول یہ ہے کہ مُردار حرام ہے۔ایسی باتیں کرنے والوں سے کہا جائے کہ جس ہستی (رسولِ اکرم ﷺ) کی زبان پر مردار کی حرمت نازل ہوئی، اسی نے مذکورہ پیٹ کے بچوں کو حلال قرار دیا ہے۔ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ وہ (ذبح شدہ حلال جانور کے پیٹ سے نکلنے والا بچہ) مُردہ ہے تو بھی یہ حرمت سے مستثنیٰ ہو گا، جیسے مردار کی حرمت سے مچھلی اور جراد (ٹڈی) مستثنیٰ ہے، چہ جائیکہ یہ مُردہ ہے ہی نہیں۔ پیٹ کا بچہ ماں کے اجزاء میں سے ایک جزء ہوتا ہے۔ ذبح کرنے سے جانور کے تمام اجزاء ذبح ہو جاتے ہیں، ہر ہر جزوِ جسم کو الگ الگ ذبح کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ پیٹ کا بچہ بھی ماں کا جزوِ جسم ہوتا ہے اور اسی کے ساتھ ذبح ہو جاتا ہے۔ اس بارے میں اگر ہمیں سنتِ نبوی نہ بھی ملتی تو صحیح اصولوں کا تقاضا یہی تھا۔ اب جبکہ اس بارے میں قیاس و اصول کے موافق سنتِ نبوی بھی مل گئی ہے، تو اسے ردّ کرنا کیسے جائز ہوا؟"

(إعلام الموقعين عن رب العالمين : 334/2)

علامہ ابو محمد، ابن قدامہ، مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) فرماتے ہیں:

وَلِأَنَّ هٰذَا إِجْمَاعُ الصَّحَابَةِ وَمَنْ بَعْدَهُمْ، فَلَا يُعَوَّلُ عَلٰى مَا خَالَفَهُ، وَلِأَنَّ الْجَنِينَ مُتَّصِلٌ بِهَا اتِّصَالَ خِلْقَةٍ، يَتَغَذّٰى بِغِذَائِهَا، فَتَكُونُ ذَكَاتُهُ ذَكَاتَهَا، كَأَعْضَائِهَا، وَلِأَنَّ الذَّكَاةَ فِي الْحَيَوَانِ تَخْتَلِفُ عَلٰى حَسَبِ الْإِمْكَانِ فِيهِ وَالْقُدْرَةِ، بِدَلِيلِ الصَّيْدِ الْمُمْتَنِعِ وَالْمَقْدُورِ عَلَيْهِ وَالْمُتَرَدِّيَةِ، وَالْجَنِينُ لَا يُتَوَصَّلُ إِلٰى ذَبْحِهِ بِأَكْثَرَ مِنْ ذَبْحِ أُمِّهِ، فَيَكُونُ ذَكَاةً لَهُ.

"صحابہ کرام اور بعد والے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے (کہ ماں کے ذبح ہونے سے اس کے پیٹ کا بچہ بھی ذبح ہو جاتا ہے)، لہٰذا اس کے خلاف کسی بات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دوسری بات یہ ہے کہ پیٹ کا بچہ اپنی ماں کے ساتھ تخلیقی حوالے سے متصل ہوتا ہے، اسی کی غذا سے وہ غذا پاتا ہے۔ یوں ماں کے ذبح ہونے سے اس کے دوسرے اعضاء کی

طرح وہ بھی ذبح ہو جاتا ہے۔تیسری بات یہ ہے کہ جانوروں میں ذبح کا طریقہ امکان و قدرت کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ جس شکار کو زندہ پکڑنے پر انسان قادر نہ ہو اور جس کو زندہ پکڑ لینے پر قادر ہو اور کنویں وغیرہ میں گر گیا ہو، ان کو ذبح کا طریقہ الگ الگ ہے۔اسی طرح پیٹ کے بچے کو صرف اسی طرح ذبح کیا جا سکتا ہے کہ اس کی ماں کو ذبح کر دیا جائے۔یوں اس کی ماں کو ذبح کرنے سے وہ بھی ذبح ہو جائے گا۔''

(المغني : 401/9)

نیز امام ابن منذر رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

كَانَ النَّاسُ عَلٰى إِبَاحَتِهٖ، لَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْهُمْ خَالَفَ مَا قَالُوا إِلٰى أَنْ جَاءَ النُّعْمَانُ، فَقَالَ : لَا يَحِلُّ، لِأَنَّ ذَكَاةَ نَفْسٍ لَّا تَكُونُ ذَكَاةَ نَفْسَيْنِ .

''لوگ (صحابہ و تابعین اور اہل علم)اس (جانور کے پیٹ کے بچے) کو حلال ہی سمجھتے تھے۔ہم کسی ایسے شخص کو نہیں جانتے جس نے صحابہ و تابعین اور اہل علم کی اس بات میں مخالفت کی ہو، حتی کہ نعمان (امام ابوحنیفہ) آئے اور کہا کہ یہ حلال نہیں ،(اور یہ عقلی دلیل دی) کہ ایک جان کو ذبح کرنے سے دو جانیں ذبح نہیں ہوتیں۔''(المغني : 401/9)

علامہ عبدالحیٔ لکھنوی حنفی اس مسئلے پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَبِالْجُمْلَةِ، فَقَوْلُ مَنْ قَالَ بِمُوَافَقَةِ الْحَدِيثِ أَقْوٰى .

''الحاصل، جس کا قول حدیث کے موافق ہے، وہی زیادہ قوی ہے۔''

(التعليق الممجّد على المؤطّإ لمحمّد : 287)

بعض احناف مقلدین نے اس صحیح حدیث کو اپنے بے دلیل مذہب کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور کہہ دیا ہے کہ اس حدیث میں ذَكَاةُ أُمِّهٖ کو ذَكَاةَ أُمِّهٖ ،یعنی نصب کے ساتھ پڑھا جائے گا ،یوں اس کا معنیٰ یہ ہو گا کہ بچے کو بھی اس کی ماں کی طرح ذبح کیا جائے۔یہ ایسی مردود اور باطل تاویل ہے، جو صحابہ و تابعین اور محدثین کرام کے

متفقہ فہم کے خلاف ہے۔ یہ حدیث بھی اپنے مفہوم میں بالکل واضح ہے۔

مشہور لغوی، علامہ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) اس باطل تاویل کے ردّ میں فرماتے ہیں:

وَالرِّوَايَةُ الْمَشْهُورَةُ : ذَكَاةُ أُمِّهٖ، بِرَفْعِ ذَكَاةٍ، وَبَعْضُ النَّاسِ يَنْصِبُهَا، وَيَجْعَلُهَا بِالنَّصْبِ دَلِيلًا لِّأَصْحَابِ أَبِي حَنِيفَةَ، رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، فِي أَنَّهٗ لَا يَحِلُّ إِلَّا بِذَكَاةٍ، وَيَقُولُونَ : تَقْدِيرُهٗ [كَذَكَاةِ أُمِّهٖ]، حُذِفَتِ الْكَافُ، فَانْتَصَبَ، وَهٰذَا لَيْسَ بِشَيْءٍ، لِأَنَّ الرِّوَايَةَ الْمَعْرُوفَةَ بِالرَّفْعِ .

وَكَذَا نَقَلَهُ الْإِمَامُ أَبُو سُلَيْمَانَ الْخَطَّابِيُّ وَغَيْرُهٗ، وَتَقْدِيرُهٗ عَلَى الرَّفْعِ يَحْتَمِلُ أَوْجُهًا، أَحْسَنُهَا أَنَّ [ذَكَاةُ الْجَنِينِ] خَبَرٌ مُّقَدَّمٌ، وَ[ذَكَاةُ أُمِّهٖ] مُبْتَدَأٌ، وَالتَّقْدِيرُ : ذَكَاةُ أُمِّ الْجَنِينِ ذَكَاةٌ لَّهٗ، كَقَوْلِ الشَّاعِرِ : بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا، وَنَظَائِرِهٖ، وَذٰلِكَ لِأَنَّ الْخَبَرَ مَا حَصَلَتْ بِهِ الْفَائِدَةُ، وَلَا تَحْصُلُ إِلَّا بِمَا ذَكَرْنَاهُ، وَأَمَّا رِوَايَةُ النَّصْبِ عَلٰى تَقْدِيرِ صِحَّتِهَا، فَتَقْدِيرُهَا [ذَكَاةُ الْجَنِينِ حَاصِلَةٌ وَقْتَ ذَكَاةِ أُمِّهٖ]، وَأَمَّا قَوْلُهُمْ : تَقْدِيرُهٗ [كَذَكَاةِ أُمِّهٖ]، فَلَا يَصِحُّ عِنْدَ النَّحْوِيِّينَ بَلْ هُوَ لَحْنٌ، وَإِنَّمَا جَاءَ النَّصْبُ بِإِسْقَاطِ الْحَرْفِ فِي مَوَاضِعَ مَعْرُوفَةٍ عِنْدَ الْكُوفِيِّينَ بِشَرْطٍ لَيْسَ مَوْجُودًا هٰهُنَا .

''مشہور روایت ذَكَاةُ أُمِّهٖ یعنی رفع کے ساتھ ہی ہے۔ البتہ بعض الناس اسے نصب سے پڑھتے ہیں اور اسے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مقلدین کے لیے اس بات کی دلیل بناتے ہیں کہ پیٹ کا بچہ ذبح کرنے ہی سے ذبح ہوگا۔ ان کا کہنا ہے کہ اصل عبارت كَذَكَاةِ أُمِّهٖ ہے، یعنی پیٹ کا بچہ اپنی ماں کی طرح ذبح ہوگا۔ کاف کو حذف کر دیا گیا تو یہ منصوب ہوگیا۔ لیکن یہ بات بالکل فضول ہے۔ امام ابوسلیمان خطابی وغیرہ نے اسے اسی طرح (رفع کے

ساتھ)ہی نقل کیا ہے۔رفع کی حالت میں اصل عبارت کئی طرح سے ہوسکتی ہے۔سب سے بہتر یہ ہے کہ ذَكَاةُ الْجَنِينِ کوخبر مقدم بنایا جائے اور ذَكَاةُ أُمِّهٖ مبتدا ہو۔اصل عبارت یوں ہوگی ذَكَاةُ أُمِّ الْجَنِينِ ذَكَاةٌ لَّهٗ(ماں کا ذبح پیٹ کے بچے کے لیے بھی ذبح ہے)، جیسا کہ شاعر نے کہا ہے : بَنُونَا بَنُو أَبْنَائِنَا (ہمارے بیٹوں کے بیٹے بھی ہمارے بیٹے ہیں)،وغیرہ۔اس لیے کہ خبر وہ ہوتی ہے،جس سے کوئی فائدہ حاصل ہو اور فائدہ تب حاصل ہوگا، جب ہماری مذکورہ صورت مراد لی جائے۔رہی نصب والی صورت تو اگر اسے صحیح مان بھی لیا جائے تو اصل عبارت یہ ہوگی[ذَكَاةُ الْجَنِينِ حَاصِلَةٌ وَقْتَ ذَكَاةِ أُمِّهٖ] کہ پیٹ کا بچہ اسی وقت ذبح ہو جاتا ہے جب اس کی ماں کو ذبح کیا جاتا ہے۔یہ جو کہا جاتا ہے کہ اصل عبارت كَذَكَاةِ أُمِّهٖ ہے، یہ نحویوں کے ہاں درست نہیں، بلکہ غلط ہے،کیونکہ صرف کوفیوں کے ہاں کسی حرف کے حذف ہونے سے نصب آتی ہے اور وہ خاص ہے بعض معروف مقامات کے ساتھ اور وہ بھی ایک شرط کے پورا ہونے پر، جو یہاں پائی ہی نہیں جا رہی۔''

(تهذيب الأسماء واللّغات : 112/3)

علامہ زیلعی حنفی (م:762ھ)بعض الناس کے ردّ میں لکھتے ہیں:

وَقَالَ الْمُنْذِرِيُّ فِي مُخْتَصَرِهٖ : وَقَدْ رَوٰى هٰذَا الْحَدِيثَ بَعْضُهُمْ لِغَرَضٍ لَّهٗ : [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةَ أُمِّهٖ]، بِنَصْبِ [ذَكَاة] الثَّانِيَةِ، لِتُوجِبَ ابْتِدَاءَ الذَّكَاةِ فِيهِ إِذَا خَرَجَ، وَلَا يُكْتَفٰى بِذَكَاةِ أُمِّهٖ، وَلَيْسَ بِشَيْءٍ، وَإِنَّمَا هُوَ بِالرَّفْعِ، كَمَا هُوَ الْمَحْفُوظُ عَنْ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ، وَأَبْطَلَهٗ بَعْضُهُمْ بِقَوْلِهٖ : «فَإِنَّ ذَكَاتَهٗ ذَكَاةُ أُمِّهٖ»، لِأَنَّهٗ تَعْلِيلٌ لِّإِبَاحَتِهٖ، مِنْ غَيْرِ إِحْدَاثِ ذَكَاةٍ.

''علامہ منذری رحمہ اللہ نے مختصر السنن میں فرمایا ہے کہ بعض لوگوں نے اپنے خاص مقصد کے تحت اس حدیث کو دوسرے لفظ ذکاۃ کی نصب کے ساتھ [ذَكَاةُ الْجَنِينِ ذَكَاةَ أُمِّهٖ]

روایت کیا ہے، تاکہ اس حدیث سے بچے کے پیٹ سے نکلنے کے بعد اسے دوبارہ ذبح کرنا ضروری قرار دیا جائے اور اس کی ماں کے ذبح ہونے کو اس کے لیے کافی نہ سمجھا جا سکے۔ لیکن یہ فضول حرکت ہے۔ یہ حدیث لفظِ ذَکَاۃ کے رفع کے ساتھ ہی ہے، جیسا کہ ائمہ حدیث سے ثابت ہے۔ بعض محدثین کرام نے اس بات کا ردّ حدیث میں موجود ان الفاظ سے کیا ہے: «فَإِنَّ ذَكَاتَهٗ ذَكَاةُ أُمِّهٖ»، کیونکہ یہ الفاظ تو بغیر ذبح کیے جانے والے بچے کے حلال ہونے کی علت کے طور پر بیان ہوئے ہیں۔'' (نصب الرایۃ : 4/191، 192)

علامہ عبد الحیٔ لکھنوی حنفی نے بھی یوں اس کا ردّ کیا ہے:

وَفِيهِ نَظَرٌ، فَإِنَّ الْمَحْفُوظَ عَنْ أَئِمَّةِ الشَّأْنِ الرَّفْعُ، صَرَّحَ بِهِ الْمُنْذِرِيُّ.

''یہ محل نظر بات ہے، کیونکہ ائمہ حدیث سے رفع ہی منقول ہے۔ علامہ منذری رحمہ اللہ نے اس بات کی صراحت کی ہے۔'' (التعلیق الممجّد علی مؤطّإ محمّد، ص : 287)

تنبیہ: بعض لوگوں نے اس مسئلے میں صحیح و صریح حدیثِ نبوی اور اجماعِ امت کے خلاف امام ابراہیم نخعی تابعی کا یہ قول پیش کیا ہے:

لَا يَكُونُ ذَكَاةُ نَفْسٍ ذَكَاةَ نَفْسَيْنِ، يَعْنِي أَنَّ الْجَنِينَ إِذَا ذُبِحَتْ أُمُّهٗ لَمْ يُؤْكَلْ حَتّٰى يُدْرَكَ ذَكَاتُهٗ. ''ایک جان کا ذبح دو جانوں کے ذبح کا کام نہیں دے سکتا، یعنی جب ماں کو ذبح کیا جائے تو اس کے پیٹ کا بچہ ذبح نہیں ہوگا، ہاں، اگر خود اس بچے کو بھی ذبح کرنے کا موقع مل جائے تو وہ حلال ہوگا۔''

(کتاب الآثار لمحمّد بن الحسن الشیباني، ص : 186)

لیکن امام ابراہیم نخعی سے یہ قول ثابت نہیں، کیونکہ:

① صاحبِ کتاب محمد بن حسن شیبانی محدثین کے ہاں ''متروک'' اور ''کذاب'' ہے۔

② ان کے استاذ بھی باتفاقِ محدثین غیر معتبر اور غیر ثقہ ہیں۔

③ حماد بن ابو سلیمان ''مختلط'' راوی ہیں۔امام ابوحنیفہ ان لوگوں میں سے نہیں، جنہوں نے حماد سے اختلاط سے پہلے روایات لی ہیں،جیسا کہ حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

وَلَمْ يُقْبَلْ مِنْ حَدِيثِ حَمَّادٍ إِلَّا مَا رَوَاهُ عَنْهُ الْقُدَمَاءُ، شُعْبَةُ وَسُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ والدَّسْتَوَائِيُّ، وَمَنْ عَدَا هٰؤُلَاءِ رَوَوْا عَنْهُ بَعْدَ الِاخْتِلَاطِ .

''حماد کی وہی حدیث قبول ہوگی جو اس سے اس کے پرانے شاگردوں ،یعنی شعبہ، سفیان ثوری اور ہشام دستوائی نے بیان کی ہے۔باقی لوگوں نے ان سے اختلاط کے بعد ہی روایات لی ہیں۔''(مجمع الزوائد :119/1)

ثابت ہوا کہ امام ابوحنیفہ تک تمام صحابہ وتابعین اور اہل علم کے نزدیک صحیح حدیث کی روشنی میں پیٹ کا بچہ اپنی ماں کے ذبح ہونے کے ساتھ ہی ذبح ہو جاتا ہے۔اب امام ابوحنیفہ کو یہ حدیث نہ ملی اور انہوں نے اپنی رائے سے یہ بات کہہ دی۔چاہیے تو یہ تھا کہ صحابہ وتابعین کے اجماع کی پاسداری کرتے ہوئے حدیثِ نبوی پر عمل کیا جاتا،لیکن بُرا ہو تقلید کا کہ وہ دین الٰہی کے مقابلے میں نیا دین کھڑا کرنے پر آمادہ کر دیتی ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن وسنت پر عمل کرنے کی توفیق دے اور تقلید جیسی بیماری سے محفوظ فرمائے۔ آمین!

قَالَ بَعْضُ النَّاس!

جناب تقی عثمانی دیوبندی،علامہ زیلعی حنفی سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''امام بخاری رحمہ اللہ حنفیہ پر اعتراض کرنے میں خاصی دلچسپی لیتے ہیں اور انہیں [قَالَ بَعْضُ النَّاسِ] کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں۔''(تقریر ترمذی:503/1)

نبی اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق قبر میں مُردے سے سوال و جواب کیے جاتے ہیں تو اس وقت مُردے کی رُوح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے:

«وَتُعَادُ رُوحُهُ فِي جَسَدِهِ، وَيَأْتِيهِ مَلَكَانِ، فَيُجْلِسَانِهِ، فَيَقُولَانِ لَهُ: مَنْ رَبُّكَ؟۔۔۔»

''مُردے کی رُوح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے،اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں،وہ اسے بٹھا دیتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں: تیرا ربّ کون ہے؟۔۔۔''

(مسند أبي داوٗد الطيالسي: 114/2، ح: 789، طبعة دار هجر، مصر، الزهد والرقائق لابن المبارك والزهد لنعيم ابن حمّاد المروزي: 1219، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت، مصنف ابن أبي شيبة: 54/3، ح: 12062، طبعة مكتبة الرشد، الرياض، مسند أحمد: 499/30، طبعة مؤسّسة الرسالة، الزهد لهناد بن السريّ: 205/1، ح: 339، طبعة دار الخلفاء للكتاب الإسلامي، الكويت، سنن أبي داوٗد السجستاني: 4753، الردّ على الجهميّة للدارمي: 110، طبعة دار ابن الأثير، الكويت، تفسير الطبري: 660/13، طبعة دار هجر، مستخرج أبي عوانة (إتّحاف المهرة لابن حجر: 459/2، طبعة مجمع الملك فهد، المدينة)، مسند الروياني: 263/1، 392، طبعة مؤسّسة القرطبة، القاهرة، الشريعة للآجري: 1294/3، طبعة دار الوطن، الرياض، الإيمان لابن مندة: 1064، طبعة مؤسّسة الرسالة، بيروت، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 93/1، ح: 107، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت، إثبات عذاب القبر للبيهقي: 20، 21، طبعة دار الفرقان، عمان)

قارئین کرام نے ملاحظہ فرما لیا ہے کہ اس حدیث کو تدوین حدیث کے شروع سے لے کر ہر دور میں متقدمین و متاخرین محدثین نے عقیدے اور دیگر موضوعات پر مبنی کتب میں ذکر کیا ہے۔محدثین کرام نے اس حدیث سے عقیدے کے بہت سے مسائل کا استنباط کیا

ہے۔ اہل فن اور نقاد محدثین میں سے کسی ایک نے بھی اس حدیث کو ناقابل اعتبار قرار نہیں دیا۔اس کے تمام راوی جمہور محدثین کرام کے ہاں ثقہ وصدوق ہیں۔اس حدیث کے صحیح ہونے کے لیے یہی بات کافی تھی، اس پر مستزاد کہ کئی ایک محدثین نے اس کے صحیح ہونے کی صراحت بھی کر دی ہے، جیسا کہ:

① امام ابوعبداللہ،محمد بن اسحاق بن محمد بن یحییٰ، ابن مندہ،عبدی رحمہ اللہ (م:395ھ) اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ مُّتَّصِلٌ مَّشْهُورٌ، رَوَاهُ جَمَاعَةٌ عَنِ الْبَرَاءِ، وَكَذٰلِكَ رَوَاهُ عِدَّةٌ عَنِ الْأَعْمَشِ، وَعَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، وَالْمِنْهَالُ أَخْرَجَ عَنْهُ الْبُخَارِيُّ مَا تَفَرَّدَ بِهٖ، وَزَاذَانُ أَخْرَجَ عَنْهُ مُسْلِمٌ، وَهُوَ ثَابِتٌ عَلٰى رَسْمِ الْجَمَاعَةِ . وَرُوِيَ هٰذَا الْحَدِيثُ عَنْ جَابِرٍ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، وَأَبِي سَعِيدٍ، وَأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ .

”یہ متصل اور مشہور سند ہے۔اسے کئی راویوں نے سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔اسی طرح بہت سے راویوں نے اسے اعمش اور منہال بن عمرو سے بیان کیا ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے (صحیح بخاری میں) منہال بن عمرو کی ایک ایسی حدیث بھی بیان کی ہے، جسے بیان کرنے میں وہ اکیلا ہے۔زاذان راوی کی روایت امام مسلم رحمہ اللہ نے (اپنی صحیح) میں ذکر کی ہے۔یوں یہ حدیث،متواتر حدیث کی طرح ثابت ہے۔یہ حدیث دیگر صحابہ کرام، سیدنا جابر، سیدنا ابوہریرہ،سیدنا ابوسعید،سیدنا انس بن مالک اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے۔“

(الإيمان لابن مندة : 962/2، ح : 1064، طبعة مؤسّسة الرسالة، بيروت)

② امام ابونُعیم،احمد بن عبداللہ،اصبہانی رحمہ اللہ (336-430ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا حَدِيثُ الْبَرَاءِ فَحَدِيثٌ مَّشْهُورٌ، رَوَاهُ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو الْجَمُّ الْغَفِيرُ، وَهُوَ حَدِيثٌ أَجْمَعَ رُوَاةُ الْأَثَرِ عَلٰى شُهْرَتِهٖ وَاسْتِفَاضَتِهٖ .

''سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی حدیث مشہور کے درجے پر ہے،اسے منہال بن عمرو سے محدثین کی بہت بڑی جماعت نے روایت کیا ہے۔اس کے مشہور اور مستفیض ہونے پر محدثین کا اتفاق ہے۔''(مجموع الفتاوٰی لابن تیمیّة : 5/439، طبعة مجمع الملك فهد، المدينة)

③ امام ابوعبداللہ،محمد بن عبداللہ،حاکم،نیشاپوری رحمہ اللہ (321-405ھ)فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، فَقَدِ احْتَجَّا جَمِيعًا بِالْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو وَّزَاذَانَ أَبِي عُمَرَ الْكِنْدِيِّ، وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ فَوَائِدُ كَثِيرَةٌ لِّأَهْلِ السُّنَّةِ، وَقَمْعٌ لِّلْمُبْتَدِعَةِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ بِطُولِهٖ، وَلَهٗ شَوَاهِدُ عَلٰى شَرْطِهِمَا، يُسْتَدَلُّ بِهَا عَلٰى صِحَّتِهٖ .

''یہ حدیث امام بخاری و مسلم رحمہما اللہ کی شرط پر صحیح ہے۔امام بخاری و مسلم دونوں نے منہال بن عمرو اور زاذان ابوعمر کندی کی روایات کو دلیل بنایا ہے(منہال کی روایت بخاری میں،جبکہ زاذان کی مسلم میں ہے)۔اس حدیث میں اہل سنت کے لیے بہت سے فوائد ہیں اور یہ بدعت شکن ہے۔امام بخاری و مسلم نے اسے تفصیلاً بیان نہیں کیا،البتہ بخاری و مسلم کی شرط پر اس حدیث کے کئی شواہد ہیں،جن سے اس کی (مزید)صحت پر استدلال کیا جاتا ہے۔''

(المستدرك على الصحيحين :1/96، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

④ امام ابوبکر،احمد بن حسین بن علی،بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ)فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحُ الْإِسْنَادِ . ''اس حدیث کی سند صحیح ہے۔''

(شعب الإيمان للبيهقي :1/610، ح : 390، طبعة مكتبة الرشد، الرياض)

⑤ حافظ ابومحمد،زکی الدین،عبد العظیم بن عبد القوی،منذری رحمہ اللہ (581-656ھ)

لکھتے ہیں: هٰذَا الحَدِيثُ حَدِيثٌ حَسَنٌ، رُوَاتُهٗ مُحْتَجٌّ بِهِمْ فِي الصَّحِيحِ .

''یہ حدیث حسن ہے،اس کے راویوں سے صحیح (بخاری و مسلم)میں حجت لی گئی ہے۔''

(الترغيب والترهيب للمنذري : 4/197، ح : 5396، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

⑥ مشہور مفسر،علامہ،ابوعبداللہ،محمد بن احمد،قرطبی رحمہ اللہ (م:671ھ)فرماتے ہیں:

وَهُوَ حَدِيثٌ صَحِيحٌ، لَهٗ طُرُقٌ كَثِيرَةٌ .

''یہ حدیث صحیح ہے، اس کی بہت سی سندیں ہیں۔''

(التذكرة بأحوال الموتٰى وأمور الآخرة، ص : 359، طبعة دار المنهاج، الرياض)

⑦ شیخ الاسلام، تقی الدین، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ)

فرماتے ہیں: وَهُوَ عَلٰى شَرْطِهِمَا .

''یہ حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔''

(شرح حديث النزول، ص : 83، طبعة المكتب الإسلامي، بيروت)

⑧ علامہ، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن عبد الہادی دمشقی رحمہ اللہ (705-744ھ)

فرماتے ہیں: وَقَدْ ثَبَتَ فِي حَدِيثِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ الطَّوِيلِ الْمَشْهُورِ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهٖ، فِي شَأْنِ الْمَيِّتِ وَحَالِهٖ، أَنَّ رُوحَهٗ تُعَادُ إِلٰى جَسَدِهٖ . ''سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی عذاب و ثوابِ قبر کے بارے میں بیان کردہ طویل اور مشہور حدیث میں میت کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ رُوح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي، ص : 223، طبعة مؤسّسة الريّان، بيروت)

⑨ علامہ، شمس الدین، ابو عبد اللہ، محمد بن احمد بن عثمان ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ)

لکھتے ہیں: عَلٰى شَرْطِهِمَا . ''یہ حدیث امام بخاری و مسلم کی شرط پر ہے۔''

(المستدرك على الصحيحين مع تلخيص الذهبي :1/96، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

⑩ شیخ الاسلام ثانی، علامہ محمد بن ابوبکر بن ایوب، ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ)

فرماتے ہیں: وَهٰذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ . ''یہ حدیث صحیح ہے۔''

(إعلام الموقّعين :1/137، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

نیز فرماتے ہیں : وَذَهَبَ إِلَى الْقَوْلِ بِمُوجِبِ هٰذَا الْحَدِيثِ

جَمِيعُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَدِيثِ مِنْ سَائِرِ الطَّوَائِفِ.

''اہل سنت وحدیث کے تمام گروہ بالاتفاق اس حدیث کے مطابق عقیدہ رکھتے ہیں۔''

(الروح في الكلام على أرواح الأموات والأحياء، ص: 42، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

ایک مقام پر فرماتے ہیں: هٰذَا حَدِيثٌ ثَابِتٌ، مَّشْهُورٌ، مُسْتَفِيضٌ، صَحَّحَهٗ جَمَاعَةٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ، وَلَا نَعْلَمُ أَحَدًا مِّنْ أَئِمَّةِ الْحَدِيثِ طَعَنَ فِيهِ، بَلْ رَوَوْهُ فِي كُتُبِهِمْ، وَتَلَقَّوْهُ بِالْقُبُولِ، وَجَعَلُوهُ أَصْلًا مِّنْ أُصُولِ الدِّينِ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ وَنَعِيمِهٖ، وَمُسَائَلَةِ مُنْكَرٍ وَّنَكِيرٍ، وَقَبْضِ الْأَرْوَاحِ وَصُعُودِهَا إِلٰى بَيْنِ يَدَيِ اللّٰهِ، ثُمَّ رُجُوعِهَا إِلَى الْقَبْرِ.

''یہ حدیث ثابت، مشہور اور مستفیض ہے۔اسے بہت سے حفاظ ائمہ کرام نے صحیح قرار دیا ہے۔ہمارے علم کے مطابق ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس میں طعن نہیں کی، بلکہ انہوں نے اسے اپنی کتابوں میں روایت کر کے اسے قبول کیا ہے اور عذاب وثوابِ قبر،منکر نکیر کے سوالات،قبضِ روح،اس کے اللہ تعالیٰ کی طرف جانے اور پھر قبر کی طرف واپس لوٹنے کے بارے میں بنیادی دینی حیثیت دی ہے۔''

(الروح في الكلام علٰى أرواح الأموات والأحياء، ص: 48، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

⑪ علامہ ابوالحسن،علی بن ابوبکر بن سلیمان ہیثمی (735-807ھ) لکھتے ہیں:

هُوَ فِي الصَّحِيحِ وَغَيْرِهٖ بِاخْتِصَارٍ، رَوَاهُ أَحْمَدُ، وَرِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيحِ.

''یہ حدیث صحیح بخاری وغیرہ میں اختصار کے ساتھ موجود ہے۔اسے امام احمد رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور اس کے راوی صحیح (بخاری ومسلم) والے ہیں۔''

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد: 50/3، 4266، طبعة مكتبة القدسي، القاهرة)

⑫ حافظ،ابوالفضل،احمد بن علی،ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) اس کی صحت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں: وَصَحَّحَهٗ أَبُو عَوَانَةَ وَغَيْرُهٗ.

''اسے امام ابوعوانہ وغیرہ نے صحیح قرار دیا ہے۔''(فتح الباري : 234/3)

⑬ علامہ عبدالرحمٰن بن ابوبکر، سیوطی (849-911ھ) لکھتے ہیں :

أَخْرَجَ أَحْمَدُ، وَابْنُ أَبِي شَيْبَةَ فِي الْمُصَنَّفِ، وَالطَّيَالِسِيُّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ فِي مُسْنَدَيْهِمَا، وَهَنَّادُ بْنُ السَّرِيِّ فِي الزُّهْدِ، وَأَبُو دَاوُدَ فِي سُنَنِهٖ، وَالْحَاكِمُ فِي الْمُسْتَدْرَكِ، وَابْنُ جَرِيرٍ، وَابْنُ أَبِي حَاتِمٍ، وَالْبَيْهَقِيُّ فِي كِتَابِ عَذَابِ الْقَبْرِ، وَغَيْرُهُمْ مِّنْ طُرُقٍ صَحِيحَةٍ، عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ .

''اس حدیث کو امام احمد نے (اپنی مسند میں)، امام ابن ابو شیبہ نے اپنی مصنف میں، امام (ابوداوٗد) طیالسی اور امام عبداللہ (؟) نے اپنی مسند میں، امام ہناد بن سری نے اپنی کتاب الزہد میں، امام ابوداوٗد نے اپنی سنن میں، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں، امام ابن جریر، امام ابن ابوحاتم نے اور امام بیہقی نے کتاب عذابِ قبر میں، نیز دیگر ائمہ کرام نے (اپنی اپنی کتب میں) سیدنا براء بن عازب سے صحیح سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔''

(شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور، ص :61، طبعة دار المعرفة، لبانان)

⑭ علامہ، ابوالحسن، عبیداللہ بن محمد عبدالسلام، مبارکپوری رحمہ اللہ (1327-1414ھ) فرماتے ہیں: وَالْحَدِيثُ نَصٌّ فِي أَنَّ الرُّوحَ تُعَادُ إِلَى الْمَيِّتِ فِي قَبْرِهٖ وَقْتَ السُّؤَالِ، وَهُوَ مَذْهَبُ جَمِيعِ أَهْلِ السُّنَّةِ مِنْ سَائِرِ الطَّوَائِفِ .

''یہ حدیث اس بات پر واضح دلیل ہے کہ قبر میں میت سے سوال کے وقت اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اہل سنت کے تمام گروہوں کا یہی مذہب ہے۔''

(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : 331/5، طبعة إدارة البحوث العلميّة، الهند)

⑮ علامہ، ابوعبدالرحمٰن، محمد ناصرالدین بن الحاج نوح، البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) فرماتے ہیں: وَقَالَ الْحَاكِمُ : صَحِيحٌ عَلٰى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَأَقَرَّهُ الذَّهَبِيُّ، وَهُوَ كَمَا قَالَا . ''امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح

قرار دیا ہے اور علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔حقیقت بھی یہی ہے(کہ یہ حدیث صحیح ہے)۔''(أحكام الجنائز، ص: 159، طبعة المكتب الإسلامي)

قارئین غور فرمائیں کہ مختلف ادوار کے ایک درجن سے زائد محدثین اور اہل علم کی طرف سے اس حدیث کی صحت کی توثیق ہو چکی ہے۔کسی ایک بھی اہل فن محدث نے اسے ''ضعیف'' قرار نہیں دیا۔اہل سنت والجماعت کا ہر دور میں اتفاقی طور پر یہی عقیدہ رہا ہے، لیکن موجودہ دور میں ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی نے اس حدیث کو''ضعیف'' قرار دیتے ہوئے اس کے دو راویوں منہال بن عمرو اور زاذان ابوعمر کے بارے میں جرح ذکر کی ہے۔

اپنے زعم میں ڈاکٹر عثمانی نے بڑی علمی کاوش کی ہے، لیکن حقیقت میں انہوں نے محدثین کرام کی مخالفت مُول لے کر بہت بڑی جہالت کا ارتکاب کیا ہے۔کیا وجہ ہے کہ محدثین کرام جنہوں نے خود قرآن وسنت کی روشنی میں روایات کے قبول و ردّ کے قوانین وضع کیے اور کمال احتیاط سے راویانِ حدیث کے مراتب طَے کیے،وہ اس حدیث کی علتوں سے واقف نہ ہو سکے اور جو لوگ رجالِ حدیث سے اچھی طرح واقف بھی نہیں تھے، ان کے سامنے اس حدیث میں موجود''خرابیاں'' عیاں ہوگئیں؟اور اسی بنا پر ان لوگوں نے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ جیسے امام اہل سنت اور دیگر محدثین و اکابرین امت کے بارے میں کفر وشرک کے فتوے داغنے شروع کر دیئے!

آئندہ سطور میں ہم اسی بات کا جائزہ لیں گے اور اصولِ محدثین کی روشنی میں انتہائی انصاف کے ساتھ واضح کریں گے کہ یہ ساری کارروائی ڈاکٹر عثمانی نے اپنی جہالت کی وجہ سے کی ہے۔اگر ان کو فن حدیث ورجال میں ادنیٰ سا بھی درک ہوتا تو وہ ہرگز ایسی جاہلانہ کاوش نہ کرتے۔

محدثین کرام اور منہال بن عمرو کی توثیق

منہال بن عمرو کی حدیث صحیح ہے،اس بارے میں ایک درجن سے زائد محدثین و نقاد

اہل فن کی آراء ہم ذکر کر چکے ہیں۔ان سب کے نزدیک منہال بن عمرو ثقہ راوی ہے۔اب اس کے بارے میں مزید محدثین کرام کی شہادتیں ملاحظہ فرمائیں :

① امام جرح وتعدیل، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (158-233ھ) فرماتے ہیں :

اَلْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو ثِقَةٌ . ”منہال بن عمرو ثقہ راوی ہے۔“

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 357/8، طبعة مجلس دائرة المعارف العثمانيّة، الهند، وسندهٗ صحيحٌ، تاريخ ابن معين برواية الدوري : 407/3، طبعة مركز البحث العلمي، مكة المكرمة)

② امام اہل سنت، ابوعبداللہ، احمد بن حنبل رحمہ اللہ (164-241ھ) فرماتے ہیں :

أَبُو بِشْرٍ أَوْثَقُ، إِلَّا أَنَّ الْمِنْهَالَ أَمْتَنُ .

”ابوبشر زیادہ ثقہ ہے،لیکن منہال زیادہ مضبوط راوی ہے۔“

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 236/4، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

یعنی امام احمد رحمہ اللہ کے نزدیک اگرچہ منہال بن عمرو کی نسبت ابوبشر زیادہ ثقہ ہے، لیکن ان کے نزدیک منہال بن عمرو بھی مضبوط راوی ہے۔

③ امام بخاری رحمہ اللہ (194-256ھ) نے صحیح بخاری میں منہال بن عمرو سے حدیث نقل کی ہے (دیکھیں حدیث نمبر:3371)۔یہ امام بخاری رحمہ اللہ کے منہال بن عمرو پر اعتماد کرنے کی دلیل ہے، کیونکہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں صرف صحیح احادیث ذکر کی ہیں اور اپنی کتاب کا نام بھی ”صحیح“ رکھا ہے اور امتِ مسلمہ نے اتفاقی طور پر اس کے صحیح ہونے کا اعتراف بھی کیا ہے۔

شارحِ بخاری، ابوالفضل، احمد بن علی بن محمد، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (م:852ھ) فرماتے ہیں:

يَنْبَغِي لِكُلِّ مُنْصِفٍ أَنْ يَّعْلَمَ أَنَّ تَخْرِيجَ صَاحِبِ الصَّحِيحِ لِأَيِّ رَاوٍ، كَانَ مُقْتَضٍ لِّعَدَالَتِهٖ عِنْدَهٗ، وَصِحَّةِ ضَبْطِهٖ، وَعَدَمِ غَفْلَتِهٖ، وَلَا سِيَّمَا مَا انْضَافَ إِلٰى ذٰلِكَ مِنْ إِطْبَاقِ جُمْهُورِ الْأَئِمَّةِ عَلٰى تَسْمِيَةِ الْكِتَابَيْنِ

بِالصَّحِيحَيْنِ، وَهٰذَا مَعْنًى لَّمْ يَحْصُلْ لِّغَيْرِ مَنْ خُرِّجَ عَنْهُ فِي الصَّحِيحِ، فَهُوَ بِمَثَابَةِ إِطْبَاقِ الْجُمْهُورِ عَلٰى تَعْدِيلِ مَنْ ذُكِرَ فِيهِمَا .

''ہر منصف شخص کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ امام بخاری و مسلم رحمۃ اللہ علیہما کے کسی راوی سے حدیث نقل کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ راوی ان کے نزدیک کردار کا سچا اور حافظے کا پکّا ہے، نیز وہ حدیث کے معاملے میں غفلت کا شکار بھی نہیں۔ خصوصاً جب کہ جمہور ائمہ کرام متفقہ طور پر بخاری و مسلم کی کتابوں کو 'صحیح' کا نام بھی دیتے ہیں۔ یہ مقام اس راوی کو حاصل نہیں ہوسکتا جس کی روایت صحیح (بخاری و مسلم) میں موجود نہیں۔ گویا جس راوی کا صحیح بخاری و مسلم میں ذکر ہے، وہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک قابل اعتماد راوی ہے۔''

(فتح الباري شرح صحيح البخاري :384/1، طبعة دار المعرفة، بيروت)

معلوم ہوا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک منصف شخص وہ ہے جو صحیح بخاری و مسلم کے راویوں کو امام بخاری رحمہ اللہ اور دیگر جمہور ائمہ حدیث کی توثیق کی بنا پر ثقہ اور قابل اعتماد سمجھے۔ اب ڈاکٹر عثمانی کی طرح کا جو شخص صحیح بخاری کے راویوں کو ''ضعیف، مجروح اور متروک'' کہتا ہے، وہ بقول ابن حجر، منصف نہیں، بلکہ خائن ہے۔

محدث العصر، علامہ محمد ناصر الدین، البانی رحمہ اللہ منہال بن عمرو پر جرح کا ردّ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَيَكْفِي فِي رَدِّ ذٰلِكَ أَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ الْبُخَارِيِّ .

''اس کے ردّ میں یہی کافی ہے کہ منہال بن عمرو صحیح بخاری کا راوی ہے۔''

(تحقيق الآيات البيّنات في عدم سماع الأموات، ص : 84، طبعة المكتب الإسلامي، بيروت)

④ امام احمد بن عبد اللہ بن صالح عجلی رحمہ اللہ (181-261ھ) فرماتے ہیں:

مِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو، كُوفِيٌّ، ثِقَةٌ .

''منہال بن عمرو، کوفے کا رہائشی اور قابل اعتماد شخص تھا۔''

(تاريخ العجلي : 300/2، طبعة مكتبة الدار، المدينة)

⑤ **امام ابوداؤد**، سلیمان بن اشعث، **سجستانی** رحمہ اللہ (202-275ھ) منہال بن عمرو کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

هٰذَا دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْقُرْآنَ لَيْسَ بِمَخْلُوقٍ .

''یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ قرآن کریم مخلوق نہیں۔''

(سنن أبي داوٗد، تحت الحديث : 4737)

امام ابوداؤد رحمہ اللہ منہال بن عمرو کی حدیث کو اس بات کی دلیل بنا رہے ہیں کہ قرآن مخلوق نہیں ہے۔اس سے دو باتیں ثابت ہوئیں۔ایک تو یہ کہ قرآن کو مخلوق کہنے والا امام ابوداؤد کے نزدیک سنت کا مخالف ہے۔اسی لیے ائمہ دین نے ایسے شخص کو کافر قرار دیا ہے۔ دوسرے یہ کہ منہال بن عمرو امام صاحب کے نزدیک ثقہ و قابل اعتماد ہیں اور ان کی حدیث دین کے بنیادی معاملات،یعنی عقائد میں بھی دلیل ہوتی ہے۔

⑥ امام، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، **ترمذی** رحمہ اللہ (209-279ھ) منہال بن عمرو کی ایک حدیث پر حکم لگاتے ہوئے فرماتے ہیں: هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''(سنن الترمذي، تحت الحديث : 2060)

بھلا کسی ''ضعیف، مجروح اور متروک'' شخص کی حدیث حسن صحیح ہوتی ہے؟ ظاہر ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ کے نزدیک منہال بن عمرو ثقہ راوی ہیں، اسی لیے ان کے نزدیک اس کی حدیث حسن صحیح کے درجے کو پہنچتی ہے۔

⑦ امام، ابوبکر، احمد بن عمرو بن عبد الخالق، **بزار** رحمہ اللہ (م : 292ھ) منہال بن عمرو کی بیان کردہ ایک حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَإِسْنَادُهٗ حَسَنٌ . ''اس کی سند حسن ہے۔''

(مسند البزّار المنشور باسم البحر الزخّار :321/11، طبعة مكتبة العلوم والحكم، المدينة)

⑧ امام الائمہ، ابوبکر، محمد بن اسحاق، **ابن خزیمہ** رحمہ اللہ (223-311ھ) نے بھی منہال

بن عمرو کی بیان کردہ کئی احادیث (مثلاً دیکھیں صحیح ابن خزیمہ: 1194، 2830) کو صحیح قرار دیا ہے۔

⑨ **امام ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق، نیشاپوری رحمہ اللہ (م: 316ھ) بھی منہال بن عمرو کی بیان کردہ حدیث (دیکھیں مستخرج ابو عوانہ: 7764) کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

⑩ امام، ابوجعفر، احمد بن محمد بن سلامہ، **طحاوی حنفی** رحمہ اللہ (238-321ھ) منہال بن عمرو کی بیان کردہ ایک حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَكَانَ فِي ذٰلِكَ دَلِيلٌ ---. ''اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ---''

(شرح مشكل الآثار: 347/1، طبعة مؤسّسة الرسالة، بيروت)

امام طحاوی حنفی کے نزدیک منہال بن عمرو کی بیان کردہ حدیث عقیدے میں بھی دلیل بنتی ہے، جیسا کہ وہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فَكَانَ هٰذَا الْحَدِيثُ فِيهِ إِثْبَاتُ عَذَابِ الْقَبْرِ.

''اس حدیث سے عذابِ قبر کا اثبات ہوتا ہے۔'' (أيضًا: 177/13)

⑪ امام، ابو حاتم، محمد بن حبان بن احمد، **ابن حبان** رحمہ اللہ (م: 354ھ) نے بھی منہال بن عمرو کی بہت سی احادیث (مثلاً دیکھیں صحیح ابن حبان: 1012، 1013، 1757، 2978، 5617) کو صحیح قرار دیا ہے۔

⑫ ناقد رجال، امام ابوالحسن، علی بن عمر، **دارقطنی** رحمہ اللہ (306-385ھ) سے امام حاکم رحمہ اللہ نے منہال بن عمرو کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: صَدُوقٌ.

''وہ سچا اور قابل اعتماد شخص تھا۔''

(سؤالات الحاكم للدارقطني، ص: 273، طبعة مكتبة المعارف، الرياض)

⑬ امام، ابوحفص، عمر بن احمد، **ابن شاہین** رحمہ اللہ (297-385ھ) فرماتے ہیں:

وَالْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو ثِقَةٌ. ''منہال بن عمرو ثقہ ہے۔''

(تاريخ أسماء الثقات، ص: 230، ت: 1412، طبعة الدار السلفيّة، الكويت)

⑭ امامِ اندلس، ابو عمر، یوسف بن عبداللہ، **ابن عبد البر** رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَالْأَحَادِيثُ فِي أَعْلَامِ نُبُوَّتِهٖ أَكْثَرُ مِنْ أَنْ تُحْصٰى، وَقَدْ جَمَعَ قَوْمٌ كَثِيرٌ كَثِيرًا مِّنْهَا، وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ، وَمِنْ أَحْسَنِهَا، وَكُلُّهَا حَسَنٌ، مَا حَدَّثَنَا عَبْدُ الْوَارِثِ بْنُ سُفْيَانَ ـــ عَنِ الْمِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو ـــ .

''علاماتِ نبوت کے بارے میں بے شمار احادیث مروی ہیں۔الحمدللہ! بہت سے لوگوں نے ان میں سے بہت سی احادیث جمع کی ہیں۔یہ ساری کی ساری حسن ہیں،لیکن ان سب میں سے بہترین حدیث وہ ہے،جو ہمیں عبد الوارث بن سفیان نے ـــ منہال بن عمرو کے واسطے سے بیان کی ہے ـــ''

(التمهيد لما في المؤطّأ من المعاني والأسانيد :221/1، طبعة وزارة عموم الأوقاف، المغرب)

⑮ حافظ، ابو القاسم، علی بن حسن، **ابن عساکر** رحمہ اللہ (499-571ھ) نے منہال کی بیان کردہ حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔(معجم ابن عساكر :340/1، طبعة دار البشائر، دمشق)

⑯ علامہ، ابو عبداللہ، محمد بن عبد الواحد، **ضیاء الدین، مقدسی** رحمہ اللہ (569-643ھ) نے منہال بن عمرو کی بہت سی احادیث (مثلاً دیکھیں الاحادیث المختارۃ : 455، 760) کو صحیح کہا ہے۔

⑰ حافظ، ابو فداء، عماد الدین، اسماعیل بن عمر، **ابن کثیر** رحمہ اللہ (700-774ھ) کچھ روایات، جن میں منہال بن عمرو کی بیان کردہ روایت بھی تھی، کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَهٰذِهٖ طُرُقٌ جَيِّدَةٌ، مُفِيدَةٌ لِّلْقَطْعِ فِي هٰذِهِ الْقَضِيَّةِ .

''یہ عمدہ سندیں ہیں جو کہ اس معاملے کی قطعیت کو ثابت کرتی ہیں۔''

(مسند الفاروق :391/1، طبعة دار الوفاء، المنصورة)

⑱ حافظ، ابو عبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان، **ذہبی** رحمہ اللہ (673-748ھ) نے

منہال بن عمرو کا ترجمہ ذکر کرنے سے پہلے [صح] لکھا ہے۔اس رمز کے بارے میں وہ خود فرماتے ہیں: إِذَا كَتَبْتُ [صح] أَوَّلَ الِاسْمِ، فَهِيَ إِشَارَةٌ إِلٰى أَنَّ الْعَمَلَ عَلٰى تَوْثِيقِ ذٰلِكَ الرَّجُلِ . ''جب میں کسی اسم سے پہلے 'صح' لکھ دوں تو یہ اس بات کا اشارہ ہے کہ اس آدمی کی توثیق ہی پر اعتماد کیا جائے گا۔''

(لسان الميزان لابن حجر :9/1، طبعة مؤسّسة الأعلمي للمطبوعات، بيروت)

نیز منہال بن عمرو کی بیان کردہ ایک روایت ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

فَهٰذَا إِسْنَادُهُ صَالِحٌ . ''اس کی سند حسن ہے۔''

(تاريخ الإسلام : 107/4، طبعة دار الغرب الإسلامي)

⑲ حافظ، ابوالفضل، احمد بن علی، ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) منہال بن عمرو پر کی گئی ایک جرح کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: وَبِهٰذَا لَا يُجَرَّحُ الثِّقَةُ .
''ثقہ راوی کو ایسی بات کے ذریعے مجروح قرار نہیں دیا جا سکتا۔''

(هُدى الساري :446/1، طبعة دار المعرفة، بيروت)

⑳ علامہ، محمد ناصر الدین، البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) منہال بن عمرو کی ایک حدیث ذکر کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: وَهٰذَا إِسْنَادٌ صَحِيحٌ، اَلْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو ثِقَةٌ مِّنْ رِّجَالِ الْبُخَارِيِّ .
''یہ سند صحیح ہے۔منہال بن عمرو ثقہ ہے اور صحیح بخاری کا راوی ہے۔''

(سلسلة الأحاديث الصحيحة : 442/2، طبعة مكتبة المعارف، الرياض)

ایک درجن سے زائد محدثین کرام اور اہل علم نے عودِ روح والی حدیث کو صحیح کہا اور اب بیس محدثین و ماہرین فن حدیث سے منہال بن عمرو کو ثقہ اور قابل اعتماد ثابت کیا جا چکا ہے۔جن ائمہ دین نے منہال بن عمرو کو ثقہ قرار دیا ہے اور اس کی احادیث پر اعتماد کیا ہے، ان کے نزدیک بھی منہال کی بیان کردہ عودِ روح والی حدیث بھی بالکل صحیح ہے۔

کیا یہ تمام ائمہ دین بھی عثمانی فرقے کے ہاں مُردہ پرست اور مشرک قرار پائیں گے؟ اب یہ لوگ ان ائمہ کی بیان کردہ احادیث کو کس منہ سے اپنی دلیل بناتے ہیں؟اب ڈاکٹر عثمانی کو صراطِ مستقیم پر ماننے والے لوگ بتائیں کہ ان کے وار سے کون سا امام بچا ہے؟

ڈاکٹر عثمانی کے جہالت پر مبنی اعتراضات

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے: ''دراصل مردے کے جسم میں رُوح کے لوٹائے جانے کی روایت شریعت جعفریہ کی روایت ہے، جو اس روایت کے راوی زاذان (شیعہ) نے وہاں سے لے کر براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دی ہے۔اس کی سند دیکھیے تو اس کے اندر ضعفاء، مجروحین، متروکین اور شیعہ ملیں گے۔''(''ایمان خالص''،دوسری قسط،ص: 17)

ملاحظہ کیا قارئین نے کہ اس عبارت میں ڈاکٹر عثمانی نے اس حدیث کو زاذان راوی کی کارروائی قرار دیا ہے۔یعنی ان کے نزدیک اس حدیث کو بیان کرنے کا قصوروار صرف زاذان راوی ہے،لیکن اگلی ہی سطر میں منہال بن عمرو پر جرح نقل کرنا شروع کر دی۔جب زاذان ہی اس روایت کا ذمہ دار تھا تو پہلے منہال بن عمرو پر جرح کا سبب سوائے ہٹ دھرمی کے اور کوئی نہیں ہوسکتا۔

منہال بن عمرو پر جرح کی حقیقت

درجنوں ائمہ حدیث کا منہال بن عمرو کو ثقہ کہنا اور اس کی حدیث پر عقیدے میں بھی اعتماد کرنا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ ثقہ راوی ہے اور اس کی بیان کردہ روایات اصولِ محدثین کے مطابق بالکل صحیح ہیں، نیز اس پر جو جرح کی گئی ہے، وہ مردود ہے، جیسا کہ:

علامہ ذہبی رحمہ اللہ کے نزدیک منہال بن عمرو پر جرح قابل قبول نہیں، بلکہ اس کی توثیق ہی راجح ہے۔(ميزان الاعتدال في نقد الرجال : 192/4، طبعة دار المعرفة، بيروت)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو تُكُلِّمَ فِيهِ بِلَا حُجَّةٍ .

''منہال بن عمرو پر کی گئی جرح بے دلیل ہے۔''

(هُدى الساري :464/1، طبعة دار المعرفة، بيروت)

علامہ البانی رحمہ اللہ منہال بن عمرو کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَفِيهِ كَلَامٌ لَّا يَضُرُّ. ''اس پر کی گئی جرح اس کو کوئی نقصان نہیں دیتی۔''

(سلسلة الأحاديث الصحيحة : 442/2، طبعة مكتبة المعارف، الرياض)

عصر حاضر کے محقق، دکتور بشار عواد معروف لکھتے ہیں:

وَلَمْ يُجَرَّحْ بِجَرْحٍ حَقِيقِيٍّ، وَبَعْضُ مَا نُسِبَ إِلٰى جَرْحِهٖ لَا يَصِحُّ بِسَبَبِ ضُعْفِ الرَّاوِي. ''منہال بن عمرو پر کوئی قابل قبول جرح نہیں کی گئی، اس پر کی گئی بعض جرحیں تو بیان کرنے والے کے کمزور ہونے کی بنا پر ثابت ہی نہیں۔''

(حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال : 572/28)

اس بارے میں اہل علم وفن کے مزید اقوال ہم آئندہ سطور میں ذکر کریں گے۔ڈاکٹر عثمانی نے منہال بن عمرو پر جو جرح ذکر کی ہے، ہم اگر اس کو قارئین کی آسانی کے لیے اپنے الفاظ میں ترتیب دیں تو اس کا خلاصہ کچھ یوں ہوگا۔(ڈاکٹر عثمانی کے الفاظ ہم تفصیلی تجزیئے میں ذکر کریں گے):

① امام حاکم کا کہنا ہے کہ منہال بن عمرو کی حیثیت یحییٰ بن سعید گراتے تھے۔

② ابن معین منہال کی شان کو گراتے تھے۔

③ امام شعبہ نے منہال بن عمرو کے گھر سے گانے کی آواز سنی تو اسے ترک کر دیا۔

④ جوزجانی نے منہال بن عمرو کو بدمذہب لکھا ہے۔

⑤ ابن حزم نے اس کی تضعیف کی ہے اور اس کی قبر میں سوال و جواب والی رایت کو ردّ کیا ہے۔

امام بخاری رحمہ اللہ سمیت درجنوں محدثین کی واضح توثیق کے خلاف ڈاکٹر عثمانی کے

پاس یہی جمع پونجی تھی۔اصولِ حدیث کے مطابق اتنے زیادہ محدثین کی توثیق کے مقابلے میں یہ پانچوں جروح اگر ثابت اور مؤثر بھی ہوتیں تو ان کی کوئی وقعت نہیں تھی۔چہ جائیکہ ان میں سے پہلی دو تو سرے سے ثابت ہی نہیں،یعنی امام یحییٰ بن سعید قطان اور امام یحییٰ بن معین نے منہال پر کوئی جرح کی ہی نہیں،جبکہ باقی تینوں سے منہال بن عمرو کی حدیث پر کوئی آنچ نہیں آتی۔آیئے تفصیلاً ملاحظہ فرمائیں:

① امام یحییٰ بن سعید اور منہال بن عمرو

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے: ''الذہبی اپنی کتاب میزان الاعتدال میں لکھتے ہیں کہ حاکم کا کہنا ہے کہ منہال کی حیثیت یحییٰ بن سعید گراتے تھے۔''(''ایمانِ خالص''،دوسری قسط،ص:17)

اس بات کا تذکرہ نہ امام حاکم رحمہ اللہ کی کسی کتاب میں ملتا ہے،نہ امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ سے کسی نے باسند ایسی کوئی بات ذکر کی ہے۔علامہ ذہبی رحمہ اللہ اور امام حاکم رحمہ اللہ کے درمیان تقریباً ساڑھے تین صدیوں کا فاصلہ ہے،جبکہ امام حاکم اور امام یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ کے درمیان قریباً دو صدیاں حائل ہیں۔بغیر کسی سند کے کیسے مان لیا جائے کہ واقعی امام یحییٰ بن سعید نے منہال کی حیثیت گرائی تھی؟عجیب منطق ہے ڈاکٹر عثمانی کی کہ جمہور محدثین ایک حدیث کو صحیح قرار دیں تو بھی وہ اسے ردّ کرنے کے لیے اس کی سند کو زیر بحث لاتے ہیں،لیکن خود جرح نقل کرنے کے لیے کسی سند کا التزام نہیں کرتے۔

یاد رہے کہ جس طرح حدیث کو سند کے بغیر یا ضعیف سند کے ساتھ قبول نہیں کیا جا سکتا،اسی طرح حدیث کے ردّ وقبول کے بارے میں اقوال اور راویانِ حدیث کی توثیق و جرح بھی سند کے بغیر یا ضعیف سند کے ساتھ قبول نہیں ہو سکتی،کیونکہ یہ اُمور بلاواسطہ حدیث سے تعلق رکھتے ہیں۔قارئین ہمارے منہج کو بھی ملحوظ رکھیں کہ ہم جس طرح حدیث کے بارے میں صحتِ سند کا اہتمام کرتے ہیں،بالکل اسی طرح کسی بھی حوالے سے کسی بھی امام کا قول ذکر کرتے ہوئے بھی یہ اہتمام کرتے ہیں کہ وہ قول یا تو خود اس امام کی کسی ثابت شدہ

کتاب میں موجود ہو یا پھر کسی اور نے اس کو محدثین کے ہاں قابل حجت سند کے ساتھ ذکر کیا ہو۔اس کے برعکس گمراہ لوگ اپنی تائید میں متاخرین کی کتب سے اندھا دھند بے سند اقوال ذکر کرتے رہتے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے منہال بن عمرو پر ابن قطان کی کوئی جرح ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ یہ مبہم سی بات ہے، ہوسکتا ہے کہ کسی زیادہ ثقہ راوی کے مقابلے میں ابن قطان اس کی حیثیت کو کم کرتے ہوں اور یہ کوئی جرح نہیں۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَحِكَايَةُ الْحَاكِمِ عَنِ الْقَطَّانِ غَيْرُ مُفَسَّرَةٍ . ''امام حاکم کی امام یحییٰ بن سعید قطان سے روایت مبہم ہے۔'' (فتح الباري :446/1)

پھر یہ بات بھی قابل غور ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ خود منہال پر جرح کے خلاف تھے۔وہ تو منہال بن عمرو کو ثقہ قرار دیتے تھے، جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔ڈاکٹر عثمانی کی ''دیانت علمی'' ملاحظہ فرمائیں کہ منہال بن عمرو کی توثیق کے بارے میں امام حاکم رحمہ اللہ کے ثابت شدہ قول اور ابن قطان کی جرح پر ابن حجر کے تبصرے کو بالکل نظر انداز کر دیا، جبکہ منہال پر جرح کے بارے میں بے سند و بے ثبوت قول کو سینے سے لگا لیا۔سبحان اللہ، کیا تحقیق ہے!

② امام یحییٰ بن معین اور منہال

ڈاکٹر عثمانی نے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کی کتاب 'تہذیب التہذیب' کے حوالے سے لکھا ہے:

''ابن معین، منہال کی شان کو گراتے تھے۔'' (''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 18)

گزشتہ کی طرح یہ بات بھی بے سند ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ، امام بن معین رحمہ اللہ سے چھ صدیاں بعد پیدا ہوئے ہیں۔انہوں نے ابن معین تک اس قول کی کوئی سند بھی ذکر نہیں کی۔ بغیر کسی سند کے کیسے مان لیا جائے کہ واقعی ابن معین رحمہ اللہ، منہال کی شان کو گراتے تھے؟ اس سلسلے میں ابن حجر رحمہ اللہ نے جس نقل پر اعتماد کیا ہے، شاید وہ یہ ہے:

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ (499-571ھ) نے منہال بن عمرو کے حالات میں لکھا ہے:

قَالَ الْمُفَضَّلُ بْنُ غَسَّانَ الْغُلَابِيُّ : ذَمَّ يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ الْمِنْهَالَ بْنَ عَمْرٍو .

''مفضل بن غسان غلابی کا کہنا ہے کہ امام یحییٰ بن معین نے منہال بن عمرو کی مذمت کی ہے۔''(تاريخ دمشق : 374/60، طبعة دار الفكر، بيروت)

اس حکایت کا راوی ابوبکر محمد بن احمد بن محمد بن موسیٰ بابسیری ''مجہول'' ہے۔

اگر یہ قول ثابت بھی ہو تو یہ منہال پر جرح نہیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَأَمَّا حِكَايَةُ الْغُلَابِيِّ، فَلَعَلَّ بْنُ مَعِينٍ كَانَ يَضَعُ مِنْهُ بِالنِّسْبَةِ إِلٰى غَيْرِهٖ، كَالْحِكَايَةِ عَنْ أَحْمَدَ، وَيَدُلُّ عَلٰى ذٰلِكَ أَنَّ أَبَا حَاتِمٍ حَكٰى عَنِ ابْنِ مَعِينٍ أَنَّهٗ وَثَّقَهٗ . ''رہی غلابی کی حکایت،تو شاید امام ابن معین کسی اور (زیادہ ثقہ)راوی کی نسبت اس کی شان کو گراتے ہوں،جیسا کہ امام احمد سے بھی ثابت ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحاتم نے امام ابن معین سے منہال کا ثقہ ہونا بھی ذکر کیا ہے۔''

(فتح الباري :446/1، طبعة دار المعرفة، بيروت)

یعنی جرح کے برعکس امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کی طرف سے منہال بن عمرو کی واضح توثیق ثابت ہے،جیسا کہ توثیق کے ضمن میں سب سے پہلے نمبر پر ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہم ذکر کر چکے ہیں کہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے منہال پر جرح کا ردّ کیا ہے۔ ڈاکٹر عثمانی نے ابن حجر سے ان کی مردود بتائی ہوئی جرح بغیر ردّ نقل کیے ذکر کر دی ،لیکن جو بات ابن معین اور ابن حجر سے ثابت تھی،یعنی منہال کی توثیق،اپنے خلاف پا کر اس کا ذکر تک نہیں کیا۔ایسے لوگوں سے انصاف کی توقع عبث ہے۔

③ امام شعبہ اور منہال بن عمرو

امام شعبہ رحمہ اللہ سے اس بارے میں دو طرح کی روایات بیان کی گئی ہیں۔ایک یہ کہ انہوں نے منہال بن عمرو کے گھر سے قرآنِ کریم کو سُر کے ساتھ پڑھنے کی آواز سنی۔

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 357/8، طبعة دار إحياء التراث العربي، بيروت)

دوسرے یہ کہ انہوں نے منہال کے گھر سے گانے کی آواز سنی تھی۔

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 236/4، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت، وسندهٗ صحيحٌ)

جو روایت ڈاکٹر عثمانی نے ذکر کی ہے، اس میں گانے کا کوئی ذکر نہیں۔ الفاظ یہ ہیں:

لِأَنَّهٗ سَمِعَ مِنْ دَارِہٖ صَوْتَ قِرَاءَ ةٍ بِالتَّطْرِيبِ ﷺ

''کیونکہ شعبہ رحمہ اللہ نے منہال کے گھر سے سُر کے ساتھ قرآن کی قراءت سنی تھی۔''

ثابت ہوا کہ اس روایت میں گانے کا نہیں، بلکہ قرآنِ کریم کی قراءت کا ذکر ہے، جیسا کہ ڈاکٹر عثمانی کی محولہ کتاب میں ایک اور جگہ تصریح ہے:

سَمِعَ صَوْتَ قِرَاءَ ةٍ بِأَلْحَانٍ، فَتَرَكَ الْكِتَابَةَ عَنْهُ لِأَجْلِ ذٰلِكَ .

''امام شعبہ رحمہ اللہ نے ترنم کے ساتھ قراءت کی آواز سنی، اسی بنا پر اس سے حدیث لکھنا چھوڑ دیا۔'' (الجرح والتعديل : 172/1)

یہ عالم ہے ڈاکٹر عثمانی کی عربی دانی اور کتب کی ورق گردانی کا!

بہر حال قرآنِ کریم کو تغنی، یعنی سُر اور خوبصورت آواز کے ساتھ پڑھنا کوئی قابل جرح بات نہیں، جیسا کہ عرب محقق ڈاکٹر بشار عواد معروف فرماتے ہیں:

هٰذَا جَرْحٌ مَّرْدُودٌ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ، وَمَا أَدْرِي كَيْفَ جَوَّزَ شُعْبَةُ لِنَفْسِهٖ أَنْ يَّتْرُكَهٗ لِلتَّطْرِيبِ بِالْقِرَاءَ ةِ، إِنْ صَحَّ ذٰلِكَ عَنْهُ، فَقَدْ ثَبَتَ عَنِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَرُورَةَ تَحْسِينِ الصَّوْتِ وَالتَّطْرِيبِ بِالْقِرَاءَ ةِ .

''یہ جرح مردود ہے۔ اگر امام شعبہ رحمہ اللہ سے یہ بات ثابت ہے تو سمجھ سے بالاتر ہے کہ انہوں نے نرم اور خوبصورت آواز سے قراءت کو بنیاد بنا کر منہال کو چھوڑنا جائز کیسے سمجھ لیا؟ حالانکہ نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے کہ قرآنِ کریم کی قراءت خوبصورت آواز اور سُر میں ہونی چاہیے۔'' (حاشية تهذيب الكمال في أسماء الرجال : 570/28، طبعة مؤسّسة الرسالة)

دوسری روایت جس میں منہال کے گھر سے گانے کی آواز آنے کا ذکر ہے، اس کے

مطابق بھی منہال بن عمرو پر کوئی قدغن نہیں آتی۔یہی وجہ ہے کہ جب امام شعبہ رحمہ اللہ نے وہب بن جریر رحمہ اللہ کے سامنے یہ ماجرا بیان کیا تو وہب بن جریر رحمہ اللہ نے امام شعبہ رحمہ اللہ کے اس طرزِ عمل پر تنقید کرتے ہوئے ایک سوال کیا،جس پر امام شعبہ رحمہ اللہ خاموش ہو گئے اور ان سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔وہب بن جریر رحمہ اللہ امام شعبہ سے اپنا مکالمہ یوں بیان کرتے ہیں:

عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ : أَتَيْتُ مَنْزِلَ مِنْهَالِ بْنِ عَمْرٍو، فَسَمِعْتُ مِنْهُ صَوْتَ الطُّنْبُورِ، فَرَجَعْتُ، وَلَمْ أَسْأَلْهُ، قُلْتُ : وَهَلَّا سَأَلْتَهُ ! فَعَسٰى كَانَ لَا يَعْلَمُ .

''امام شعبہ رحمہ اللہ نے بیان کیا کہ میں منہال بن عمرو کے گھر آیا تو مجھے گھر سے گانے کی آواز سنائی دی۔میں لوٹ آیا اور منہال سے اس بارے میں نہیں پوچھا۔میں نے کہا: آپ نے اس سے کیوں نہ پوچھا؟ ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے لاعلم ہو۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 236/4، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت، وسندهٗ صحيحٌ)

امام شعبہ رحمہ اللہ کی منہال پر جرح کا سب سے پہلے ردّ تو وہب بن جریر رحمہ اللہ نے ان کے سامنے کر دیا اور ان کو لاجواب بھی کر دیا۔وہب بن جریر رحمہ اللہ کی بات بالکل درست تھی کہ ہوسکتا ہے،منہال کو اس بات کا علم ہی نہ ہو،وہ گھر پر نہ ہو،یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے پڑوسیوں کے گھر سے یہ آواز آ رہی ہو اور امام شعبہ رحمہ اللہ کو غلط فہمی ہو گئی ہو۔پھر کسی کے گھر سے گانے کی آواز آنا جرح کا سبب تو نہیں،کیونکہ ہوسکتا ہے کہ گھر کا جو فرد ایسا کر رہا ہے، منہال اس سے راضی نہ ہو۔بعض انبیائے کرام کے گھر والے بھی تو ان کے نافرمان ہوئے ہیں۔کیا اس بنا پر ان کو بھی الزام دیا جائے گا؟ وہب بن جریر رحمہ اللہ کے مطابق امام شعبہ رحمہ اللہ کو منہال کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے سے پہلے ان سے استفسار کرنا چاہیے تھا۔

بعد والے اہل علم بھی امام شعبہ رحمہ اللہ کی اس بے جا سختی کا ردّ کرتے آئے ہیں،جیسا کہ:

علامہ،ابوالحسن،علی بن محمد،ابن قطان،فاسی رحمہ اللہ (562-628ھ) منہال کی نرم آواز میں قراءت پر امام شعبہ کے ردّ عمل والی روایت ذکر کر کے فرماتے ہیں:

فَإِنَّ هٰذَا لَيْسَ بِجَرْحِهٖ، إِلَّا أَنْ يَّتَجَاوَزَ إِلٰى حَدٍّ يُّحَرَّمُ، وَلَمْ يُذْكَرْ ذٰلِكَ فِي الْحِكَايَةِ . ''یہ (سُر سے قراءت) کوئی جرح نہیں، الا یہ کہ حرمت کی حد تک پہنچ جائے (یعنی اس میں تکلف اور غلطی آ جائے)، اور ایسی کوئی بات اس واقعے میں مذکور نہیں۔''

اور گانے کی آواز سن کر شعبہ کے ترک کرنے والی روایت کے بارے میں لکھتے ہیں :

فَهٰذَا، كَمَا تَرٰى، التَّعَسُّفُ فِيهِ ظَاهِرٌ .

''جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، امام شعبہ کا یہ رویہ واضح طور پر بے جا ہے۔''

(بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام : 363/3، طبعة دار طيبة، الرياض)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) امام شعبہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُ مَنْ قَالَ : تَرَكَهٗ شُعْبَةُ، فَمَعْنَاهُ أَنَّهٗ لَمْ يَرْوِ عَنْهُ، كَمَا قَالَ أَحْمَدُ بْنُ حَنْبَلٍ : لَمْ يَسْمَعْ شُعْبَةُ مِنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ شَيْئًا، وَشُعْبَةُ، وَيَحْيَى بْنُ سَعِيدٍ، وَعَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ مَهْدِيٍّ، وَمَالِكٌ، وَنَحْوُهُمْ، قَدْ كَانُوا يَتْرُكُونَ الْحَدِيثَ عَنْ أُنَاسٍ لِّنَوْعِ شُبْهَةٍ بَلَغَتْهُمْ، لَا تُوجِبُ رَدَّ أَخْبَارِهِمْ، فَهُمْ إِذَا رَوَوْا عَنْ شَخْصٍ كَانَتْ رِوَايَتُهُمْ تَعْدِيلًا لَهٗ، وَأَمَّا تَرْكُ الرِّوَايَةِ فَقَدْ يَكُونُ لِشُبْهَةٍ لَا تُوجِبُ الْجَرْحَ، وَهٰذَا مَعْرُوفٌ فِي غَيْرِ وَاحِدٍ قَدْ خُرِّجَ لَهٗ فِي الصَّحِيحِ .

''جس نے امام شعبہ رحمہ اللہ کے کسی راوی کو ترک کر دینے کی بات کی ہے، اس کی مراد یہ تھی کہ امام شعبہ نے اس سے احادیث روایت نہیں کیں، جیسا کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا کہ شعبہ نے عمر بن ابوسلمہ سے کوئی حدیث نہیں سنی۔ امام شعبہ، امام یحییٰ بن سعید، امام عبد الرحمٰن بن مہدی، امام مالک وغیرہ جیسے ائمہ کسی شبہ کی بنا پر بھی لوگوں سے روایت کرنا چھوڑ دیتے تھے۔ یہ ائمہ جس راوی سے روایت کریں، اس کے ثقہ ہونے کی یہ دلیل ہو گی، لیکن ان کا کسی سے روایت چھوڑ دینا بسا اوقات کسی شبہ کے وجہ سے ہوتا ہے جو حقیقت میں

جرح کا سبب نہیں ہوتا۔صحیح بخاری کے کئی راویوں کے بارے میں امام شعبہ رحمہ اللہ کا ایسا طرز عمل ثابت ہے۔''(الفتاویٰ الکبریٰ : 53/3، طبعة دار الکتب العلمیّة، بیروت)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ)اس بارے میں فرماتے ہیں:

إِنَّ مُجَرَّدَ تَرْكِ شُعْبَةَ لَهُ لَا يَدُلُّ عَلٰى ضَعْفِهِ، فَكَيْفَ وَقَدْ قَالَ بْنُ أَبِي حَاتِمٍ : إِنَّمَا تَرَكَهُ شُعْبَةُ لِأَنَّهُ سَمِعَ فِي دَارِهِ صَوْتَ قِرَاءَةٍ بِالتَّطْرِيبِ، وَرُوِيَ عَنْ شُعْبَةَ، قَالَ : أَتَيْتُ مَنْزِلَ الْمِنْهَالِ، فَسَمِعْتُ صَوْتَ الطَّنْبُورِ، فَرَجَعْتُ، فَهٰذَا سَبَبُ جَرْحِهِ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ شَيْئًا مِّنْ هٰذَا لَا يَقْدَحُ فِي رِوَايَتِهِ، لِأَنَّ غَايَتَهُ أَنْ يَّكُونَ عَالِمًا بِهِ، مُخْتَارًا لَّهُ، وَلَعَلَّهُ مُتَأَوِّلٌ فِيهِ، فَكَيْفَ وَقَدْ يُمْكِنُ أَنْ لَّا يَكُونَ ذٰلِكَ بِحُضُورِهِ، وَلَا إِذْنِهِ، وَلَا عِلْمِهِ، وَبِالْجُمْلَةِ فَلَا يُرَدُّ حَدِيثُ الثِّقَاتِ بِهٰذَا وَأَمْثَالِهِ .

''امام شعبہ رحمہ اللہ کا چھوڑ دینا منہال پر کے ضعیف ثابت ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا، جبکہ امام ابن ابوحاتم نے یہ بیان بھی کر دیا ہے کہ امام شعبہ نے منہال کے گھر سے قرآنِ کریم کی قراءت سُر سے ہو رہی تھی،اسی بنا پر انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ایک روایت کے مطابق امام شعبہ بیان کرتے ہیں کہ میں منہال کے گھر گیا تو وہاں مجھے گانے کی آواز سنائی دی۔یہ تھا امام شعبہ کی جرح کا سبب۔مسلّم بات ہے کہ ان میں سے کوئی بھی چیز منہال کی روایت کوعیب دارنہیں کرتی۔زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا ہے کہ منہال کواس بارے میں علم ہو اوراس کے اختیار سے یہ کچھ ہو رہا ہو،البتہ وہ اس بارے میں تاویل کرتا ہو(یعنی اسے بعض دلائل کی بنا پر جائز سمجھتا ہو،جیسا کہ ابن حزم رحمہ اللہ کا خیال ہے)۔جبکہ یہ بھی بعید نہیں کہ یہ کچھ نہ اس کی موجودگی میں ہوا ہو،نہ اس کی اجازت سے اور نہ اس کے علم میں یہ بات آئی ہو۔الغرض،اس طرح کی باتوں سے ثقہ راویوں کی روایات کو ردّ نہیں کیا جا سکتا۔''

(حاشیة ابن القیّم علی سنن أبي داوٗد مع عون المعبود : 64/13، طبعة دار الکتب العلمیّة)

حافظ،ابوعبداللہ،محمد بن احمد بن عثمان،ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ)فرماتے ہیں :

وَهٰذَا لَا يُوجِبُ غَمْزَ الشَّيْخِ . ''یہ بات شیخ (منہال بن عمرو) کو مجروح نہیں کرتی۔''(میزان الاعتدال : 192/4، طبعة دار المعرفة،بیروت)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ،امام شعبہ رحمہ اللہ پر وہب بن جریر رحمہ اللہ کے اعتراض کے بارے میں لکھتے ہیں: وَهٰذَا اعْتِرَاضٌ صَحِيحٌ، فَإِنَّ هٰذَا لَا يُوجِبُ قَدْحًا فِي الْمِنْهَالِ . ''وہب بن جریر کا یہ اعتراض صحیح تھا، کیونکہ امام شعبہ کی ذکرکردہ بات منہال کے بارے میں جرح کا سبب نہیں بنتی۔''(فتح الباري : 446/1)

علامہ،محمد بن عبدالرحمٰن،سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) فرماتے ہیں :

وَجَرْحُهُ بِهٰذَا تَعَسُّفٌ ظَاهِرٌ . ''امام شعبہ کا اس بنا پر منہال پر جرح کرنا واضح طور پر بے جا ہے۔''(فتح المغيث بشرح ألفية الحديث : 24/2، طبعة مكتبة السنّة، مصر)

یہ ساری باتیں ڈاکٹر عثمانی نے خیانت کرتے ہوئے ہڑپ کرلیں اورصرف جرح والی بات کو ذکرکر کے شور ڈال دیا کہ منہال بن عمرو ''ضعیف'' راوی ہے۔

معلوم ہوا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ کا منہال بن عمرو کو چھوڑ دینا قابل جرح بات نہیں، یہ امام شعبہ رحمہ اللہ کی راویوں کے بارے میں حد سے زیادہ سختی کی دلیل ہے۔

علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے بالکل صحیح فرمایا ہے کہ: شُعْبَةُ مُتَعَنِّتٌ .

''امام شعبہ رحمہ اللہ (راویوں کے بارے میں) بہت سخت مزاج ہیں۔''

(المغني في الضعفاء : 792/2، بتحقيق الدكتور نور الدين عتر)

موسیقی اور ابن حزم رحمہ اللہ :

پھر جو لوگ علامہ ابن حزم رحمہ اللہ کی منہال بن عمرو پر جرح کو دلیل بنا کر اس حدیث کو ردّ کرتے ہیں، ان کو شرم سے ڈوب مرنا چاہیے اور ان دونوں میں سے ایک بات کو ترک کر دینا چاہیے،یعنی یا وہ منہال بن عمرو پر گانے والی روایت کی وجہ سے جرح نہ کریں، یا ابن حزم کی باتوں کو ذکر کرنا چھوڑ دیں، کیونکہ ابن حزم گانے اور آلاتِ موسیقی کی خرید وفروخت

کو جائز قرار دیتے تھے۔(دیکھیں المحلّٰی : 599/7، طبعة دار الفكر، بيروت)

عودِ روح والی حدیث کو دنیا میں سب سے پہلے پانچویں صدی ہجری میں ابن حزم رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' قرار دیا۔ان سے پہلے تمام محدثین اور اہل علم اسے صحیح ہی قرار دیتے رہے تھے،جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔ڈاکٹر عثمانی کی بندر بانٹ ملاحظہ فرمائیں کہ جو شخص صریح طور پر گانے کو جائز کہے اور آلاتِ موسیقی کی خرید وفروخت کو بھی حلال قرار دے،ان کے نزدیک اس کی جرح وتعدیل بھی قبول اور اس کی حدیث بنی بھی عین دلیل،لیکن جس کے بارے میں یہ بھی ثابت نہ ہو سکے کہ اسے علم بھی تھا کہ اس کے گھر میں گانا گایا گیا،اس کے خلاف یہ غلط پروپیگنڈا! کیا یہی انصاف ہے؟ اور کیا ایسے لوگوں میں امانت و دیانت کی کوئی رتّی موجود ہو سکتی ہے؟

امام شعبہ رحمہ اللہ اور دیگر ثقہ راویوں کا ترک:

امام شعبہ رحمہ اللہ نے اپنی حد سے زیادہ احتیاط کی بنا پر معمولی سے شبہے کی وجہ سے دیگر کئی ثقہ راویوں کو بھی ترک کر دیا تھا۔ہم یہاں پر صرف ایک مثال عرض کرتے ہیں:

محمد بن مسلم،ابوالزبیر مکی:

ابوالزبیر مکی صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔محدثین عظام کے ایک جم غفیر نے ان کو ثقہ قرار دیا ہے،لیکن امام شعبہ رحمہ اللہ ان سے بھی روایت نہیں لیتے تھے۔ورقاء کا بیان ہے:

قُلْتُ لِشُعْبَةَ : مَا لَكَ تَرَكْتَ حَدِيثَ أَبِي الزُّبَيْرِ؟ قَالَ : رَأَيْتُهُ يَزِنُ وَيَسْتَرْجِحُ فِي الْمِيزَانِ . ''میں نے شعبہ سے کہا: آپ نے ابوالزبیر کی حدیث کیوں چھوڑ دی؟ انھوں نے جواب دیا کہ میں نے ان کو وزن کرتے دیکھا،وہ زیادہ وزن طلب کر رہے تھے۔''(الضعفاء الكبير للعقيلي : 130/4، طبعة دار الكتب العلميّة، وسندهٗ صحيحٌ)

امام شعبہ رحمہ اللہ کے اس طرزِ عمل کے ردّ میں امام ابن حبان رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَنْصِفْ مَنْ قَدَحَ فِيهِ، لِأَنَّ مَنِ اسْتَرْجَحَ فِي الْوَزْنِ لِنَفْسِهِ، لَمْ

يَسْتَحِقَّ التَّرْكَ مِنْ أَجْلِهِ . ''جس نے ابوالزبیر پر جرح کی، اس نے انصاف سے کام نہیں لیا، کیونکہ جو شخص اپنے لیے زیادہ وزن طلب کرتا ہے، وہ اس بنا پر ترک کر دیئے جانے کا مستحق نہیں ہو جاتا۔'' (الثقات : 352/5، طبعة دائرة المعارف العثمانيّة، الهند)

کیا امام شعبہ رحمہ اللہ کے ترک کر دینے کی وجہ سے ابوالزبیر مکی بھی ''ضعیف'' قرار پائیں گے؟ اس طرح تو صحیح بخاری و مسلم میں موجود ان کی سینکڑوں احادیث سے ہاتھ دھونے پڑیں گے۔ کیا ڈاکٹر عثمانی کے پیروکار ابوالزبیر مکی کی احادیث کو بھی چھوڑ دیں گے؟

معلوم ہوا کہ جب جمہور محدثین کرام کسی راوی کو ثقہ قرار دے رہے ہوں تو امام شعبہ رحمہ اللہ کا اسے ترک کر دینا اس کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتا۔

④ ابواسحاق جوزجانی اور منہال

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے : ''الجوزجانی نے اپنی کتاب 'الضعفاء' میں لکھا ہے کہ وہ بدمذہب تھا۔'' (''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 17، 18)

پہلی بات تو یہ ہے کہ جوزجانی کے اصل الفاظ کیا ہیں؟ ذکر کرنے والوں کا اس میں اختلاف ہے۔ علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر وغیرہ نے تو جوزجانی سے منہال کے بارے میں [سَيِّءُ الْمَذهَبِ] (بدمذہب) کے الفاظ نقل کیے ہیں، جبکہ علامہ عینی حنفی (762-858ھ) نے منہال بن عمرو کے بارے میں جوزجانی کا تبصرہ ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

وَقَالَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ يَعْقُوبَ الْجُوزْجَانِيُّ : الْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو سُنِّيُّ الْمَذْهَبِ .

''ابراہیم بن یعقوب جوزجانی نے کہا ہے کہ منہال بن عمرو مذہب کے لحاظ سے سنی تھا۔''

(مغاني الأخيار في شرح أسامي رجال معاني الآثار : 85/3، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

معلوم ہوتا ہے کہ جوزجانی کی کتاب کا جو نسخہ علامہ عینی کے پاس تھا، اس میں یہی الفاظ تھے، پھر علامہ عینی حنفی کے ذکر کردہ الفاظ بعید از قیاس بھی نہیں، کیونکہ منہال بن عمرو اہل سنت والے عقائد کے حامل تھے، رافضی نہیں تھے۔ ان سے سیدہ عائشہ کو ''ام المومنین''

کہنا اور ان کے بارے میں ''رضی اللہ عنہا'' کے دعائیہ الفاظ ذکر کرنا ثابت ہے۔

(دیکھیں سنن أبي داوٗد : 5217)

جبکہ رافضی شیعہ تو دشمنانِ صحابہ ہوتے ہیں، وہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایسی پُرتعظیم رائے کا اظہار نہیں کر سکتے۔ علامہ عینی کی کتاب سے ناواقفیت یا مجرمانہ چشم پوشی ڈاکٹر عثمانی کی ''وسعتِ مطالعہ'' یا ''دیانتِ علمی'' کا خوب پتا دیتی ہے۔

پھر اگر منہال بن عمرو کے بارے میں جوزجانی کے ''بدمذہب'' والے الفاظ ہی صحیح ہوں تو ڈاکٹر عثمانی نے یہ بات علامہ ذہبی اور حافظ ابن حجر، دونوں کی کتابوں سے ذکر کی ہے، لیکن یہ نہیں بتایا کہ خود ان دونوں اہل علم کا جوزجانی کی اس جرح کے بارے میں کیا تاثر تھا۔ ان دونوں نے جوزجانی کی اس جرح کو قابل التفات نہیں سمجھا۔ علامہ ذہبی رحمہ اللہ نے جوزجانی کی جرح نقل کرنے سے قبل ہی 'صح' لکھ کر بتا دیا کہ اس پر کی گئی کسی کی کوئی جرح، بشمول جوزجانی، مؤثر نہیں، جبکہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بہت تفصیل کے ساتھ جوزجانی کے متعصّبانہ رویے کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ سچے اور ایمان دار اہل کوفہ کو بھی بدمذہب قرار دینا جوزجانی کا متعصّبانہ وطیرہ ہے، اس سے متنبہ رہنا چاہیے۔ جوزجانی کے بارے میں حافظ موصوف کی سخت تنبیہ محققین کے لیے لازمِ مطالعہ ہے، وہ فرماتے ہیں:

وَمِمَّنْ يَنْبَغِي أَنْ يُتَوَقَّفَ فِي قُبُولِ الْجَرْحِ مَنْ كَانَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ مَنْ جَرَّحَهٗ عَدَاوَةٌ سَبَبُهَا الِاخْتِلَافُ فِي الِاعْتِقَادِ، فَإِنَّ الْحَاذِقَ إِذَا تَأَمَّلَ ثَلْبَ أَبِي إِسْحَاقَ الْجُوزْجَانِيِّ لِأَهْلِ الْكُوفَةِ رَأَى الْعَجَبَ، وَذٰلِكَ لِشِدَّةِ انْحِرَافِهٖ فِي النَّصَبِ، وَشُهْرَةِ أَهْلِهَا بِالتَّشَيُّعِ، فَتَرَاهُ لَا يَتَوَقَّفُ فِي مَنْ ذَكَرَهٗ مِنْهُمْ، بِلِسَانٍ ذَلْقَةٍ وَّعِبَارَةٍ طَلْقَةٍ، حَتّٰى إِنَّهٗ يُلَيِّنُ مِثْلَ الْأَعْمَشِ، وَأَبِي نُعَيْمٍ، وَعُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ مُوسٰى، وَأَسَاطِينِ الْحَدِيثِ، وَأَرْكَانِ الرِّوَايَةِ، فَهٰذَا إِذَا عَارَضَهٗ مِثْلُهٗ

أَوْ أَكْبَرُ مِنْهُ، فَوَثَّقَ رَجُلًا ضَعَّفَهُ قُبِلَ التَّوْثِيقُ ---.

''جن لوگوں کے جرح والے قول کو قبول کرنے میں توقف کرنا ضروری ہے، ان میں سے وہ شخص بھی ہے، جس کی مجروح راوی سے بسببِ اختلافِ عقیدہ عداوت ہو، چنانچہ جب کوئی ماہر (رِجال) ابواسحاق جوزجانی کی اہل کوفہ کے خلاف جرح پر غور کرے گا تو وہ عجیب طرزِ عمل دیکھے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ عقیدۂ نصب (اہل بیت سے عداوت) میں سخت انحراف کا شکار ہیں، جبکہ کوفہ والے تشیع (اہل بیت سے زیادہ محبت) میں مشہور ہیں، لہٰذا آپ دیکھیں گے کہ اہل کوفہ میں سے جس کو بھی ابواسحاق جوزجانی نے ذکر کیا ہے، اس پر تیز زبان اور سخت عبارت کے ساتھ جرح کرنے میں توقف نہیں کیا، یہاں تک کہ وہ امام اعمش، ابونعیم اور عبیداللہ بن موسیٰ جیسے راویانِ حدیث پر بھی جرح کر گئے، جو کہ حدیث کے دارومدار اور روایت کے ستون تھے۔ چنانچہ جب ان کا کوئی ہم پلہ امام یا ان سے بڑا امام اس آدمی کو ثقہ کہہ دے، جس کو جوزجانی نے ضعیف کہا ہو، تو توثیق کو قبول کیا جائے گا۔۔۔''

(لسان المیزان: 16/1، طبعة مؤسّسة الأعلمي، بیروت)

یعنی یہ حقیقت ہے کہ اہل کوفہ میں سے کچھ لوگ حبِ اہل بیت میں انتہا پسندی کا شکار ہو کر باقی صحابہ کرام کے بارے میں بدگمان ہو گئے تھے، لیکن یہ اس سے بھی واضح حقیقت ہے کہ سب اہل کوفہ کا معاملہ ایسا نہیں تھا۔ اگر حبِ اہل بیت میں غلو کرتے ہوئے باقی صحابہ کرام کی گستاخی پر اُتر آنا ایک انتہا ہے تو باقی صحابہ کرام کی طرفداری میں اہل بیت کی تنقیص میں ملوث ہو جانا اور سب صحابہ کرام کا ادب و احترام ملحوظ رکھتے ہوئے اہل بیت سے محبت رکھنے والے اہل کوفہ سے عداوت رکھنا اور ان پر عیب جوئی کرنا دوسری انتہا ہے۔ پہلی انتہا کو پہنچنے والے ''رافضی'' اور دوسری انتہا والوں کو اصطلاحاً ''ناصبی'' کہا جاتا ہے۔ جوزجانی اپنے علم و فضل کے باوجود متعصب ناصبی تھے۔ اہل کوفہ اور محبانِ اہل بیت پر ناحق جرح کرنا ان کا معمول ہے۔ اگر کوئی ایک بھی معتبر محدث کسی کوفی راوی کو ثقہ قرار دے تو جوزجانی کی جرح

ردّی کی ٹوکری میں پھینک دی جائے گی، چہ جائیکہ منہال کو درجنوں محدثین نے ثقہ قرار دیا ہے اور ڈاکٹر عثمانی جوزجانی کی جرح کو سینے سے لگائے پھرتے ہیں۔محققین نے معتدل محدثین کے مقابلے میں متعصب جوزجانی کے قول کو کوئی اہمیت نہیں دی۔

علامہ، محمد ناصرالدین، البانی رحمہ اللہ جوزجانی کی جرح کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَيَكْفِي فِي رَدِّ ذٰلِكَ أَنَّهٗ مِنْ رِّجَالِ الْبُخَارِيِّ .

''جوزجانی کے ردّ کے لیے یہی کافی ہے کہ یہ صحیح بخاری کا راوی ہے۔''

(تحقيق الآيات البيّنات في عدم سماع الأموات، ص : 84، طبعة المكتب الإسلامي، بيروت)

اس منصفانہ اندازِ تحقیق کے برعکس ڈاکٹر عثمانی کے اندازِ تحقیق کو جہالت و بددیانتی کے سوا کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

منہال بن عمرو پر جوزجانی کی جرح کا ردّ کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَأَمَّا الْجُوزْجَانِيُّ، فَقَدْ قُلْنَا غَيْرَ مَرَّةٍ : إِنَّ جَرْحَهٗ لَا يُقْبَلُ فِي أَهْلِ الْكُوفَةِ، لِشِدَّةِ انْحِرَافِهٖ، وَنَصْبِهٖ .

''رہی جوزجانی کی بات،تو ہم کئی مرتبہ یہ بتا چکے ہیں کہ سخت ناصبی ہونے اور راہ اعتدال سے ہٹ جانے کی بنا پر اہل کوفہ کے بارے میں اس کی جرح کو قبول نہیں کیا جا سکتا۔''(فتح الباري :446/1، طبعة دار المعرفة، بيروت)

ابن حجر رحمہ اللہ کئی مرتبہ کیا،کئی لاکھ مرتبہ بھی بتائیں،لیکن ڈاکٹر عثمانی جیسے ''محققین'' کو انصاف اور دیانت سے کیا لینا دینا؟انہوں نے تو جوزجانی کی طرح یہی متعصّبانہ وطیرہ اپنایا ہوا ہے کہ جہاں سے اپنے مطلب کی بات ملی،اسے بیان کرنے والے کے سیاق و سباق سے کاٹ کر اپنی تائید میں پیش کر لیا اور صاحبِ کتاب کا اس بارے میں کوئی تاثر بھی نقل نہ کیا۔ان کی اس روش کا ہم قارئین کو مسلسل مشاہدہ کروا رہے ہیں۔

⑤ ابن حزم رحمہ اللہ اور منہال بن عمرو

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے : ''اسی طرح ابن حزم نے اس کی تضعیف کی ہے اور اس

کی (اسی) قبر کی آزمائش اور سوال و جواب والی روایت کو نا قابل احتجاج ٹھہرایا۔''

(''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 17)

اپنی دیانت و انصاف سے پاک روش کے مطابق ڈاکٹر عثمانی نے ابن حزم کی جرح تو حافظ ذہبی سے لے لی، لیکن اس کے بارے میں ان کا اپنا موقف نقل کرنا گوارا نہیں کیا۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ایک تو شروع میں 'صح' لکھ کر بتا دیا کہ اس پر ابن حزم کی جرح قابل قبول نہیں، بلکہ مردود ہے۔ دوسرے منہال کی اسی عذابِ قبر اور عودِ روح والی حدیث کو بخاری و مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا، جیسا کہ ہم نے بیان کر دیا ہے۔ تیسرے یہ کہ ابن حزم کی جرح نقل کرنے کے بعد منہال کی ایک حدیث ذکر کر کے اس کی سند کو صالح قراد دے دیا۔ ڈاکٹر عثمانی نے ان سب باتوں سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر لیں اور سمجھ لیا کہ شاید کوئی ان تک پہنچ نہیں پائے گا۔ اللہ تعالیٰ دشمنانِ حدیث کی کارروائیوں کو لوگوں کے سامنے ضرور لاتا ہے۔

حافظ، ابو فداء، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں:

وَتَكَلَّمَ فِيهِ ابْنُ حَزْمٍ، وَرَدَّ حَدِيثَهُ عَنْ زَاذَانَ، عَنِ الْبَرَاءِ، فِي السُّؤَالِ فِي الْقَبْرِ، فَأَخْطَأَ ابْنُ حَزْمٍ رضی اللہ عنہ ''حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے منہال بن عمرو پر جرح کی ہے اور قبر میں سوال و جواب کے بارے میں اس کی بواسطہ زاذان، سیدنا براء رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ حدیث کو ردّ کیا ہے۔ یہ ابن حزم کی غلطی ہے۔''

(التكميل في الجرح والتعديل :211/1، طبعة مركز النعمان للبحوث، اليمن)

درجنوں محدثین کے عودِ روح والی حدیث کو صحیح کہنے اور بیسیوں اہل علم کے منہال کو ثقہ کہنے کے خلاف ڈاکٹر عثمانی ابن حزم کی غلطی پر ڈٹ گئے ہیں۔ یہ ہے ان کی انمول تحقیق!

حافظ ابن حزم کا جرح و تعدیل میں مقام:

ابن حزم رحمہ اللہ اگرچہ مجتہد و فقیہ تھے، لیکن بہر حال وہ متاخر تھے اور جرح و تعدیل میں ان کی حیثیت صرف ایک ناقل کی تھی۔ وہ صرف کسی متقدم امام کے قول کو بنیاد بنا کر ہی کسی راوی

کے بارے میں کوئی رائے قائم کرنے کے اہل تھے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَضَعَّفَهُ أَبُو مُحَمَّدِ ابْنُ حَزْمٍ، فَأَخْطَأَ، لِأَنَّا لَا نَعْلَمُ لَهُ سَلَفًا فِي تَضْعِيفِهِ ...

''اسے (مروان بن محمد دمشقی کو) ابو محمد ابن حزم نے ضعیف قرار دیا ہے اور یہ ان کی غلطی ہے، کیونکہ ہمارے علم کے مطابق ابن حزم سے پہلے اسے کسی نے ضعیف نہیں کہا۔۔۔''

(لسان المیزان : 96/10، طبعة مجلس دائرة المعارف النظامیّة، الهند)

لہٰذا امام بخاری وغیرہ جیسے ماہرین فن محدثین کے مقابلے میں ان کی بات کو کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی۔ ہاں! اگر ابن حزم رحمہ اللہ کسی متقدم محدث کے قول کو دلیل بنا کر کسی راوی کو ''ثقہ'' یا ''ضعیف'' قرار دیں تو ان کی دلیل ضرور قابل غور ہو گی۔ منہال بن عمرو کو ''ضعیف'' قرار دینے کے حوالے سے بھی ابن حزم نے ایک دلیل ذکر کی ہے، اس کا جائزہ ہم آئندہ سطور میں لیں گے۔ ان شاء اللہ!

پھر یہ بات بھی مسلَّم ہے کہ جرح و تعدیل اور صحت و سقمِ حدیث کی معرفت ابن حزم رحمہ اللہ کا میدان نہیں تھا۔ ایک ناقل ہونے کے ناطے بھی وہ جرح و تعدیل میں طاق نہیں تھے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے صحیح بخاری کی حرمتِ موسیقی والی روایت کو ''ضعیف'' قرار دیا، حالانکہ متقدمین و متاخرین محدثین اس کو صحیح قرار دیتے ہیں۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ انہوں نے امام ترمذی رحمہ اللہ کو بھی ''مجہول'' قرار دے دیا، حالانکہ وہ حدیث کے ایک مشہور و معروف امام ہیں۔ متقدمین و متاخرین نے ان کی توصیف کی ہے۔

اس بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

ثِقَةٌ مُّجْمَعٌ عَلَيْهِ، وَلَا الْتِفَاتَ إِلٰى قَوْلِ أَبِي مُحَمَّدِ بْنِ حَزْمٍ فِيهِ، فِي الْفَرَائِضِ، مِنْ كِتَابِ الْإِيصَالِ : إِنَّهُ مَجْهُولٌ، فَإِنَّهُ مَا عَرَفَهُ، وَلَا دَرٰى بِوُجُودِ الْجَامِعِ، وَلَا الْعِلَلِ اللَّذَيْنِ لَهُ .

''امام ترمذی رحمہ اللہ کی ثقاہت پر امت کا اتفاق ہے۔ ان کے بارے میں ابو محمد ابن حزم کا کتاب الایصال کے باب الفرائض میں یہ قول

ناقابل التفات ہے کہ وہ مجہول ہیں۔(حیرت ہے کہ)ابن حزم نہ امام صاحب کو پہچان سکے، نہ ان کی جامع کو اور ان کی عللِ حدیث پر تصنیف کی گئی دو کتب کو۔''

(میزان الاعتدال في نقد الرجال: 678/3، طبعة دار المعرفة، بیروت)

اسی طرح صحیح بخاری و مسلم کے کئی راویوں کو ابن حزم نے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔مثلاً:

① ابراہیم بن طہمان صحیح بخاری و مسلم کی بیسیوں صحیح احادیث کے راوی ہیں۔ ان کے بارے میں کسی معتبر امام کی کوئی جرح ثابت نہیں،لیکن ابن حزم رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(المحلّٰی بالآثار: 65/10، طبعة دار الفکر، بیروت)

اسرائیل بھی صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ان پر بھی علامہ ابن حزم نے جرح کی ہے۔ (دیکھیں المحلّٰی بالآثار: 284/1)

حالانکہ ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ:

ثِقَةٌ، تُكُلِّمَ فِيهِ بِلَا حُجَّةٍ . ''یہ ثقہ راوی ہے۔ان پر کی گئی جرح بے دلیل ہے۔''

(تقریب التهذیب، ص: 104، ت: 401، طبعة دار الرشید، سوریا)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

ثِقَةٌ إِمَامٌ، ضَعَّفَهُ ابْنُ حَزْمٍ، وَرَدَّ أَحَادِيثَهُ، مَع كَوْنِهَا كَثِيرَةَ الصِّحَاحِ .

''اسرائیل ثقہ امام ہیں۔ابن حزم رحمہ اللہ نے انہیں ضعیف قرار دیا ہے،حالانکہ صحیح احادیث کا ایک بڑا ذخیرہ ان کا بیان کردہ ہے۔''

(من تکلّم فیه وهو موثّق، ص: 44، ت: 32، طبعة مکتبة المنار، الزرقاء)

اگر ابراہیم بن طہمان اور اسرائیل بن یونس وغیرہ کے بارے میں ابن حزم کا فیصلہ مان لیں تو بخاری و مسلم کا ایک بڑا حصہ ضعیف اور ناقابل حجت ہو جائے گا۔

اس لیے جرح و تعدیل میں ابن حزم رحمہ اللہ کا قول اسی وقت قبول کیا جائے گا،جب وہ جمہور متقدمین محدثین کے قول کے موافق ہو،بصورتِ دیگر اسے ردّ کر دیا جائے گا،جیسا کہ ابن کثیر رحمہ اللہ نے منہال کے بارے میں ان کے محدثین کے خلاف قول کو غلط کہہ کر ردّ کر دیا۔

ابن حزم رحمہ اللہ کی دلیل :

حافظ ابن حزم رحمہ اللہ نے منہال بن عمرو پر جرح کی دلیل بھی ذکر کی ہے، وہ یہ ہے :

وَالْمِنْهَالُ ضَعِيفٌ، وَرُوِيَ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ مِقْسَمٍ أَنَّهٗ قَالَ : لَمْ يَثْبُتْ لِلْمِنْهَالِ شَهَادَةٌ فِي الْإِسْلَامِ . ''منہال بن عمرو ضعیف ہے، مغیرہ بن مقسم سے منقول ہے کہ اسلام میں منہال کی گواہی ثابت نہیں ہوتی۔'' (المحلّٰی بالآثار : 216/9)

مغیرہ بن مقسم کی وفات سے لے کر ابن حزم رحمہ اللہ کی پیدائش تک کوئی اڑھائی صدیوں کا فاصلہ ہے۔ابن حزم رحمہ اللہ نے اس قول کی کوئی سند بیان نہیں کی۔البتہ اس کی سند ابن ابوخیثمہ نے بیان کی ہے۔شاید ابن حزم رحمہ اللہ نے وہیں سے اسے نقل کیا ہو، لیکن انہیں معلوم نہ ہو سکا کہ وہ سند صحیح نہیں۔اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَرَوَى ابْنُ أَبِي خَيْثَمَةَ بِسَنَدٍ لَّهٗ عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ مِقْسَمٍ --- وَهٰذِهِ الْحِكَايَةِ لَا تَصِحُّ، لِأَنَّ رَاوِيَهَا مُحَمَّدَ بْنَ عُمَرَ الْحَنَفِيَّ لَا يُعْرَفُ .

''ابن ابی خیثمہ نے اپنی سند کے ساتھ مغیرہ بن مقسم سے بیان کیا ہے۔۔۔لیکن یہ حکایت ثابت نہیں، کیونکہ اس کا راوی محمد بن عمر حنفی مجہول ہے۔'' (فتح الباري : 446/1)

جب ابن حزم رحمہ اللہ کی دلیل ہی ثابت نہ ہوئی تو اس پر کھڑی جرح کی عمارت بھی زمین بوس ہو گئی۔شاید کسی کے ذہن میں یہ بات آ جائے کہ منہال کے گھر سے گانے کی آواز سن کر امام شعبہ رحمہ اللہ نے جو اسے چھوڑ دیا تھا، وہ تو ثابت ہے، شاید وہ بھی ابن حزم رحمہ اللہ کے سامنے ہو اور اس بنا پر انہوں نے منہال کو ''ضعیف'' کہا ہو، لیکن یہ بات کسی لطیفے سے کم نہیں، کیونکہ خود ابن حزم رحمہ اللہ گانے کو بھی جائز سمجھتے تھے اور آلاتِ موسیقی کی خرید و فروخت کو بھی حلال کہتے تھے۔پھر گھر سے گانے کی آواز آنے پر وہ منہال پر جرح کیسے کر سکتے تھے؟

ابن حزم اور ڈاکٹر عثمانی :

یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ابن حزم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صرف منہال کی

وجہ سے ردّ کیا تھا اور فرمایا تھا: وَلَمْ يَرْوِ أَحَدٌ أَنَّ فِي عَذَابِ الْقَبْرِ رَدُّ الرُّوحِ إِلَى الْجَسَدِ إِلَّا الْمِنْهَالُ بْنُ عَمْرٍو، وَلَيْسَ بِالْقَوِيِّ.

''عذابِ قبر والی حدیث میں جسم کی طرف روح لوٹنے کا ذکر صرف منہال بن عمرو نے کیا ہے اور وہ قوی نہیں۔'' (المحلّٰی بالآثار :42/1)

مذکورہ قول سے ثابت ہوا کہ ابن حزم کے نزدیک اگر منہال ''ضعیف'' نہ ہوتا یا کوئی ثقہ راوی ایسی حدیث بیان کر دیتا تو وہ اسے قبول کر لیتے۔اس سے ثابت ہوا کہ ڈاکٹر عثمانی نے منہال کے استاذ زاذان پر بھی جرح کی ہے،لیکن ابن حزم اس معاملے میں ڈاکٹر عثمانی کے مخالف ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک یہ حدیث صرف منہال کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔اس کے برعکس ڈاکٹر عثمانی نے سارا الزام زاذان کو دیا ہے،جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں۔

اب ایک تو منہال بن عمرو ثقہ ثابت ہو گیا ہے اور دوسرے منہال کے علاوہ بھی ثقہ راویوں سے بیان کردہ احادیث میں عودِ روح کا ذکر ہے، جیسا کہ ہم بیان کرنے والے ہیں، لہٰذا اہل انصاف کو چاہیے کہ وہ حق و باطل میں سے حق کا امتیاز کریں۔

الحاصل

منہال بن عمرو کے بارے میں بیسیوں محدثین کرام اور اہل فن کی توثیق کے خلاف پورے ذخیرۂ کتبِ رجال سے ڈاکٹر عثمانی کو صرف پانچ جروح ملی تھیں۔ان میں سے دو،یعنی امام یحییٰ بن سعید قطان اور امام یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہما کی جروح تو سرے سے ثابت ہی نہیں ہو سکیں۔اس کے برعکس امام یحییٰ بن معین کی واضح توثیق ہم نے ذکر کر دی ہے۔باقی تین میں سے ایک یہ تھی کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے ان سے روایت چھوڑ دی تھی۔اس کے بارے میں بتا دیا گیا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ کا یہ فیصلہ درست نہیں تھا،امام وہب بن جریر رحمہ اللہ نے جب اس بات پر ان کا مناقشہ کیا تو امام شعبہ رحمہ اللہ لاجواب ہو گئے۔پھر یہ کام انہوں نے اپنی سختی کی وجہ سے کیا،جس کا بہت سے ائمہ دین نے ردّ کیا اور اسے ان کی حد سے زیادہ احتیاط پر مبنی

قرار دیا۔ پھر ہم نے بتایا کہ امام شعبہ رحمہ اللہ نے صحیح بخاری و مسلم کے کئی اور راویوں سے بھی روایات چھوڑ دی تھیں، جبکہ ان کی بیان کردہ روایات کو ڈاکٹر عثمانی بھی صحیح تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن منہال بن عمرو کے بارے میں بیسیوں محدثین کے خلاف ڈاکٹر عثمانی نے امام شعبہ کی اس روش کو اپنی دلیل بنا لیا۔

دوسری جرح علامہ جوزجانی کی تھی۔ ہم نے بتایا کہ ایک تو ان کے الفاظ دو طرح سے ہم تک پہنچے ہیں، جن میں سے ایک جرح پر نہیں، بلکہ توثیق پر دلالت کرتے ہیں۔ دوسرے ہم نے ائمہ دین کی زبانی واضح کر دیا کہ جوزجانی ناصبی تھے اور جرح و تعدیل میں اہل کوفہ کے بارے میں غیر جانبدار نہیں رہ سکے۔ ان کی اہل کوفہ پر جرح ائمہ دین قبول نہیں کرتے، لیکن بیسیوں معتبر ائمہ دین کی مخالفت میں ڈاکٹر عثمانی نے اسے اپنے گلے کا ہار بنایا۔

تیسری جرح حافظ ابن حزم رحمہ اللہ کی تھی، جس کے بارے میں ہم نے بتا دیا کہ منہال پر جرح کرنے کے بارے میں ابن حزم نے جو دلیل پیش کی تھی، اس کی سند ثابت نہیں، نیز ابن حزم فن رجال میں چنداں ماہر نہیں تھے۔ متقدمین محدثین کی مخالفت میں ابن حزم کی جرح قابل التفات ہی نہیں۔ ابن حزم نے تو صحیح بخاری و مسلم کے کئی راویوں کو بھی ''ضعیف'' قرار دیا ہے، حالانکہ ان کی بیان کردہ روایات کو ڈاکٹر عثمانی بھی صحیح سمجھتے ہیں، لیکن یہاں اپنی مطلب برآری کے لیے ڈاکٹر عثمانی نے ''ڈوبتے کو تنکے کا سہارا'' کے مصداق بنتے ہوئے ابن حزم کے قول کو بلا تامل قبول کر لیا۔

اب اہل انصاف خود ہی فیصلہ کر لیں کہ بیسیوں محدثین کرام کی توثیق کی بنا پر منہال بن عمرو کی حدیث کو قبول کریں گے یا ڈاکٹر عثمانی کی ان پانچ جروح کو مدنظر رکھ کر اس کی حدیث کو ردّ کریں گے، جن میں سے دوسرے سے ثابت ہی نہیں اور باقی تین محدثین کی نظر میں منہال کی حدیث کو کوئی نقصان نہیں دیتیں!

اب آتے ہیں عودِ روح والی حدیث پر ڈاکٹر عثمانی کے دوسرے اعتراض کی طرف۔

انہوں نے اس حدیث میں منہال بن عمرو کے استاذ زاذان پر بھی جرح نقل کی ہے، بلکہ انہوں نے اس روایت کی ساری ذمہ داری ہی زاذان پر ڈالی تھی، جیسا کہ ہم نے ذکر کیا تھا، پھر نہ جانے منہال پر ناحق کیوں برس پڑے؟

محدثین و محققین کی طرف سے زاذان ابوعمر کی توثیق

قارئین کرام پہلے بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ اپنے خود ساختہ عقیدے کے خلاف کسی بھی حدیث کو ردّ کرنے کے لیے ڈاکٹر عثمانی کسی بھی حد تک چلے جاتے ہیں۔ کتبِ جرح و تعدیل میں سے ثقہ راویوں کے بارے میں محدثین کے اقوال کو وہ اپنی ''دیانت'' کی چھلنی میں ڈالتے ہیں جس میں سے بیسیوں واضح توثیقی اقوال گزر ہی نہیں پاتے، صرف چند ایک مبہم اور غیر مؤثر جروح ان کی کتاب کے اوراق تک پہنچ پاتی ہیں اور ان کے جاہل مقلدین ان کے اسی دیانتی کارنامے کو تحقیقِ انیق شمار کرتے ہوئے عَش عَش کر اٹھتے ہیں۔

زاذان کے بارے میں بھی ڈاکٹر عثمانی نے یہی روش اپنائی ہے۔ ہم ذکر کر چکے ہیں کہ درجنوں محدثین و محققین نے عودِ روح والی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور اس سے عقیدے کے مسائل اخذ کرتے ہوئے عذاب و ثوابِ قبر کے معاملے میں اسے اساسی حیثیت دی ہے۔ ان میں سے تیرہ کا ذکر ہم باحوالہ کر چکے ہیں۔ یہ سب کہتے ہیں کہ زاذان ابوعمر ثقہ راوی ہے۔ اب مزید کچھ اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں:

① امام، ابوعبداللہ، محمد بن سعد بن منیع، بغدادی رحمہ اللہ (168-230ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ ثِقَةً، قَلِيلَ الْحَدِيثِ. ''یہ ثقہ راوی تھا۔ اس نے تھوڑی حدیثیں بیان کی ہیں۔'' (الطبقات الكبرٰى: 217/6، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

② امام جرح و تعدیل، ابوزکریا، یحییٰ بن معین رحمہ اللہ (158-233ھ) فرماتے ہیں:

ثِقَةٌ، ـــ، لَا يُسْأَلُ عَنْ مِثْلِ هٰؤُلَاءِ.

''یہ ثقہ راوی ہیں، ان جیسے راویوں کے بارے میں تو پوچھا ہی نہیں جانا چاہیے۔''

(تاريخ دمشق لابن عساكر: 290/18، طبعة دار الفكر، بيروت، وسندهٗ صحيحٌ)

③ مشہور محدث، امام، ابوالحسن، مسلم بن حجاج، نیشاپوری رحمہ اللہ (261-204ھ) نے زاذان سے روایت (صحیح مسلم : 1657 وغیرہ) لے کر اس کی توثیق کی ہے۔

④ مؤرّخِ رجال، امام، ابوالحسن، احمد بن عبداللہ بن صالح، عجلی رحمہ اللہ (261-181ھ) نے اسے ثقہ قرار دیا ہے۔(الثقات، ص : 63، ت : 450، طبعة دار الباز)

⑤ امام، ابوعیسیٰ، محمد بن عیسیٰ، ترمذی رحمہ اللہ (279-209ھ) نے زاذان کی بیان کردہ ایک حدیث کے بارے میں لکھا ہے : هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ صَحِيحٌ .

''یہ حدیث حسن صحیح ہے۔''(سنن الترمذي، تحت الحديث : 1868)

⑥ امام الائمہ، ابوبکر، محمد بن اسحاق، ابن خزیمہ رحمہ اللہ (311-223ھ) نے اپنی صحیح میں روایت (2791) لے کر اس کی توثیق کی ہے۔

⑦ امام، ابوعوانہ، یعقوب بن اسحاق، اسفرائینی رحمہ اللہ (م : 316ھ) نے اپنی صحیح (مستخرج علی صحیح مسلم) میں اس کی روایت (6050 وغیرہ) ذکر کی ہے، جو کہ توثیق ضمنی ہے۔

⑧ امام، ابو حاتم، محمد بن حبان، بستی رحمہ اللہ (م : 354ھ) نے بھی اپنی صحیح میں اس کی روایت (914) ذکر کی ہے، جو کہ ان کی طرف سے زاذان کی توثیق ہے۔

⑨ امام، ابواحمد، عبداللہ بن عدی، جرجانی رحمہ اللہ (365-277ھ) فرماتے ہیں :

وَأَحَادِيثُهٗ لَا بَأْسَ بِهَا إِذَا رَوٰى عَنْهُ ثِقَةٌ .

''جب اس سے بیان کرنے والا راوی ثقہ ہو تو اس کی حدیث میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 210/4، طبعة دار الكتب العلميّة)

⑩ امام، ابوبکر، احمد بن علی، خطیب بغدادی رحمہ اللہ (463-392ھ) فرماتے ہیں :

وَكَانَ ثِقَةً . ''زاذان ثقہ راوی تھا۔''(تاريخ بغداد : 515/9، طبعة دار الغرب)

⑪ حافظ، ابوعبداللہ، محمد بن عبدالواحد، ضیاء الدین، مقدسی رحمہ اللہ (643-569ھ) نے اس کی حدیث کی تصحیح کی ہے۔(الأحاديث المختارة : 451، طبعة دار خضر، بيروت)

⑫ علامہ، ابو محمد، عبد العظیم بن عبد القوی، منذری رحمہ اللہ (م:656ھ) فرماتے ہیں:

وَزَاذَانُ ثِقَةٌ مَّشْهُورٌ . ''زاذان مشہور ثقہ راوی ہے۔''

(الترغيب والترهيب من الحديث الشريف : 198/4، طبعة دار الكتب العلميّة)

⑬ شیخ الاسلام، ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (م:728ھ)

فرماتے ہیں: وَحَدِيثُ زَاذَانَ مِمَّا اتَّفَقَ السَّلَفُ وَالْخَلَفُ عَلٰى رِوَايَتِهٖ، وَتَلَقِّيهِ بِالْقُبُولِ . ''زاذان کی حدیث کو بیان کرنے اور قبول کرنے پر سلف وخلف کا اتفاق ہے۔''(شرح حديث النزول، ص : 89، طبعة المكتب الإسلامي، بيروت)

⑭ حافظ، ابو عبداللہ، محمد بن احمد، ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) نے زاذان کی بیان کردہ حدیث کی سند کو صحیح کہا ہے۔(الصارم المنكي، ص : 202، طبعة مؤسّسة الريّان)

⑮ حافظ، ابو عبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان، ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ ثِقَةً، صَادِقًا . ''یہ ثقہ اور سچا شخص تھا۔''

(سير أعلام النبلاء : 280/4، طبعة مؤسّسة الرسالة، بيروت)

⑯ حافظ، ابوالحسن، علی ابن ابوبکر، ہیثمی (735-807ھ) نے بھی اسے ثقہ قرار دیا ہے۔(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد : 116/9، طبعة مكتبة القدسي، القاهرة)

درجنوں ائمہ نے زاذان کی حدیث کو صحیح کہہ کر اس کی توثیق کی تھی، اس پر مستزاد ائمہ دین کی زاذان کی صریح توثیق پر مبنی یہ درجنوں شہادتیں ہیں۔آیئے اب ڈاکٹر عثمانی کی طرف سے نقل کی گئی جروح کی حقیقت ملاحظہ فرمائیں:

زاذان پر جرح کی حقیقت

ڈاکٹر عثمانی نے کئی درجن محدثین و محققین کی توثیق کے خلاف زاذان پر جو جروح نقل کی ہیں، ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے:

① حکم سے پوچھا گیا کہ آپ زاذان سے روایت کیوں نہیں لیتے؟انہوں نے

کہا کہ وہ باتیں بہت کرتا تھا، اس لیے۔

② ابن حبان نے کہا کہ وہ بہت غلطیاں کرتا تھا۔

③ ابو احمد حاکم کہتے ہیں کہ وہ اہل علم کے نزدیک مضبوط نہیں۔

④ سلمہ بن کہیل نے کہا کہ ابوالبختری کو میں اس سے اچھا سمجھتا ہوں۔

⑤ ابن حجر نے کہا ہے کہ زاذان میں شیعیت ہے۔

یہ تھا امام مسلم، امام یحییٰ بن معین، امام ترمذی اور امام ابن خزیمہ وغیرہ سمیت درجنوں محدثین کے مقابلے میں زاذان کے خلاف ڈاکٹر عثمانی کا سارا سرمایہ۔ اصولِ حدیث کی رُو سے درجنوں محدثین کے مقابلے میں یہ جروح اگر مؤثر بھی ہوں تو ناقابل التفات ہیں۔ چہ جائیکہ محدثین کے ہاں ان کی کوئی وقعت نہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

① زاذان اور امام حکم بن عُتَیبَہ

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے: ''شعبہ کہتے ہیں کہ میں نے الحکم سے کہا کہ آپ زاذان سے کیوں روایت نہیں لیتے؟ انہوں نے کہا کہ وہ باتیں بہت زیادہ کرتا ہے، اس لیے۔''

(''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 18)

باتیں زیادہ کرنا یا امام حَکَم کا ان سے روایات نہ لینا کوئی جرح نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محدثین و محققین نے حَکَم کی اس بات کو نقل بھی کیا ہے، لیکن اسے پھر بھی ثقہ ہی قرار دیا ہے۔ کسی نے بھی اسے زاذان پر کوئی جرح خیال نہیں کیا۔ پھر بعض ائمہ کی تصریح اس پر مستزاد ہے:

حدیث اور رجالِ حدیث کے امام، ابو احمد، ابن عدی رحمہ اللہ (277-365ھ) فرماتے ہیں:

وَأَحَادِيثُهُ لَا بَأْسَ بِهَا إِذَا رَوٰى عَنْهُ ثِقَةٌ، ---، وَإِنَّمَا رَمَاهُ مَنْ رَمَاهُ بِكَثْرَةِ كَلَامِهِ. ''جب اس سے بیان کرنے والا راوی ثقہ ہو تو اس کی احادیث میں کوئی خرابی نہیں ہوتی۔ اسے جس نے الزام دیا ہے، صرف زیادہ باتیں کرنے کا دیا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال: 210/4، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت)

امام ابن عدی رحمہ اللہ نے بات بالکل صاف کر دی ہے کہ زاذان پر صرف باتیں زیادہ کرنے کے حوالے سے اعتراض کیا گیا ہے، لیکن اس اعتراض سے اس کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا، بلکہ اس کے باوجود وہ ثقہ ہے اور اس کی احادیث صحیح ہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے (میزان الاعتدال : 63/2) زاذان کے بارے میں [صح] لکھ کر یہ بتا دیا کہ اس سے زاذان کی ثقاہت متاثر نہیں ہوتی۔

پھر ڈاکٹر عثمانی کے پیروکاروں کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ انہوں نے زاذان کو شیعہ کہہ کر اس کی حدیث کو ردّ کیا ہے، حالانکہ یہ بات ثابت بھی نہیں، اس کی حقیقت تو ہم ترتیب کے مطابق آئندہ صفحات میں بیان کریں گے، البتہ یہاں پر ان سے اتنا ضرور پوچھیں گے کہ اگر شیعہ ہونا جرح ہے اور شیعہ کی بیان کردہ حدیث معتبر نہیں تو کیا کسی شیعہ کی سنی راویوں پر جرح وتعدیل معتبر ہوتی ہے؟ اگر ہاں تو کیوں؟ اور اگر نہیں تو جان لیں کہ زاذان کی روایات کو چھوڑنے والے امام حکم بن عُتَیبہ شیعہ تھے۔ زاذان کا شیعہ ہونا تو ثابت نہیں ہوا، البتہ امام حَکَم کا شیعہ ہونا ثابت ہے، جیسا کہ امام، ابو الحسن، احمد بن عبد اللہ، عجلی رحمہ اللہ (م:261ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ فِيهِ تَشَيُّعٌ، إِلَّا أَنَّ ذٰلِكَ لَمْ يَظْهَرْ مِنْهُ إِلَّا بَعْدَ مَوْتِهٖ .

''ان میں شیعیت تھی، البتہ اس کا علم ان کی وفات کے بعد ہی ہو سکا۔''

(تاریخ الثقات، ص : 125، ت : 315، طبعة دار الباز)

ذرا سوچیں کہ بھلا کوئی شیعہ اپنے مذہب کا پرچار کرنے والے کسی شیعہ پر کیوں جرح کرے گا؟ اور فیصلہ کریں کہ ڈاکٹر عثمانی نے کتنے فیصد انصاف سے کام لیا ہے؟

معلوم ہوا کہ اہل انصاف کے ہاں امام حَکَم بن عُتَیبہ شیعہ کا زاذان کو چھوڑنا کوئی جرح نہیں، نہ ہی اس سے زاذان کی حدیث پر کوئی زد پڑتی ہے۔

② ابن حبان اور زاذان

ڈاکٹر عثمانی کے الفاظ ہیں: [ابن حبان نے کہا کہ كَانَ يُخْطِئُ كَثِيرًا ''وہ بہت

غلطیاں کرتا تھا۔''] (''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 18)

پہلی بات تو یہ ہے کہ ابن حبان رحمہ اللہ، زاذان کے بارے میں متذبذب تھے۔ بھلا جو شخص بہت غلطیاں کرے، وہ ثقہ ہوتا ہے؟ اسے ثقات میں ذکر کرنے کا کیا جواز؟ پھر خود ابن حبان رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' راویوں کے بارے میں بھی ایک کتاب [المجروحین] لکھی ہے۔ اگر زاذان ان کے نزدیک ''ضعیف'' تھا تو انہوں نے اس کتاب میں ذکر کرنے کی بجائے اس کا شمار ثقہ راویوں میں کیوں کیا؟ اس پر مستزاد یہ کہ خود ابن حبان رحمہ اللہ نے زاذان کی حدیث (صحیح ابن حبان: 914) کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیا بہت غلطیاں کرنے والے کی حدیث صحیح ہوتی ہے؟

دوسری بات یہ ہے کہ محققین کے ہاں امام مسلم، امام یحییٰ بن معین، امام ترمذی رحمہم اللہ کے مقابلے میں ابن حبان رحمہ اللہ کی جرح و تعدیل کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ جب ابن حبان ان درجنوں کبار ائمہ کی مخالفت کریں تو ان کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

تیسری بات یہ کہ اگر امام ابن حبان رحمہ اللہ کبار ائمہ دین کی موافقت میں منہال بن عمرو کی حدیث کو صحیح قرار دیں تو ڈاکٹر عثمانی اس کا ذکر تک نہ کریں اور جب وہ ان سب کی مخالفت میں زاذان پر جرح کریں تو ڈاکٹر عثمانی جھٹ سے اسے قبول کر لیں، حالانکہ وہ خود اسے ثقہ بھی قرار دے چکے ہوں اور اس کی حدیث کو صحیح بھی کہہ چکے ہوں، کیا اسے انصاف کہتے ہیں؟

معلوم ہوا کہ ابن حبان رحمہ اللہ کا زاذان پر جرح کرنا درجنوں کبار ائمہ کی توثیق اور خود اپنے فیصلے کے بھی خلاف ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

③ ابواحمد الحاکم اور زاذان

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے: ''ابواحمد الحاکم کہتے ہیں کہ اہل علم کے نزدیک وہ مضبوط نہیں ہے۔'' (''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 18)

یہ بات ابواحمد الحاکم کی علمی لغزش ہے۔ وہ اہل علم کون ہیں جنہوں نے زاذان کو کمزور کہا

ہو؟ ڈاکٹر عثمانی کو شاید معلوم نہیں تھا کہ کئی درجن محدثین تو زاذان کو ثقہ قرار دیتے ہیں۔ان کی تفصیل ہم نے سپردِ قارئین کر دی ہے۔انصاف سے بتائیں کہ کیا امام ابن سعد،امام مسلم، امام یحییٰ بن معین،امام ترمذی،امام ابن عدی،امام عجلی،امام ابن خزیمہ،امام ابوعوانہ،امام خطیب بغدادی،امام ابن مندہ،امام ابونعیم اصبہانی،امام ابوعبد اللہ حاکم ، امام بیہقی،حافظ مقدسی،حافظ منذری،حافظ ابن عبدالہادی، علامہ ابن تیمیہ،حافظ ابن قیم،علامہ سیوطی،علامہ ذہبی،حافظ ہیثمی وغیرہ اہل علم نہیں ہیں؟اگر یہ اہل علم نہیں تو بتائیں کہ کون ہیں اہل علم؟ یہ سارے تو کہتے ہیں کہ زاذان ثقہ راوی ہے۔

اب ڈاکٹر عثمانی کے پیروکار ہی کوئی نیا انکشاف کریں،جس سے ثابت ہو جائے کہ اہل علم زاذان کو کمزور سمجھتے تھے۔زاذان کو کمزور کہنے کے سلسلے میں ڈاکٹر عثمانی کی کل کائنات ہم نے آپ کے سامنے رکھ دی ہے،اس میں سے تین جروح پر تبصرہ ہو چکا ہے، باقی دو جروح کا حال بھی ابھی آپ کے سامنے ہو گا۔ان میں سے سوائے ابن حبان کے کسی کی بات سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان کے نزدیک زاذان کمزور ہو۔رہی ابن حبان کی بات ،تو وہ ان کے اپنے قول وفعل سے متصادم ہے۔کیا اس تناظر میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اہل علم زاذان کو کمزور قرار دیتے ہیں؟فیصلہ آپ کے ہاتھ میں ہے۔

④ سلمہ بن کُہَیل اور زاذان

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے: ’’سلمہ بن کہیل نے کہا کہ ابوالبختری کو میں اس سے اچھا سمجھتا ہوں۔‘‘ (’’ایمانِ خالص‘‘،دوسری قسط،ص:18)

کسی محدث کی طرف سے ایک راوی کا دوسرے راوی سے تقابل، توثیق نسبی یا تضعیف نسبی کہلاتا ہے۔اس تقابل کو توثیق یا تضعیف کی تناظر میں سمجھنے سے پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ جس سے کسی کا تقابل کیا جا رہا ہے،اس کا مقام محدثین کے نزدیک کیا ہے؟ اسی بات کو لیجیے کہ سلمہ بن کہیل نے زاذان کا تقابل ابوالبختری سے کرتے ہوئے ابوالبختری

کو زاذان سے بہتر خیال کیا ہے۔اب دیکھتے ہیں کہ ابوالبختری کا کیا مقام ہے۔اصولی بات ہے کہ اگر ابوالبختری ثقہ ہے تو زاذان اس سے کچھ کم ثقہ ہوگا، کیونکہ ابوالبختری زاذان سے اچھا ہے اور اگر ابوالبختری ''کمزور'' ہے تو زاذان اس سے زیادہ ''کمزور'' ہوگا، کیونکہ ابوالبختری بہرحال اس سے اچھا ہے۔

ابوالبختری سعید بن فیروز صحیح بخاری ومسلم کا راوی ہے۔اسے امام بخاری ومسلم کے علاوہ امام یحیٰی بن معین، امام ابوحاتم، امام ابوزرعہ، امام ابن حبان، امام عجلی، وغیرہ نے ثقہ قرار دیا ہے۔اب اگر ابوالبختری کو زاذان سے بہتر قرار دیا جائے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ زاذان کا مقام ومرتبہ ابوالبختری سے کچھ کم ہے۔اس تقابل سے یہ کشید کرنا کہ سلمہ بن کہیل کے نزدیک زاذان ''ضعیف'' راوی ہے، نری جہالت اور بے وقوفی ہے۔دو ثقہ راویوں کے تقابل سے کیا ایک ''ضعیف'' یا کمزور ہو جاتا ہے؟

قارئین کرام یہاں یہ بات بھی یاد رکھیں کہ سلمہ بن کہیل، جن کی بات نقل کر کے ڈاکٹر عثمانی صاحب زاذان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، وہ شیعہ تھے۔(الثقات للعجلي، ص : 198)

ڈاکٹر عثمانی نے زاذان کو شیعہ ہونے کا الزام دے کر عودِ روح والی حدیث کو ردّ کیا ہے۔ ہمارا سوال ہے کہ اگر شیعہ راوی کی بیان کردہ حدیث ''ضعیف'' ہے تو اس کی کسی راوی پر جرح کیسے قبول ہے؟ یہ علمی حیثیت عودِ روح والی حدیث پر اعتراض کرنے والوں کی!

معلوم ہوا کہ سلمہ بن کہیل کے اس قول سے زاذان کی ثقاہت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

⑤ زاذان پر شیعیت کا الزام

ڈاکٹر عثمانی نے لکھا ہے: ''زاذان میں شیعیت ہے۔'' (''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 18)

ڈاکٹر عثمانی کی جہالت اور ان کا تعصب دیکھیں کہ انہوں نے غور وخوض کی زحمت نہیں کی اور زاذان کو فقہ جعفریہ کا پرچارک قرار دے دیا۔دنیا میں سب سے پہلے ابن حجر رحمہ اللہ نے زاذان میں شیعیت کا دعویٰ کیا۔ان سے پہلے کسی معتبر محدث نے یہ بات نہیں کہی۔ابن

حجر رحمہ اللہ کی بات اگر درست ہے تو ان کی مُراد وہ اصطلاحی شیعہ نہیں تھا، جو دین محمدی کو چھوڑ کر فقہ جعفریہ کا پیروکار ہو۔

البتہ ابو بشر دولابی (224-310ھ) نے لکھا ہے: وَكَانَ مِنْ شِيعَةِ عَلِيٍّ .

''وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل تھا۔'' (الكنٰى والأسماء : 773/2، طبعة دار ابن حزم)

شاید اس سے کوئی جاہل یہ سمجھ بیٹھے کہ زاذان شیعہ تھا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں شامل ہونا گمراہ اور دشمن صحابہ شیعہ ہونے کا ثبوت نہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے گروہ میں بہت سے صحابہ کرام بھی شامل تھے۔ کیا ان کو بھی شیعہ کہا جائے گا؟

دراصل متقدمین محدثین اور متاخرین کی اصطلاحِ شیعہ میں بھی فرق ہے۔ اس فرق کو بیان کرتے ہوئے خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ہی لکھتے ہیں:

اَلتَّشَيُّعُ فِي عُرْفِ الْمُتَقَدِّمِينَ، هُوَ اعْتِقَادُ تَفْضِيلِ عَلِيٍّ عَلٰى عُثْمَانَ، وَأَنَّ عَلِيًّا كَانَ مُصِيبًا فِي حُرُوبِهٖ، وَأَنَّ مُخَالِفَهٗ مُخْطِئٌ، مَعَ تَقْدِيمِ الشَّيْخَيْنِ وَتَفْضِيلِهِمَا، وَرُبَّمَا اعْتَقَدَ بَعْضُهُمْ أَنَّ عَلِيًّا أَفْضَلَ الْخَلْقِ بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَإِذَا كَانَ مُعْتَقِدُ ذٰلِكَ وَرِعًا، دَيِّنًا، صَادِقًا، مُجْتَهِدًا، فَلَا تُرَدُّ رِوَايَتُهٗ بِهٰذَا .

''متقدمین کی اصطلاح میں شیعیت سے مراد سیدنا ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ پر فضیلت دینا اور یہ عقیدہ رکھنا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ لڑائیوں میں حق پر تھے اور آپ کے مخالفین غلطی پر تھے۔ ان (متقدمین کی اصطلاح میں شیعہ لوگوں) میں سے کوئی (تمام صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا احترام کرنے کے ساتھ ساتھ) بسا اوقات یہ عقیدہ بھی رکھ لیتا ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ، رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل ہیں۔ جب اس اعتقاد والا آدمی پرہیز گار، دین دار، سچا اور مجتہد ہو تو اس کی روایت کو ردّ نہیں

کیا جائے گا۔‘‘(تهذيب التهذيب :81/1، طبعة دائرة المعارف النظاميّة، الهند)

یعنی اگر زاذان شیعہ ہیں بھی تو اس سے مراد فقہ جعفریہ کے ماننے والے شیعہ نہیں۔

ڈاکٹر عثمانی اور ان کے حواریوں نے زاذان کی کنیت پر بھی غور نہیں کیا۔زاذان کی کنیت ''ابوعمر'' تھی۔کیا دشمنانِ صحابہ شیعہ اپنی کنیت ابوعمر رکھ سکتے ہیں؟

دوسری بات یہ کہ وہ کیسا شیعہ ہے جو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا شاگرد بن کر ان سے روایات بیان کرے اور انہیں [رضی اللہ عنہا] کی دُعا دے۔امام بخاری رحمہ اللہ نے باسند صحیح زاذان سے ایک روایت بیان کی ہے، اس کی سند ملاحظہ فرمائیں:

---عَنْ زَاذَانَ، عَنْ عَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا ---.

''زاذان بیان کرتے ہیں کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے۔''

(الأدب المفرد، ص: 217، ح: 619، طبعة دار البشائر الإسلامية، بيروت)

تیسری بات یہ کہ وہ کیسا شیعہ ہے جو سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے امیرالمومنین ہونے کا اقراری ہو اور انہیں [رضی اللہ عنہ] کہتا ہو؟ زاذان کی بیان کردہ ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں:

---عَنْ زَاذَانَ، قَالَ: كُنَّا عِنْدَ عَلِيٍّ، فَتَذَاكَرْنَا الْخِيَارَ، فَقَالَ: أَمَّا أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ عُمَرُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَدْ سَأَلَنِي عَنْهُ ---.

''زاذان کہتے ہیں کہ ہم سیدنا علی کے پاس تھے۔ہم نے (طلاق میں) خیار کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: امیرالمومنین عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں میری رائے پوچھی تھی---۔''

(شرح معاني الآثار للطحاوي الحنفي: 309/3، طبعة عالم الكتب، وسندهٗ حسنٌ)

دیکھیں کہ زاذان نے سیدنا علی کے بارے میں [امیرالمومنین] یا [رضی اللہ عنہ] کا لفظ نہیں بولا، جبکہ سیدنا عمر کو [امیرالمومنین] بھی کہا ہے اور [رضی اللہ عنہ] بھی۔کیا شیعہ ایسے ہوتے ہیں؟

زاذان اور فقہ جعفریہ کی روایت۔ایک لطیفہ:

یہاں پر ڈاکٹر عثمانی کی ذہنی حالت کے بارے میں ایک لطیفہ سنتے چلیے۔انہوں نے

لکھا ہے: ''دراصل قبر میں مردے کے جسم میں روح کے لوٹائے جانے کی روایت شریعتِ جعفریہ کی روایت ہے جو اس روایت کے راوی زاذان (شیعہ) نے وہاں سے لے کر براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے منسوب کر دی ہے۔'' (''ایمانِ خالص''، دوسری قسط، ص: 18)

اب ڈاکٹر عثمانی کے حواری ذرا دل تھام لیں کہ ان کی عقیدت کا بُت ٹوٹ کر گرنے والا ہے، ان شاء اللہ! ۔ان سے گزارش ہے کہ اللہ کے لیے اس حقیقت کو ملاحظہ فرما کر ڈاکٹر عثمانی کے دجل وفریب سے چھٹکارا حاصل کر لیں۔ یہ حقیقت دیکھ کر بھی اگر انہوں نے اپنا قبلہ درست نہ کیا تو اللہ کے سامنے ان کا کوئی عذر کام نہ دے گا۔

فقہ جعفریہ امام ابوعبداللہ، جعفر بن محمد بن علی بن حسین بن علی بن ابو طالب، صادق سے منسوب ہے۔ وہ ائمہ رجال کے مطابق 80 ہجری میں پیدا ہوئے، جبکہ فقہ جعفریہ کے مدوّن کُلَیْنِی (جس کی کتاب کا حوالہ ڈاکٹر عثمانی نے دیا ہے) کے مطابق 83 ہجری کو ان کی ولادت ہوئی اور 148 میں فوت ہو گئے۔ جبکہ زاذان کی وفات 82 ہجری میں ہوئی۔ یعنی جب زاذان فوت ہوئے تو امام جعفر صادق یا تو پیدا ہی نہیں ہوئے تھے یا ان کی عمر صرف 2 سال تھی اور جب تک جعفر صادق رحمہ اللہ جوان ہوئے اور فقہی خدمات انجام دینے کے قابل ہوئے، اس وقت تک زاذان کو فوت ہوئے بیسیوں سال گزر چکے تھے۔

اب ڈاکٹر عثمانی کا کوئی معتقد ہی بتائے کہ فقہ جعفریہ کی داغ بیل پڑنے سے بیسیوں سال پہلے فوت ہو جانے والا زاذان بیچارہ کئی عشرے بعد میں پیدا ہونے والوں کی فرمودہ باتیں کس طرح بیان کر سکتا تھا؟

پھر فقہ جعفریہ امام جعفر صادق کے فوت ہونے کے کئی صدیوں بعد ترتیب دی گئی۔ کُلَیْنِی جس کی کتاب سے ایک شیعہ روایت ڈاکٹر عثمانی نے پیش کی ہے، وہ امام جعفر صادق کی وفات سے بھی کوئی ایک صدی بعد پیدا ہوا۔ اس نے امام جعفر صادق سے یہ روایت بیان کی۔ کوئی پاگل اور بے وقوف شخص ہی یہ کہہ سکتا ہے کہ زاذان نے اپنی وفات کے کئی سو سال

بعد معرضِ وجود میں آنے والی شیعی روایات اپنی زندگی میں بیان کر دی تھیں۔

یہ ہے عقلی حالت ڈاکٹر عثمانی کی! اب تو اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہا کہ اہل سنت والجماعت کے متفقہ عقیدے کو چھوڑ کر ایسے بددماغ شخص کی بات ماننا بدبختی کی انتہا ہے۔ جو شخص اہل سنت کے ائمہ کی گستاخی کرتے ہوئے انہیں مشرک و کافر قرار دینا شروع کر دے، اللہ تعالیٰ اس کی دماغی حالت ایسی ہی بنا دیتا ہے۔

الحاصل

زاذان محدثین کرام کے نزدیک ثقہ راوی ہے اور اس کی روایت محدثین کے اصولوں اور ان کی تصریحات کی روشنی میں بالکل صحیح ہے۔ اس پر تمام اعتراضات باطل ہیں۔

ڈاکٹر عثمانی کا خود شیعہ اور بدمذہب راویوں کی روایات پر اعتماد

ہم ڈاکٹر عثمانی کی "دیانت و امانت" کی کچھ جھلک قارئین کی خدمت میں پیش کر چکے ہیں۔ وہ زاذان کو شیعہ کہہ کر اس کی بیان کردہ حدیث ردّ کرنے کے حوالے سے ایک اور "دیانت" ملاحظہ فرمالیں۔ ڈاکٹر عثمانی کے رسالے "تعویذات اور شرک (ص: 3)" میں پیش کی گئی سب سے پہلی حدیث کی سند پر نظر فرمائیں، جس میں تعویذات کی ممانعت وارد ہے۔ یہ سنن ابوداؤد کی حدیث ہے۔ اس کی سند یہ ہے:

حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْعَلَاءِ، حَدَّثَنَا أَبُو مُعَاوِيَةَ، حَدَّثَنَا الْأَعْمَشُ، عَنْ عَمْرِو بْنِ مُرَّةَ، عَنْ يَحْيَى بْنِ الْجَزَّارِ، عَنِ ابْنِ أَخِي زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ زَيْنَبَ امْرَأَةِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ـــــ.

اس سند کے دو راوی شیعہ اور دو راوی مرجی (ایک گمراہ فرقے سے تعلق رکھنے والے) ہیں۔

① اس سند میں یحییٰ بن جزار نامی راوی تو نظر آ رہا ہوگا۔ یہ شیعہ تھا، ایک نہیں، کئی ایک محدثین نے اسے شیعہ، بلکہ غالی شیعہ قرار دیا، لیکن ڈاکٹر عثمانی کی خائن قلم نے اس

کا بالکل تذکرہ نہ کیا۔آیئے ہم بتاتے ہیں کہ اہل علم کی اس بارے میں کیا رائے تھی۔

امام شعبہ رحمہ اللہ کے استاذ امام حکم بن عُتَیبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

كَانَ يَحْيَى بْنُ الْجَزَّارِ يَغْلُو فِي التَّشَيُّعِ .

''یحییٰ بن جزار کٹّر قسم کا شیعہ تھا۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 396/4، طبعة دار الكتب العلميّة، وسندهٗ صحيحٌ)

معروف مؤرّخ، امام ابوالحسن، احمد بن عبداللہ بن صالح، عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَكَانَ يَتَشَيَّعُ . ''یہ شیعہ تھا۔''(الثقات للعجلي : 1796، طبعة دار الباز)

اس کے بارے میں اسی ابواسحاق جوزجانی کا قول بھی ملاحظہ فرمالیں، ڈاکٹر عثمانی کے مطابق جس نے منہال بن عمرو کو''بدمذہب'' قرار دیا تھا۔ڈاکٹر عثمانی کے معتقدین ذرا دل تھام کے دیکھیں کہ یحییٰ بن جزار کے بارے میں اسی جوزجانی کی کیا رائے ہے۔وہ لکھتے ہیں:

وَكَانَ يَحْيَى بْنُ الْجَزَّارِ غَالِيًا مُّفْرِطًا .

''یحییٰ بن جزار غالی قسم کا شیعہ تھا اور گمراہی میں حد سے بڑھا ہوا تھا۔''

(أحوال الرجال : 1796، طبعة حديث اكادمي)

② اسی سند کے دوسرے راوی سلیمان بن مہران اعمش کو بھی شیعہ کہا گیا ہے، ملاحظہ فرمائیں:

جوزجانی جو منہال بن عمرو کو بدمذہب قرار دیتے تھے،اس کے بارے میں بھی مَذْمُومُ الْمَذْهَبِ ''بدمذہب'' کے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔(أحوال الرجال : 105)

امام عجلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَكَانَ فِيهِ تَشَيُّعٌ .

''اس میں شیعہ پن موجود تھا۔''(الثقات للعجلي : 619، طبعة دار الباز)

واہ! بہت خوب۔عودِ روح والی حدیث کے ایک راوی کو جوزجانی نے بدمذہب کہا تو ڈاکٹر عثمانی نے اسے خوب اچھالا،لیکن ان کی اپنی بیان کردہ حدیث کے دو راویوں کو اسی جوزجانی

نے بدمذہب کہا، پھر بھی انہوں نے اسے اپنی پہلی اور بنیادی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا۔ اسے کہتے ہیں بندر بانٹ اور اسے ہی کہتے ہیں ''میٹھا میٹھا ہپ ہپ اور کڑوا کڑوا تھوتھو۔''

③ اسی سند کا عمرو بن مرہ نامی راوی مرجی تھا۔ بتائیں مرجی کون ہوتا ہے؟

بقیہ بن ولید اور امام شعبہ (الجرح والتعدیل لابن ابی حاتم: 148/1، وسندہٗ حسن) امام احمد (العلل: 1814)، امام یعقوب بن سفیان فسوی (المعرفۃ والتاریخ: 85/3) اور امام ابن حبان (الثقات: 183/5) وغیرہم رحمہم اللہ نے عمرو بن مُرہ کو مُرجی قرار دیا ہے۔

④ اسی سند کا راوی ابو معاویہ محمد بن خازم ضریر بھی مرجی تھا۔ امام یعقوب بن شیبہ (تاریخ بغداد: 134/3، وسندہٗ حسن)، امام ابن سعد (الطبقات الکبریٰ: 364/6)، امام عجلی (الثقات: 1450) اور امام ابن حبان (الثقات: 442/7) وغیرہم رحمہم اللہ نے اس کے مُرجی ہونے کی صراحت کی ہے۔

ائمہ دین اور محدثین کے ہاں اس حدیث کے دو راویوں کے شیعہ، غالی شیعہ اور دو کے مرجی اور سخت گمراہ ہونے کے باوجود ڈاکٹر عثمانی نے اس حدیث کو اپنی سب سے مرکزی دلیل کے طور پر نقل کیا ہے۔ تصور کریں کہ یہی حدیث اگر ڈاکٹر عثمانی کے مزاج کے خلاف ہوتی اور ان کا کوئی مخالف اسے پیش کر دیتا تو ڈاکٹر عثمانی کا رویہ کیا ہوتا؟ کیا انصاف اسی کا نام ہے؟

اللہ کے لیے اب ہی ڈاکٹر عثمانی کی بات ماننے والے لوگ ہوش کے ناخن لیں۔

اس سے بخوبی معلوم ہو جاتا ہے کہ فن حدیث اور رجال کے بارے میں ڈاکٹر عثمانی کو کس قدر مہارت تھی! حقیقت وہی ہے جو ہم نے ابن حجر رحمہ اللہ کے بقول بیان کر دی ہے کہ راوی اگر سچا ہو تو اس کا شیعہ ہونا اس کی روایت کو نقصان نہیں دیتا۔ لہٰذا زاذان کا شیعہ ہونا اگر ثابت بھی ہو جائے تو اس سے اس کی حدیث میں کوئی خرابی نہیں آتی۔

عودِ روح کے بارے میں ایک اور حدیث

ڈاکٹر عثمانی کے عودِ روح والی حدیث پر اعتراضات کے دندان شکن جوابات تو قارئین

نے ملاحظہ فرما لیے ہیں۔اس کے ساتھ یہاں یہ بات بھی لازم الذکر ہے کہ عودِ روح کا بیان صرف اسی حدیث میں نہیں ہوا جس پر ڈاکٹر عثمانی نے اعتراضات کیے ہیں، بلکہ ایک اور حدیث میں بھی اس بات کا تذکرہ ہے۔آیئے وہ بھی ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث :

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ایک طویل حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں نیک اور بد شخص کی موت اور قبر کے حالات کا تذکرہ کرتے ہوئے ذکر فرماتے ہیں:

«فَتُرْسَلُ مِنَ السَّمَاءِ، ثُمَّ تَصِيرُ إِلَى الْقَبْرِ، فَيُجْلَسُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ».

''پھر روح کو آسمان سے بھیج دیا جاتا ہے اور وہ قبر کی طرف آ جاتی ہے۔پھر نیک شخص کو بٹھا لیا جاتا ہے۔۔۔''

(مسند أحمد : 378/14، طبعة مؤسّسة الرسالة، سنن ابن ماجه : 4262، جامع البيان للطبري : 425/12، طبعة مؤسّسة الرسالة، الإيمان لابن مندة : 968/2، طبعة مؤسّسة الرسالة، إثبات عذاب القبر : 45/1، ح : 35، طبعة مؤسّسة الرسالة، وسندهٗ صحيحٌ)

اس کی سند کے سارے راوی بخاری ومسلم کے راوی ہیں۔

امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ مُّتَّفَقٌ عَلٰى عَدَالَةِ نَاقِلِيهِ .

''اس حدیث کے راوی بالاتفاق ثقہ ہیں۔''(شرح حديث النزول لابن تيميّة، ص : 87)

اس حدیث کے کسی راوی پر شیعہ ہونے کا جھوٹا الزام بھی نہیں ہے۔اب ڈاکٹر عثمانی کے پیروکار اسے کیسے شیعہ روایت قرار دیں گے؟

یوں ابن حزم رحمہ اللہ کا یہ کہنا بھی صحیح نہ رہا کہ منہال بن عمرو کے علاوہ کوئی بھی عذابِ قبر کی حدیث میں روح کے لوٹنے کا ذکر نہیں کرتا۔(المحلّٰی : 42/1)

اگر ابن حزم رحمہ اللہ کے علم میں یہ حدیث آ جاتی تو وہ ضرور اس کی طرف رجوع فرما لیتے۔

وہ تو عدمِ علم کی بنا پر اللہ کے ہاں معذور و ماجور ہوں گے، لیکن جو لوگ صحیح احادیث کا علم ہو جانے کے بعد بھی انہیں جھٹلاتے ہیں، انہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جانا چاہیے۔

الحاصل

عودِ روح والی حدیث کے دو راویوں، منہال بن عمرو اور زاذان پر ڈاکٹر عثمانی نے اعتراضات کیے تھے۔الحمدللہ! امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کو مُردہ پرست ہونے کا الزام دینے والوں کے یہ اعتراضات ان کی اپنے علمی چہرے پر طمانچہ ثابت ہوئے ہیں۔ان اعتراضات سے ڈاکٹر عثمانی اور ان کے ہمنواؤں کی اپنی علمی کرتُوت اور بیمار ذہنی حالت لوگوں کے سامنے آ گئی ہے۔محدثین اور اہل علم کا فیصلہ ہی درست ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مسلمانوں کو اسی کے مطابق اپنا عقیدہ بنانا چاہیے۔

ایک عقلی اعتراض

عودِ روح والی حدیث پر ایک عقلی اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مرنے والا تو قیامت کے دن سے پہلے زندہ نہیں ہوگا۔جسم سے رُوح نکلے تو وہ مردہ ہوگا اور اگر رُوح ڈال دی جائے تو وہ زندہ ہو جائے گا؟ پھر قبروں والے مردہ تو نہ رہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں رُوح کا جسم کے ساتھ اتصال کامل نہیں ہوتا، بلکہ جزوی قسم کا ہوتا ہے جس سے مردہ دنیاوی زندگی کی طرح زندہ نہیں ہوتا۔وہ مردہ ہی رہتا ہے۔ یوں کسی آیتِ قرآنی یا حدیثِ نبوی کی تکذیب لازم نہیں آتی۔جیسا کہ سوئے ہوئے زندہ انسان کی رُوح نکال لی جاتی ہے، لیکن وہ زندہ ہی رہتا ہے۔چونکہ رُوح کا یہ خروج کامل نہیں ہوتا، لہٰذا اسے حقیقی مَوت نہیں کہا جاتا اور سویا ہوا انسان زندہ ہی کہلاتا ہے، مردہ نہیں کہلاتا۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا

فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰىٓ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ﴾ (الزمر39: 42)

''وہ اللہ ہی ہے جو موت کے وقت روحیں قبض کرتا ہے اور جو ابھی نہیں مرا، (اس کی روح) نیند میں (قبض کر لیتا ہے)، پھر جس پر وہ موت کا فیصلہ نافذ کرتا ہے، اسے روک لیتا ہے اور دوسروں کی روحیں ایک وقتِ مقرر کے لئے واپس بھیج دیتا ہے۔اس میں غور وفکر کرنے والوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔''

اسی طرح حدیثِ نبوی میں سونے سے پہلے یہ دُعا سکھائی گئی ہے:

«بِاسْمِكَ رَبِّي، وَضَعْتُ جَنْبِي، وَبِكَ أَرْفَعُهُ، إِنْ أَمْسَكْتَ نَفْسِي فَارْحَمْهَا، وَإِنْ أَرْسَلْتَهَا فَاحْفَظْهَا، بِمَا تَحْفَظُ بِهِ عِبَادَكَ الصَّالِحِينَ».

''میرے رب! میں نے تیرے ہی نام سے اپنا پہلو (بستر پر) رکھا اور تیری ہی مدد سے اس کو اٹھاؤں گا۔اگر تو میری رُوح کو روک لے (یعنی مجھے موت دے دے) تو اس پر رحم کرنا، اور اگر تو اس کو چھوڑ دے (تا کہ پھر جسم میں آئے) تو اس کی اسی طرح حفاظت کر جس طرح تُو اپنے نیک بندوں کی حفاظت کرتا ہے۔''

(صحيح البخاري، كتاب الدعوات، باب التعوّذ والقراء ة عند المنام، ح: 6320، صحيح مسلم، كتاب الذكر والدعاء، باب ما يقول عند النوم، ح: 2714)

اس طرح نیند کے بارے میں بہت سی احادیث ہیں جن کا ذکر بہت طوالت کا باعث ہو گا،ان سے ثابت ہوتا ہے کہ نیند میں انسان کی رُوح نکال لی جاتی ہے اور مجازی طور پر اسے مردہ بھی کہا گیا ہے،لیکن اس کے باوجود کبھی کسی نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ اس سے بے شمار موتیں لازم آتی ہیں، نہ کبھی کسی نے سوئے ہوئے انسان کو مردہ ہی کہا، کیونکہ رُوح کا یہ خروج کامل نہیں ہوتا، بلکہ جزوی طور پر ہوتا ہے۔

بالکل یہی معاملہ قبر میں رُوح کے لوٹائے جانے کا ہے کہ اس رُوح کا اصل ٹھکانہ تو جنت یا

جہنم ہوتا ہے، لیکن اس کا جسم کے ساتھ ایک جزوی تعلق بنا دیا جاتا ہے تاکہ رُوح کو ملنے والے ثواب وعذاب کو وہ جسم بھی محسوس کرتا رہے، جو اس کے ساتھ نیکی و بدی میں شریک تھا۔اس اعادۂ روح سے تیسری زندگی لازم نہیں آتی۔ائمہ دین نے یہ بات بڑی وضاحت وصراحت کے ساتھ بیان کی ہے اور ان لوگوں کے اعتراضات کا جواب دیا ہے جو اس حدیث کو دو زندگیوں اور دو موتوں کے قانون کے منافی سمجھتے ہیں۔(دیکھیں شرح حديث النزول لابن تيمية، ص : 89، طبعة دار الكتب العلميّة، بيروت، حاشية ابن القيم على سنن أبي داوٗد : 65/13، طبعة دار الكتب العلميّة، الصارم المنكي في الردّ على السبكي لابن عبد الهادي، ص : 223، طبعة مؤسّسة الريّان، بيروت، شرح العقيدة الطحاوية لابن أبي العزّ الحنفي، ص : 399، طبعة دار السلام، الرياض، مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : 271/3، طبعة إدارة البحوث العلميّة، الهند)

الحاصل

قبر میں رُوح کے لوٹائے جانے کے بارے میں وارد حدیث اصولِ حدیث کی رُو سے بالکل صحیح ہے۔ہر دور میں ائمہ دین اسے قبول کرتے رہے ہیں۔ڈاکٹر عثمانی کی طرف سے اس کے راویوں پر کیے گئے اعتراضات فضول ہیں، کیونکہ ایک تو وہ راوی صحیح بخاری ومسلم کے ہیں اور جمہور محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں، دوسرے یہ راوی عودِ روح کو بیان کرنے میں منفرد نہیں۔

ڈاکٹر عثمانی نے جو اعتراضات اس صحیح حدیث کے ثقہ راویوں پر کیے ہیں، وہی اعتراضات بطورکمال ان احادیث میں موجود ہیں، جنہیں وہ صحیح سمجھتے ہیں۔یہ تحریر ڈاکٹر عثمانی کی کوتاہ بینی اورکم علمی کی بین دلیل ہے۔

اللہ تعالیٰ ہرطرح کی گمراہی سے بچتے ہوئے حق کو سمجھنے اور اس پرعمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

مشاجراتِ صحابہ،یعنی صحابہ کرام کے باہمی اختلافات،زبانی چپقلشوں،جھگڑوں اور لڑائیوں کے بارے میں موجودہ دور کے اصلی اہل سنت (اہل حدیث) کا وہی موقف ہے،جو خیرالقرون اور بعد کے اہل سنت کا تھا۔سلف صالحین کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ تھا کہ مشاجراتِ صحابہ میں زبان بند رکھی جائے اور سب کے حق میں دُعائے مغفرت کی جائے،جیسا کہ:

شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی رحمہ اللہ (1115-1206ھ) فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلَى السُّكُوتِ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلَا يُقَالُ فِيهِمْ إِلَّا الْحُسْنٰى، فَمَنْ تَكَلَّمَ فِي مُعَاوِيَةَ أَوْ غَيْرِهٖ مِنَ الصَّحَابَةِ، فَقَدْ خَرَجَ عَنِ الْإِجْمَاعِ .

”اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے گی۔ان کے بارے میں صرف اچھی بات کہی جائے گی۔لہٰذا جس شخص نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کے بارے میں زبان کھولی، وہ اجماعِ اہل سنت کا مخالف ہے۔“ (مختصر سيرة الرسول ﷺ، ص : 317، طبعة وزارة الشئون الإسلامية، السعوديّة)

اس سے پہلے شیخ الاسلام،تقی الدین،ابوالعباس،احمد بن عبد الحلیم،ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرما گئے ہیں:

كَانَ مِنْ مَّذَاهِبِ أَهْلِ السُّنَّةِ الْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ، فَإِنَّهٗ قَدْ ثَبَتَتْ فَضَائِلُهُمْ، وَوَجَبَتْ مُوَالَاتُهُمْ وَمَحَبَّتُهُمْ، وَمَا وَقَعَ مِنْهُ مَا يَكُونُ لَهُمْ فِيهِ عُذْرٌ يَخْفٰى عَلَى الْإِنْسَانِ، وَمِنْهُ مَا تَابَ صَاحِبُهٗ مِنْهُ، وَمِنْهُ مَا

يَكُونُ مَغْفُورًا، فَالْخَوْضُ فِيمَا شَجَرَ يُوقِعُ فِي نُفُوسِ كَثِيرٍ مِّنَ النَّاسِ بُغْضًا وَذَمًّا، وَيَكُونُ هُوَ فِي ذٰلِكَ مُخْطِئًا، بَلْ عَاصِيًا، فَيَضُرُّ نَفْسَهٗ، وَمَنْ خَاضَ مَعَهٗ فِي ذٰلِكَ، كَمَا جَرٰى لِأَكْثَرِ مَنْ تَكَلَّمَ فِي ذٰلِكَ، فَإِنَّهُمْ تَكَلَّمُوا بِكَلَامٍ لَّا يُحِبُّهُ اللّٰهُ وَلَا رَسُولُهٗ، إِمَّا مِنْ ذَمِّ مَنْ لَّا يَسْتَحِقُّ الذَّمَّ، وَإِمَّا مِنْ مَدْحِ أُمُورٍ لَا تَسْتَحِقُّ الْمَدْحَ، وَلِهٰذَا كَانَ الْإِمْسَاكُ طَرِيقَةُ أَفَاضِلِ السَّلَفِ .

''اہل سنت کے عقائد میں یہ بات شامل ہے کہ صحابہ کرام میں جو بھی اختلافات ہوئے،ان کے بارے میں اپنی زبان بند کی جائے، کیونکہ (قرآن وسنت میں) صحابہ کرام کے فضائل ثابت ہیں اور ان سے محبت ومودّت فرض ہے۔صحابہ کرام کے مابین اختلافات میں سے بعض ایسے تھے کہ ان میں صحابہ کرام کا کوئی ایسا عذر تھا، جو عام انسان کو معلوم نہیں ہو سکا،بعض ایسے تھے جن سے انہوں نے توبہ کر لی تھی اور بعض ایسے تھے جن سے اللہ تعالیٰ نے خود ہی معافی دے دی۔مشاجراتِ صحابہ میں غور کرنے سے اکثر لوگوں کے دلوں میں صحابہ کرام کے بارے میں بغض و عداوت پیدا ہو جاتی ہے،جس سے وہ خطا کار، بلکہ گنہ گار ہو جاتے ہیں۔یوں وہ اپنے آپ کو اور اپنے ساتھیوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔جن لوگوں نے اس بارے میں اپنی زبان کھولی ہے،اکثر کا یہی حال ہوا ہے۔انہوں نے ایسی باتیں کی ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کو پسند نہیں تھیں۔انہوں نے ایسے لوگوں کی مذمت کی، جو مذمت کے مستحق نہیں تھے یا ایسے امور کی تعریف کی، جو قابل تعریف نہ تھے۔اسی لیے مشاجراتِ صحابہ میں زبان بند رکھنا ہی سلف صالحین کا طریقہ تھا۔''

(منهاج السنّة النبويّة في نقض كلام الشيعة القدريّة : 448/1، 449، طبعة جامعة الإمام محمّد بن سعود الإسلاميّة)

یہ تھا مشاجراتِ صحابہ میں اہل سنت ،یعنی اہل حدیث کا عقیدہ۔اس عقیدے کے برعکس بعض لوگ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کو ہوا دیتے ہیں اور ان کی بنا پر بعض صحابہ کرام پر

تنقید کرتے ہیں۔حالانکہ صحابہ کرام پر تنقید اوران کی تنقیص بدعت وضلالت ہے۔اس بارے میں سنی امام،علامہ،ابوالمظفر ،منصور بن محمد،سمعانی رحمہ اللہ (426-489ھ) فرماتے ہیں:

اَلتَّعَرُّضُ إِلٰی جَانِبِ الصَّحَابَةِ عَلَامَةٌ عَلٰی خِذْلَانِ فَاعِلِهٖ، بَلْ هُوَ بِدْعَةٌ وَّضَلَالَةٌ.

''صحابہ پر طعن کرنا کسی کے رسوا ہونے کی علامت ہے، بلکہ یہ بدعت اور گمراہی ہے۔''

(فتح الباري لابن حجر : 365/4)

مشاجراتِ صحابہ کے بارے میں زبان بند رکھنے کا عقیدہ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے دلائل شرعیہ سے ثابت ہے۔آیئے اس بارے میں دلائل ملاحظہ فرمائیں:

قرآنِ کریم اور مشاجراتِ صحابہ

اس بات میں کسی سنی مسلمان کو کوئی شبہ نہیں ہوسکتا کہ صحابہ کرام کے آپس کے اختلاف اجتہادی تھے،کسی بدنیتی پر مبنی ہرگز نہیں تھے۔اجتہاد میں اگر کوئی انسان غلطی بھی کرلے تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک اجر عنایت ہوتا ہے۔جبکہ قرآنِ کریم کے مطابق صحابہ کرام سے جو غیر اجتہادی غلطیاں ہوئیں،ان کو بھی معاف فرما دیا گیا ہے۔غزوۂ احد میں جن صحابہ کرام نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی،ان کے بارے میں فرمانِ الٰہی ہے:

﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ (آل عمران 3 : 155)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے انہیں معاف فرما دیا ہے۔''

نیز صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا:﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ﴾(آل عمران 3 : 152)

''یقیناً اللہ تعالیٰ نے تمہیں معاف فرما دیا ہے۔''

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی غیر اجتہادی غلطیاں اوران کے صریح گناہ بھی معاف فرما دیئے ہیں۔لہٰذا مشاجراتِ صحابہ جو یقیناً ایک فریق کی اجتہادی غلطی پر مبنی تھے، وہ قرآن کی رُو سے بالاولیٰ معاف ہو گئے ہیں۔اب ان اختلافات کو بنیاد بنا کر کسی بھی صحابی کے بارے میں زبان کھولنا اپنی عاقبت برباد کرنے کے سوا کچھ نہیں۔

کسی عام مسلمان سے کوئی کبیرہ گناہ ہو جائے اور وہ اس سے توبہ کر لے، تو اس کا ذکر کر کے اس کی تنقیص کرنا یا اس کو بنیاد بنا کر دل میں اس کے لیے تنگی رکھنا بھی گناہ ہے تو وہ اجتہادی غلطی جس پر اللہ تعالیٰ نے ایک اجر عطا فرمایا ہوا ہو، اس کی بنا پر کسی صحابیٔ رسول کے خلاف زبان کھولنا کتنی بڑی بدبختی ہوگی!

حدیثِ رسول اور مشاجراتِ صحابہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، لَا تَسُبُّوا أَصْحَابِي، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ، لَوْ أَنَّ أَحَدَكُمْ أَنْفَقَ مِثْلَ أُحُدٍ ذَهَبًا، مَا أَدْرَكَ مُدَّ أَحَدِهِمْ، وَلَا نَصِيفَهُ»

''میرے صحابہ کی تنقیص نہ کرو، میرے صحابہ کو برا بھلا نہ کہو۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا بھی خرچ کرے تو کسی صحابی کے ایک مُدّ (تقریباً دو سے اڑھائی پاؤ) یا اس کے نصف کے برابر نہیں ہو سکتا۔''

(صحیح مسلم: 2540)

عظیم تابعی و جلیل القدر محدث، امام حسن بصری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

إِنَّ عَائِذَ بْنَ عَمْرٍو، وَكَانَ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، دَخَلَ عَلٰى عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادٍ، فَقَالَ: أَيْ بُنَيَّ، إِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «إِنَّ شَرَّ الرِّعَاءِ الْحُطَمَةُ»، فَإِيَّاكَ أَنْ تَكُونَ مِنْهُمْ، فَقَالَ لَهُ: اجْلِسْ، فَإِنَّمَا أَنْتَ مِنْ نُخَالَةِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: وَهَلْ كَانَتْ لَهُمْ نُخَالَةٌ؟ إِنَّمَا كَانَتِ النُّخَالَةُ بَعْدَهُمْ، وَفِي غَيْرِهِمْ.

''صحابیٔ رسول سیدنا عائذ بن عمرو، عبیداللہ بن زیاد کے پاس آئے اور فرمانے لگے: بیٹے! میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ بدترین حکمران وہ ہوتے ہیں،

جو اپنی رعایا پر ظلم کرتے ہیں۔لہٰذا (میری نصیحت ہے کہ) تیرا شمار ایسے لوگوں میں نہ ہو۔ عبیداللہ بن زیاد کہنے لگا: بیٹھ جا، تُو محمد ﷺ کا گھٹیا درجے کا صحابی ہے۔سیدنا عائذ رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: کیا صحابہ کرام میں سے بھی کوئی گھٹیا تھا؟ گھٹیا لوگ تو وہ ہیں جو صحابی نہ بن سکے اور وہ جو صحابہ کرام کے بعد میں آئے۔‘‘(صحیح مسلم: 1830)

ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کے تمام صحابہ ارفع و اعلیٰ درجات پر فائز ہیں۔ اس بات سے انکار نہیں کہ بعض صحابہ کو بعض پر فضیلت حاصل ہے، لیکن اس کے باوجود تمام صحابہ کرام قابل عزت و احترام ہیں اور بعد میں آنے والا کوئی شخص نیکی و تقویٰ اور علم کا بڑے سے بڑا کارنامہ سرانجام دے کر بھی کسی صحابی کی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ لہٰذا کسی بعد والے کو یہ حق نہیں کہ وہ صحابہ کرام کی بشری لغزشوں، جن کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا ہے، یا ان کی اجتہادی غلطیوں، جن پر اللہ تعالیٰ نے بھی مؤاخذہ نہیں فرمایا، کو بنیاد بنا کر ان کے بارے میں بدظنی کا شکار ہو یا زبان درازی کرے۔

اجماعِ امت اور مشاجراتِ صحابہ

ہم شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہما اللہ کی زبانی یہ بات بیان کر چکے ہیں کہ مشاجراتِ صحابہ میں زبان بند رکھنے پر امتِ مسلمہ کا اجماع ہے۔ان صاحبان کا یہ دعویٰ بے دلیل نہیں، واقعی سلف صالحین کا عقیدہ یہی تھا کہ مشاجراتِ صحابہ میں خاموشی اختیار کی جائے اور اس بارے میں زبان کھولنا گمراہی ہے، جیسا کہ:

❀ امام ابوزرعہ، عبد اللہ بن عبد الکریم، رازی (200-264ھ) اور امام ابوحاتم، محمد بن ادریس، رازی (195-277ھ) رحمہما اللہ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ بیان فرماتے ہیں:

أَدْرَكْنَا الْعُلَمَاءَ فِي جَمِيعِ الْأَمْصَارِ حِجَازًا، وَعِرَاقًا، وَمِصْرًا، وَشَامًا، وَيَمَنًا، فَكَانَ مِنْ مَّذْهَبِهِمْ --- وَالتَّرَحُّمُ عَلٰى جَمِيعِ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَالْكَفُّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ.

''ہم نے حجاز و عراق، مصر و شام اور یمن تمام علاقوں کے علمائے کرام کو دیکھا ہے، ان سب کا مذہب یہ تھا کہ۔۔۔ محمد ﷺ کے تمام صحابہ کے لیے رحمت کی دعا کرنا اور ان کے درمیان ہونے والے اختلافات سے اپنی زبان بند رکھنی چاہیے۔''

(كتاب أصل السنّة واعتقاد الدين لابن أبي حاتم)

❀ عباسی خلیفہ القائم بامر اللہ، ابو جعفر، ابن القادر، ہاشمی (391-467ھ) نے تقریباً 430 ہجری میں ''الاعتقاد القادری'' کے نام سے مسلمانوں کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ شائع کیا، جسے اس دور کے تمام اہل علم کی تائید حاصل تھی اور اس کا مخالف باتفاقِ اہل علم فاسق و فاجر قرار پایا، اس میں یہ عقیدہ بھی درج ہے:

وَلَا يَقُولُ فِي مُعَاوِيَةَ إِلَّا خَيْرًا، وَلَا يَدْخُلُ فِي شَيْءٍ شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَيَتَرَحَّمُ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ.

''مسلمان سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف اچھی بات ہی کرتا ہے، وہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات میں دخل نہیں دیتا، بلکہ تمام صحابہ کرام کے لیے رحمت کی دُعا کرتا ہے۔''

(الاعتقاد القادري، مندرج في المنتظم لابن الجوزي: 281/15، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ ثقہ و صدوق تبع تابعی، امام عوام بن حوشب رحمہ اللہ (م: 148ھ) فرماتے ہیں:

اُذْكُرُوا مَحَاسِنَ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، تَأْتَلِفُ عَلَيْهِ قُلُوبُكُمْ، وَلَا تَذْكُرُوا غَيْرَهٗ، فَتُحَرِّشُوا النَّاسَ عَلَيْهِمْ.

''تم محمد ﷺ کے صحابہ کرام کے محاسن ہی بیان کیا کرو۔ اس سے تمہارے مابین اتحاد پیدا ہو گا۔ صحابہ کرام کے بارے میں بدگمانی والی باتیں نہ کرو۔ اس سے تم لوگوں کو ان کے خلاف بھڑکانے کا سبب بنو گے۔''

(الشريعة للآجري: 1981، السنة لأبي بكر الخلّال: 828، 829، وسندهٗ حسنٌ)

❀ کٹر سنی، عظیم تبع تابعی، امام شہاب بن خراش رحمہ اللہ (المتوفّٰی بعد: 174ھ)

فرماتے ہیں: أَدْرَكْتُ مَنْ أَدْرَكْتُ مِنْ صَدْرِ هٰذِهِ الْأُمَّةِ، وَهُمْ يَقُولُونَ: اُذْكُرُوا أَصْحَابَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَأْتَلِفُ عَلَيْهِ الْقُلُوبُ، وَلَا تَذْكُرُوا الَّذِي شَجَرَ بَيْنَهُمْ، فَتُحَرِّشُوا النَّاسَ عَلَيْهِمْ.

''میں نے اس امت کے اسلاف کو یہی کہتے ہوئے سنا ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کا صرف ایسا تذکرہ کیا کرو، جس سے ان کے بارے میں محبت پیدا ہو۔ ان کے اختلافات کا تذکرہ نہ کرو کہ اس سے تم لوگوں کو ان سے متنفر کرنے کا سبب بنو گے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 53/5، تاريخ دمشق لابن عساكر: 215/23، ميزان الاعتدال للذهبي: 282/2، وسندهٗ صحيحٌ)

❁ امام ابوالحسن، اشعری رحمہ اللہ (260-324ھ) فرماتے ہیں:

وَنَتَوَلّٰى سَائِرَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَكُفُّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ. ''ہم رسول اللہ ﷺ کے تمام صحابہ سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے مابین ہونے والے اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔''

(الإبانة عن أصول الديانة، ص: 29)

❁ حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں:

فَسَبِيلُنَا الْكَفُّ وَالِاسْتِغْفَارُ لِلصَّحَابَةِ، وَلَا نُحِبُّ مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَنَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنْهُ. ''ہمارا منہج یہ ہے کہ صحابہ کرام کے (اختلافات کے) بارے میں زبان بند رکھی جائے اور ان کے لیے مغفرت کی دُعا کی جائے۔ ان کے مابین جو بھی اختلافات ہوئے، ہم ان کا تذکرہ پسند نہیں کرتے، بلکہ ایسے طرزِ عمل سے اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آتے ہیں۔''(سير أعلام النبلاء: 39/3)

مزید فرماتے ہیں: وَكَانَ النَّاسُ فِي الصَّدْرِ الْأَوَّلِ بَعْدَ وَقْعَةِ

صِفِّينَ عَلٰى أَقْسَامٍ ؛ أَهْلُ سُنَّةٍ، وَهُمْ أُولُوا الْعِلْمِ، وَهُمْ مُّحِبُّونَ لِلصَّحَابَةِ، كَافُّونَ عَنِ الْخَوْضِ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، كَسَعْدٍ، وَابْنِ عُمَرَ، وَمُحَمَّدِ بْنِ سَلَمَةَ، وَأُمَمٍ، ثُمَّ شِيعَةٌ، يَتَوَالَوْنَ، وَيَنَالُوْنَ مِمَّنْ حَارَبُوا عَلِيًّا، وَيَقُولُونَ : إِنَّهُمْ مُّسْلِمُونَ، بُغَاةٌ، ظَلَمَةٌ، ثُمَّ نَوَاصِبُ، وَهُمُ الَّذِينَ حَارَبُوا عَلِيًّا يَّوْمَ صِفِّينَ، وَيُقِرُّونَ بِإِسْلَامِ عَلٰى سَابِقَيْهِ، وَيَقُولُونَ : خَذَلَ الْخَلِيفَةَ عُثْمَانَ، فَمَا عَلِمْتُ فِي ذٰلِكَ الزَّمَانِ شِيعِيًّا كَفَّرَ مُعَاوِيَةَ وَحِزْبَهٗ، وَلَا نَاصِبِيًّا كَفَّرَ عَلِيًّا وَّحِزْبَهٗ، بَلْ دَخَلُوا فِي سَبٍّ وَّبُغْضٍ، ثُمَّ صَارَ الْيَوْمَ شِيعَةُ زَمَانِنَا يُكَفِّرُونَ الصَّحَابَةَ، وَيُبَرِّؤُونَ مِنْهُمْ جَهْلًا وَّعُدْوَانًا، وَيَتَعَدُّونَ إِلَى الصِّدِّيقِ، قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ، وَأَمَّا نَوَاصِبُ وَقْتِنَا فَقَلِيلٌ، وَمَا عَلِمْتُ فِيهِمْ مَّنْ يُّكَفِّرُ عَلِيًّا وَّلَا صَحَابِيًّا .

”واقعہ صفین کے بعد صدر اوّل کے لوگ تین اقسام میں بٹ گئے تھے؛ ایک اہل سنت جو تمام صحابہ کرام سے محبت رکھتے تھے اور ان کے باہمی اختلافات میں ٹانگ اڑانے سے باز رہتے تھے،جیسا کہ سیدنا سعد،سیدنا ابن عمر،محمد بن سلمہ اور دیگر بہت سے لوگ۔دوسرے شیعہ جو اہل بیت سے محبت کا دم بھرتے تھے اور جن لوگوں کی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی ہوئی،ان کی گستاخی کرتے ہوئے کہتے تھے کہ وہ باغی اور ظالم مسلمان ہیں۔تیسرے ناصبی لوگ جو صفین والے دن سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑے تھے اور سیدنا ابوبکر وعمر کو مسلمان سمجھتے تھے اور کہتے تھے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے خلیفۃ المسلمین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو بے یار ومددگار چھوڑ دیا۔میرے علم میں اُس دور کا کوئی شیعہ ایسا نہیں جو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ کو کافر قرار دیتا ہو،نہ اس دور کا کوئی ناصبی ایسا تھا جو سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے گروہ پر کفر کا فتویٰ لگاتا ہو، بلکہ وہ صرف مخالفین پر سب وشتم کرتے تھے اور دل میں ان کے لیے بغض رکھتے تھے۔پھر یہ دور آیا کہ ہمارے زمانے کے شیعہ اپنی جہالت اور ہٹ دھرمی کی بنا

پر صحابہ کرام کو کافر کہتے ہوئے ان سے براءت کا اعلان کرنے لگے۔وہ سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ظلم و زیادتی پر مبنی باتیں کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو تباہ و برباد کرے۔ رہے ناصبی تو وہ ہمارے دور میں بہت کم رہ گئے ہیں۔میرے علم کے مطابق ان میں سے کوئی بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ یا کسی اور صحابی کو کافر قرار نہیں دیتا۔''

(سیر أعلام النبلاء : 374/5)

نیز لکھتے ہیں: بَلْ سَبِيلُنَا أَنْ نَّسْتَغْفِرَ لِكُلٍّ وَّنُحِبُّهُمْ، وَنَكُفَّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ . ''ہمارا منہج یہ ہے کہ ہم تمام صحابہ کرام کے لیے مغفرت کی دُعا کرتے ہیں،سب سے محبت رکھتے ہیں اور ان کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان سے زبان بند رکھتے ہیں۔''(سیر أعلام النبلاء : 370/7)

❁ امام محمد بن حسین آجری رحمہ اللہ (م:360ھ)فرماتے ہیں:

يَنْبَغِي لِمَنْ تَدَبَّرَ مَا رَسَمْنَاهُ مِنْ فَضَائِلِ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفَضَائِلِ أَهْلِ بَيْتِهٖ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ أَنْ يُّحِبَّهُمْ، وَيَتَرَحَّمَ عَلَيْهِمْ، وَيَسْتَغْفِرَ لَهُمْ، وَيَتَوَسَّلَ إِلَى اللّٰهِ الْكَرِيمِ بِهِمْ، وَيَشْكُرَ اللّٰهَ الْعَظِيمَ إِذْ وَفَّقَهٗ لِهٰذَا، وَلَا يَذْكُرَ مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَلَا يَنْقُرَ عَنْهُ، وَلَا يَبْحَثَ، فَإِنْ عَارَضَنَا جَاهِلٌ مَّفْتُونٌ قَدْ خُطِئَ بِهٖ عَنْ طَرِيقِ الرَّشَادِ، فَقَالَ : لِمَ قَاتَلَ فُلَانٌ لِّفُلَانٍ، وَلِمَ قَتَلَ فُلَانٌ لِّفُلَانٍ وَفُلَانٍ؟ قِيلَ لَهٗ : مَا بِنَا وَبِكَ إِلٰى ذِكْرِ هٰذَا حَاجَةٌ تَنْفَعُنَا، وَلَا اضْطُرِرْنَا إِلٰى عِلْمِهَا، فَإِنْ قَالَ : وَلِمَ ؟ قِيلَ لَهٗ : لِأَنَّهَا فِتَنٌ شَاهَدَهَا الصَّحَابَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، فَكَانُوا فِيهَا عَلٰى حَسَبِ مَا أَرَاهُمُ الْعِلْمُ بِهَا، وَكَانُوا أَعْلَمَ بِتَأْوِيلِهَا مِنْ غَيْرِهِمْ، وَكَانُوا أَهْدٰى سَبِيلًا مِّمَّنْ جَاءَ بَعْدَهُمْ، لِأَنَّهُمْ أَهْلُ الْجَنَّةِ، عَلَيْهِمْ نَزَلَ الْقُرْآنُ، وَشَاهَدُوا

الرَّسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَجَاهَدُوا مَعَهُ، وَشَهِدَ لَهُمُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِالرِّضْوَانِ وَالْمَغْفِرَةِ وَالْأَجْرِ الْعَظِيمِ، وَشَهِدَ لَهُمُ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُمْ خَيْرُ قَرْنٍ، فَكَانُوا بِاللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ أَعْرَفَ، وَبِرَسُولِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبِالْقُرْآنِ وَبِالسُّنَّةِ، وَمِنْهُمْ يُؤْخَذُ الْعِلْمُ، وَفِي قَوْلِهِمْ نَعِيشُ، وَبِأَحْكَامِهِمْ نَحْكُمُ، وَبِأَدَبِهِمْ نَتَأَدَّبُ، وَلَهُمْ نَتَّبِعُ، وَبِهٰذَا أُمِرْنَا، فَإِنْ قَالَ: وَإِيشِ الَّذِي يَضُرُّنَا مِنْ مَّعْرِفَتِنَا لِمَا جَرٰى بَيْنَهُمْ وَالْبَحْثِ عَنْهُ؟ قِيلَ لَهُ: مَا لَا شَكَّ فِيهِ، وَذٰلِكَ أَنَّ عُقُولَ الْقَوْمِ كَانَتْ أَكْبَرَ مِنْ عُقُولِنَا، وَعُقُولُنَا أَنْقَصُ بِكَثِيرٍ، وَلَا نَأْمَنُ أَنْ نَّبْحَثَ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، فَنَزِلَّ عَنْ طَرِيقِ الْحَقِّ، وَنَتَخَلَّفَ عَمَّا أُمِرْنَا فِيهِمْ، فَإِنْ قَالَ: وَبِمَ أُمِرْنَا فِيهِمْ؟ قِيلَ: أُمِرْنَا بِالِاسْتِغْفَارِ لَهُمْ، وَالتَّرَحُّمِ عَلَيْهِمْ، وَالْمَحَبَّةِ لَهُمْ، وَالِاتِّبَاعِ لَهُمْ، دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الْكِتَابُ وَالسُّنَّةُ وَقَوْلُ أَئِمَّةِ الْمُسْلِمِينَ، وَمَا بِنَا حَاجَةٌ إِلٰى ذِكْرِ مَا جَرٰى بَيْنَهُمْ، قَدْ صَحِبُوا الرَّسُولَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَصَاهَرَهُمْ، وَصَاهَرُوهُ، فَبِالصُّحْبَةِ يَغْفِرُ اللّٰهُ الْكَرِيمُ لَهُمْ، وَقَدْ ضَمِنَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فِي كِتَابِهٖ أَنْ لَّا يُخْزِيَ مِنْهُمْ وَاحِدًا، وَقَدْ ذَكَرَ لَنَا اللّٰهُ تَعَالٰى فِي كِتَابِهٖ أَنَّ وَصْفَهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنْجِيلِ، فَوَصَفَهُمْ بِأَجْمَلِ الْوَصْفِ، وَنَعَتَهُمْ بِأَحْسَنِ النَّعْتِ، وَأَخْبَرَنَا مَوْلَانَا الْكَرِيمُ أَنَّهُ قَدْ تَابَ عَلَيْهِمْ، وَإِذَا تَابَ عَلَيْهِمْ لَمْ يُعَذِّبْ وَاحِدًا مِّنْهُمْ أَبَدًا، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ، أُولٰئِكَ حِزْبُ اللّٰهِ، أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ، فَإِنْ قَالَ قَائِلٌ: إِنَّمَا مُرَادِي مِنْ ذٰلِكَ لَأَنْ أَكُونَ عَالِمًا بِمَا جَرٰى بَيْنَهُمْ، فَأَكُونَ لَمْ يَذْهَبْ عَلَيَّ مَا كَانُوا

فِيهِ، لِأَنِّي أُحِبُّ ذٰلِكَ وَلَا أَجْهَلُهُ، قِيلَ لَهُ : أَنْتَ طَالِبُ فِتْنَةٍ، لِأَنَّكَ تَبْحَثُ عَمَّا يَضُرُّكَ وَلَا يَنْفَعُكَ، وَلَوِ اشْتَغَلْتَ بِإِصْلَاحِ مَا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْكَ فِيمَا تَعَبَّدَكَ بِهِ مِنْ أَدَاءِ فَرَائِضِهِ، وَاجْتِنَابِ مَحَارِمِهِ، كَانَ أَوْلٰى بِكَ، وَقِيلَ : وَلَا سِيَّمَا فِي زَمَانِنَا هٰذَا، مَعَ قُبْحِ مَا قَدْ ظَهَرَ فِيهِ مِنَ الْأَهْوَاءِ الضَّالَّةِ، وَقِيلَ لَهُ : اشْتِغَالُكَ بِمَطْعَمِكَ وَمَلْبَسِكَ مِنْ أَيْنَ هُوَ؟ أَوْلٰى بِكَ، وَتَكَسُّبُكَ لِدِرْهَمِكَ مِنْ أَيْنَ هُوَ؟ وَفِيمَا تُنْفِقُهُ؟ أَوْلٰى بِكَ، وَقِيلَ : لَا يَأْمَنُ أَنْ يَّكُونَ بِتَنْقِيرِكَ وَبَحْثِكَ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الْقَوْمِ إِلٰى أَنْ يَّمِيلَ قَلْبُكَ، فَتَهْوٰى مَا لَا يَصْلُحُ لَكَ أَنْ تَهْوَاهُ، وَيَلْعَبَ بِكَ الشَّيْطَانُ، فَتَسُبَّ وَتُبْغِضَ مَنْ أَمَرَكَ اللّٰهُ بِمَحَبَّتِهِ، وَالِاسْتِغْفَارِ لَهُ، وَبِاتِّبَاعِهِ، فَتَزِلَّ عَنْ طَرِيقِ الْحَقِّ، وَتَسْلُكَ طَرِيقَ الْبَاطِلِ، فَإِنْ قَالَ : فَاذْكُرْ لَنَا مِنَ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَعَمَّنْ سَلَفَ مِنْ عُلَمَاءِ الْمُسْلِمِينَ، مَا يَدُلُّ عَلٰى مَا قُلْتَ، لِتَرُدَّ نُفُوسَنَا عَمَّا تَهْوَاهُ مِنَ الْبَحْثِ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، قِيلَ لَهُ : قَدْ تَقَدَّمَ ذِكْرُنَا لِمَا ذَكَرْتَهُ مِمَّا فِيهِ بَلَاغٌ وَّحُجَّةٌ لِّمَنْ عَقَلَ، وَنُعِيدُ بَعْضَ مَا ذَكَرْنَاهُ لِيَتَيَقَّظَ بِهِ الْمُؤْمِنُ الْمُسْتَرْشِدُ إِلٰى طَرِيقِ الْحَقِّ، قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿**مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ**

الْكُفَّارَ﴾ (الفتح 48 : 29)، ثُمَّ وَعَدَهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ الْمَغْفِرَةَ وَالْأَجْرَ الْعَظِيمَ، وَقَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لَقَدْ تَابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾(التوبة 9 : 117)، وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ (التوبة 9 : 100) إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا مَعَهٗ نُورُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (التحريم 66 : 8) الْآيَةُ، وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ (آل عمران 3 : 110) الْآيَةُ، وَقَالَ عَزَّ وَجَلَّ : ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح 48 : 18) إِلٰى آخِرِ الْآيَةِ، ثُمَّ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَثْنٰى عَلٰى مَنْ جَاءَ بَعْدَ الصَّحَابَةِ، فَاسْتَغْفَرَ لِلصَّحَابَةِ، وَسَأَلَ مَوْلَاهُ الْكَرِيمَ أَنْ لَّا يَجْعَلَ فِي قَلْبِهٖ غِلًّا لَّهُمْ، فَأَثْنَى اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ عَلَيْهِ بِأَحْسَنِ مَا يَكُونُ مِنَ الثَّنَاءِ، ـــــ، وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «خَيْرُ النَّاسِ قَرْنِي، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ، ثُمَّ الَّذِينَ يَلُونَهُمْ» (صحيح البخاري : 2652، صحيح مسلم : 2533)، ـــــ، قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحُسَيْنِ رَحِمَهُ اللّٰهُ : يُقَالُ لِمَنْ سَمِعَ هٰذَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَمِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنْ كُنْتَ عَبْدًا مُّوَفَّقًا لِّلْخَيْرِ اتَّعَظْتَ بِمَا وَعَظَكَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ بِهٖ، وَإِنْ كُنْتَ مُتَّبِعًا لِّهَوَاكَ خَشِيتُ عَلَيْكَ أَنْ تَكُونَ مِمَّنْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِنَ اللّٰهِ)، وَكُنْتَ مِمَّنْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ (وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّأَسْمَعَهُمْ وَلَوْ

أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُعْرِضُونَ)، وَيُقَالُ لَهُ : مَنْ جَاءَ إِلٰى أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى يَطْعَنَ فِي بَعْضِهِمْ وَيَهْوٰى بَعْضَهُمْ، وَيَذُمَّ بَعْضًا وَّيَمْدَحَ بَعْضًا، فَهٰذَا رَجُلٌ طَالِبُ فِتْنَةٍ، وَفِي الْفِتْنَةِ وَقَعَ، لِأَنَّهُ وَاجِبٌ عَلَيْهِ مَحَبَّةُ الْجَمِيعِ، وَالِاسْتِغْفَارِ لِلْجَمِيعِ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَنَفَعَنَا بِحُبِّهِمْ.

''ہم نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام اور آپ کے اہل بیت کے جو فضائل بیان کیے ہیں، جو شخص ان کو غور سے ملاحظہ کر لے، اسے چاہیے کہ وہ تمام صحابہ کرام اور اہل بیت سے محبت رکھے، سب کے لیے رحمت اور مغفرت کی دُعا کرے۔ ان (کے بارے میں اس عقیدے) کو اللہ تعالیٰ کے دربار میں وسیلہ بناتے ہوئے اس طرف توفیق دینے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بھی ادا کریں، وہ صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان کا نہ ذکر کرے، نہ ان کے بارے میں بحث و تفتیش میں پڑے۔ اگر راہِ ہدایت سے بھٹکا ہوا کوئی جاہل اور پاگل شخص تکرار کرتے ہوئے ہمیں کہے کہ فلاں صحابی نے فلاں سے لڑائی کیوں کی اور فلاں نے فلاں کو قتل کیوں کیا؟ تو ہم اسے جواب میں یہ کہیں گے کہ ہمیں اس بات کا نہ تو کوئی فائدہ ہے نہ ہم اسے معلوم کرنے پر مجبور ہیں۔ اگر وہ کہے کہ کیوں؟ تو ہم کہیں گے کہ یہ فتنے تھے جن سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا پالا پڑا اور انہوں نے ان فتنوں میں وہی طریقہ کار اپنایا جس کی طرف ان کے علمی اجتہاد نے ان کی رہنمائی کی۔ وہ ان فتنوں کی حقیقت کو بعد والوں سے بڑھ کر جانتے تھے۔ وہ بعد والوں سے زیادہ سیدھے راستے پر گامزن تھے، کیونکہ وہ اہل جنت تھے، ان کے سامنے قرآن نازل ہوا، انہوں نے رسول اللہ ﷺ کا دیدار کیا اور آپ کی معیت میں جہاد بھی کیا، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اپنی خوشنودی، مغفرت اور اجر عظیم کی ضمانت دی اور رسولِ کریم ﷺ نے ان کے خیر القرون ہونے کی گواہی دی۔ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑھ کر معرفت رکھنے والے تھے، اس کے رسول ﷺ کو سب سے زیادہ جاننے والے اور قرآن و سنت کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے، لہٰذا ہم علم انہی سے اخذ کرتے

ہیں، ان کے اقوال سے تجاوز نہیں کرتے، انہی کے فیصلوں کو نافذ کرتے ہیں، اپنے آپ کو انہی کے رنگ میں رنگتے ہیں، انہی کی پیروی کرتے ہیں اور ہمیں حکم بھی اسی بات کا دیا گیا ہے۔ اگر وہ شخص یہ کہہ دے کہ ہمیں صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کی جانچ پڑتال میں پڑنے سے کون سا نقصان ہو جائے گا؟ تو ہم کہیں گے مشاجراتِ صحابہ میں دخل دینے سے نقصان میں مبتلا ہونا لازم ہے، کیونکہ صحابہ کرام عقلی اعتبار سے ہم سے بہت فائق تھے، جبکہ ہم ان کے مقابلے میں بہت زیادہ کم عقل ہیں، یوں اگر ہم ان کے مابین اختلافات میں غور وخوض کریں گے تو ضروری طور پر راہِ حق سے گمراہ ہو جائیں گے اور ان کے بارے میں جس سلوک کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس سے منحرف ہو جائیں گے۔ اگر وہ سوال کرے کہ ہمیں صحابہ کرام کے بارے میں کیا حکم دیا گیا ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ ہمیں ان کے لیے استغفار اور رحمت کی دُعا کرنے، ان سے محبت رکھنے اور ان کی اطاعت کرنے کا حکم سنایا گیا ہے۔ اس پر کتاب و سنت اور ائمہ مسلمین کے اقوال دلیل ہیں۔ ہمیں صحابہ کرام کے مابین اختلافات کو ذکر کرنے کی ضرورت ہی نہیں۔ وہ نبی اکرم ﷺ کی صحبت سے مشرف ہوئے اور انہوں نے آپ ﷺ سے رشتہ داری اختیار کی اور آپ ﷺ نے بھی ان سے رشتہ داری بنائی۔ نبی اکرم ﷺ کی صحبت کی بنا پر ہی اللہ کریم ان کو معاف فرما دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یہ ضمانت دی ہے کہ وہ ان میں سے کسی کو رسوا نہیں کرے گا اور قرآنِ کریم میں یہ بھی ذکر کیا کہ صحابہ کرام کی نشانیاں توراۃ و انجیل میں مذکور ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں بہترین محاسن و اوصاف سے متصف فرمایا اور ہمیں یہ بتا دیا کہ اس نے اُن کی توبہ قبول کر لی ہے۔ جب ان کی توبہ قبول ہو گئی ہے تو ان میں سے کسی کو کبھی بھی عذاب نہیں ہو سکتا۔ اللہ صحابہ کرام سے راضی ہو گیا اور صحابہ کرام اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ اللہ کا گروہ تھے اور اللہ کا گروہ ہی کامیاب و کامران ہے۔ اگر کوئی کہے کہ اس سے میری مراد یہ ہے کہ میں صحابہ کرام کے اختلافات سے باخبر ہو جاؤں اور وجہِ اختلاف جاننا مجھے اچھا

لگتا ہے۔اسے کہا جائے کہ تُو فتنہ برپا کرنا چاہتا ہے، کیونکہ تو وہ چیز طلب کر رہا ہے جو تجھے کوئی فائدہ نہیں دے سکتی، البتہ نقصان ضرور دے گی۔اگر اس کے بجائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عائد کیے گئے فرائض وواجبات کی ادائیگی کر کے اور اس کے بیان کردہ محرمات سے بچ کر اپنی بندگی کی اصلاح کر لیتا تو یہ کام تیرے لیے بہتر ہوتا،خصوصاً ہمارے اس زمانے میں جب کہ بہت سی گمراہیاں بھی سر اٹھا چکی ہیں۔تیرے کھانے پینے،لباس اور معاش کا انتظام کہاں سے ہوگا اور مال کو خرچ کہاں کرنا ہے؟ اس بارے میں غوروفکر تیرے لیے زیادہ بہتر ہے۔صحابہ کرام کے مشاجرات کی بحث وتفتیش میں پڑنے کے بعد تیرا دل کج روی سے محفوظ نہیں رہ پائے گا اور تُو وہ سوچنے لگے گا، جو تیرے لیے جائز ہی نہیں،شیطان تجھے بہکائے گا اور تُو ان ہستیوں کو بُرا بھلا کہنے لگے گا اور ان سے بغض رکھنے لگے گا،جن سے محبت کرنے ، جن کے بارے میں استغفار کرنے اور جن کی پیروی کرنے کا تجھے اللہ کی طرف سے حکم ہے۔یوں تُو شاہراہِ حق سے بھٹک کر باطل کی پگڈنڈیوں کا راہی بن جائے گا۔
اگر وہ کہے کہ ہمیں قرآن وسنت کی نصوص اور علمائے مسلمین کے اقوال میں وہ بات دکھاؤ جس سے تمہارا مدعا ثابت ہوتا ہو تاکہ ہم صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کے بارے میں بحث و تفتیش کی خواہش سے باز آجائیں،تو اس سے کہا جائے گا کہ اس سلسلے میں وہ تمام چیزیں ہم ذکر کر چکے ہیں جن سے ذی شعور شخص کو حقیقت کا ادراک ہوسکتا ہے،البتہ ان میں سے کچھ باتیں یہاں دوبارہ ذکر کی جائیں گی تاکہ حق کا متلاشی مؤمن کا ضمیر جاگ جائے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرَاةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْاَهٗ فَآزَرَهٗ فَاسْتَغْلَظَ

فَاسْتَوٰى عَلٰى سُوْقِهٖ يُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِيَغِيْظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ﴾ (الفتح 48 : 29)
(محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر بہت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں، آپ انہیں رکوع و سجود کرتے دیکھیں گے، وہ اللہ کا فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار رہتے ہیں، ان کی ایک خصوصی پہچان ان کے چہروں میں سجدوں کا نشان ہے، ان کی یہ صفت تورات میں ہے، اور انجیل میں ان کی صفت اس کھیتی کے مانند ہے جس نے اپنی کونپل نکالی، پھر اسے مضبوط کیا اور وہ [پودا] توانا ہوگیا، پھر اپنے تنے پر سیدھا کھڑا ہوگیا، یہ صورت حال کسانوں کو خوش کرتی ہے، [اللہ کی طرف سے یہ اس لیے ہوا] تاکہ ان (صحابہ کرام) کی وجہ سے کفار کو غیض و غضب میں مبتلا کرے)۔ پھر اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کو مغفرت اور اجر عظیم کا وعدہ دیا۔ یہ بھی فرمایا کہ: ﴿لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ﴾ (التوبة 9 : 117) (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ اور ان مہاجرین و انصار پر شفقت فرمائی جنہوں نے تنگی کے عالم میں آپ کی پیروی کی)۔ نیز فرمایا: ﴿وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ (التوبة 9 : 100) (مہاجرین اور انصار میں سے اسلام میں سبقت کرنے والے اور جن لوگوں نے اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی، اللہ ان سے راضی ہوگیا)، ﴿يَوْمَ لَا يُخْزِي اللّٰهُ النَّبِيَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَبِاَيْمَانِهِمْ﴾ (التحریم 66 : 8) ([قیامت وہ دن ہے] جس دن اللہ اپنے نبی اور ان کے ساتھ ایمان لانے والوں کو رسوا نہیں کرے گا، ان کا نور ان کے آگے اور ان کے دائیں طرف دوڑتا ہوگا)، ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ (آل عمران 3 : 110) (تم بہتر امت ہو)، ﴿لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (الفتح 48 : 18)

(یقیناً اللہ تعالیٰ مؤمنوں سے راضی ہو گیا)۔اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی تعریف بھی کی جو صحابہ کرام کے بعد آ کر ان کے لیے استغفار کریں گے اور دُعا کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں صحابہ کرام کے بارے میں کوئی خلش نہ ڈالے۔اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی بہت زیادہ ثناء کی ہے۔۔۔نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: سب سے بہترین لوگ میرے زمانے کے لوگ ہیں، پھر وہ جو ان کے بعد آئے اور پھر وہ جو ان کے بعد آئے (صحیح البخاري: 2652، صحیح مسلم: 2533)۔۔۔جو شخص اللہ تعالیٰ اور رسولِ اکرم ﷺ کے یہ فرامین سن لے، اسے کہا جائے کہ اگر تُو ہدایت و بھلائی کا طالب ہے تو اللہ تعالیٰ کی نصیحت پر عمل کر اور اگر اب بھی تُو اپنی من مرضی کرے گا تو ڈر ہے کہ تیرا شمار ان لوگوں میں سے ہو جائے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوَاهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ﴾ (القصص 28 : 50)(اور اس شخص سے بڑھ کر ظالم کون ہے جس نے اللہ کی ہدایت کو چھوڑ کر اپنے نفس کی پیروی کر لی؟)۔﴿وَلَوْ عَلِمَ اللّٰهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّاَسْمَعَهُمْ وَلَوْ اَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴾(الأنفال 8 : 23)(اگر اللہ ان میں کوئی بھلائی جانتا تو انہیں ضرور سنا [سمجھا] دیتا، اور اگر وہ انہیں سنا [سمجھا] دیتا تو بھی وہ ضرور پھر جاتے اور اعراض کرنے والے ہوتے) اور اسے یہ بھی کہا جائے کہ جو شخص رسولِ اکرم ﷺ کے بعض صحابہ کرام پر طعن کرے اور بعض کی تعریف کرے، نیز بعض پر تنقید کرے اور بعض کی مدح کرے، وہ فتنہ پرور ہے اور فتنے میں مبتلا ہو چکا ہے، کیونکہ اس پر فرض تھا کہ سب صحابہ کرام سے محبت کرتا اور سب کے لیے استغفار کرتا۔اللہ تعالیٰ صحابہ کرام سے راضی ہو اور ہمیں ان کی محبت کے سبب نجات دے۔۔۔''(الشریعة: 2485/5)

❁ امام ابوبکر، احمد بن ابراہیم، اسماعیلی رحمہ اللہ (277-371ھ) محدثین کرام کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَالْكَفُّ عَنِ الْوَقِيعَةِ فِيهِمْ، وَتَأَوُّلِ الْقَبِيحِ عَلَيْهِمْ، وَيَكِلُونَهُمْ فِيمَا جَرٰى بَيْنَهُمْ عَلَى التَّأْوِيلِ إِلَى اللّٰهِ عزَّ وَجَلَّ .

''ائمہ حدیث صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں، بُری باتیں ان پرنہیں تھوپتے اور اجتہادی طور پر ان کے مابین جو بھی ناخوشگوار واقعات ہوئے، ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے ہیں۔'' (اعتقاد ائمّة الحديث، ص : 79)

❁ امام، ابوالحسن، علی بن اسماعیل، اشعری رحمہ اللہ (260-324ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا مَا جَرٰى مِنْ عَلِيٍّ وَّالزُّبَيْرِ وَعَائِشَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ، فَإِنَّمَا كَانَ عَلٰى تَأْوِيلٍ وَّاجْتِهَادٍ، وَعَلِيٌّ الْإِمَامُ، وَكُلُّهُمْ مِّنْ أَهْلِ الِاجْتِهَادِ، وَقَدْ شَهِدَ لَهُمُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْجَنَّةِ وَالشَّهَادَةِ، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّهُمْ كُلَّهُمْ كَانُوا عَلٰى حَقٍّ فِي اجْتِهَادِهِمْ، وَكَذٰلِكَ مَا جَرٰى بَيْنَ سَيِّدِنَا عَلِيٍّ وَّمُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا، فَدَلَّ عَلٰى تَأْوِيلٍ وَّاجْتِهَادٍ، وَكُلُّ الصَّحَابَةِ أَئِمَّةٌ مَّأْمُونُونَ غَيْرُ مُتَّهَمِينَ فِي الدِّينِ، وَقَدْ أَثْنَى اللّٰهُ وَرَسُولُهٗ عَلٰى جَمِيعِهِمْ، وَتَعَبَّدَنَا بِتَوْقِيرِهِمْ وَتَعْظِيمِهِمْ وَمُوَالَاتِهِمْ، وَالتَّبَرِّي مِنْ كُلِّ مَنْ يَنْقُصُ أَحَدًا مِّنْهُمْ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ .

''سیدنا علی، سیدنا زبیر اور سیدہ عائشہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مابین جو اختلافات ہوئے، وہ اجتہادی تھے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ خلیفہ تھے اور سب صحابہ کرام مجتہد تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت اور شہادت کی خوشخبری سنائی ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ سب اپنے اجتہاد میں حق پر تھے۔ اسی طرح سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو اختلافات ہوئے، وہ بھی اجتہادی تھے۔ تمام صحابہ کرام بااعتماد اور باکردار ائمہ تھے۔ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے سب کی تعریف کی ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ان کی عزت و تعظیم کریں، ان سے محبت رکھیں اور

جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے، اس سے براءت کا اعلان کریں۔اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو چکا ہے۔"(الإبانة عن أصول الديانة، ص: 78)

✿ امام ابومنصور معمر بن احمد اصبہانی رحمہ اللہ (م: 418ھ) مشاجرات صحابہ میں زبان بند رکھنے کو اہل سنت والجماعت کا اجماعی و اتفاقی عقیدہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمِنَ السُّنَّةِ السُّكُوتُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَنَشْرُ فَضَائِلِهِمْ وَالِاقْتِدَاءُ بِهِمْ، فَإِنَّهُمُ النُّجُومُ الزَّاهِرَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُم، ثُمَّ التَّرَحُّمُ عَلَى التَّابِعِينَ وَالْأَئِمَّةِ وَالسَّلَفِ الصَّالِحِينَ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ. "سنت (کا مقتضیٰ) یہ ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے فضائل بیان کیے جائیں اور ان کی اقتداء کی جائے۔صحابہ کرام تو چمکدار ستارے تھے۔اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو گیا۔اس کے ساتھ ساتھ تابعین، ائمہ دین اور سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے لیے رحمت کی دُعا کی جائے۔"(الحجّة في بيان المحجّة لأبي القاسم الأصبهاني :252/1، وسندهٗ صحيحٌ)

✿ امام ابونعیم اصبہانی رحمہ اللہ (336-430ھ) فرماتے ہیں:

فَالْوَاجِبُ عَلَى الْمُسْلِمِينَ فِي أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِظْهَارُ مَا مَدَحَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ وَشَكَرَهُمْ عَلَيْهِ مِنْ جَمِيلِ أَفْعَالِهِمْ وَجَمِيلِ سَوَابِقِهِمْ، وَأَن يَّغُضُّوا عَمَّا كَانَ مِنْهُمْ فِي حَالِ الْغَضَبِ وَالْإِغْفَالِ وَفَرَطٍ مِّنْهُمْ عِنْدَ اسْتِزْلَالِ الشَّيْطَانِ إِيَّاهُمْ، وَنَأْخُذُ فِي ذِكْرِهِمْ بِمَا أَخْبَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِهٖ، فَقَالَ تَعَالٰى: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾(الحشر 59 : 10) الْآيَةَ، فَإِنَّ الْهَفْوَةَ وَالزَّلَلَ وَالْغَضَبَ وَالْحِدَةَ وَالْإِفْرَاطَ لَا يَخْلُو مِنْهُ أَحَدٌ، وَهُوَ لَهُم غَفُورٌ، وَلَا

يُوجِبُ ذٰلِكَ الْبَرَاءَ مِنْهُمْ، وَلَا الْعَدَاوَةَ لَهُمْ، وَلٰكِنْ يُّحِبُّ عَلَى السَّابِقَةِ الْحَمِيدَةِ، وَيَتَوَلّٰى لِلْمَنْقَبَةِ الشَّرِيفَةِ .

''اصحابِ رسول کے بارے میں مسلمانوں پر یہ فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں جو کچھ فرمایا ہے اور ان کے اچھے افعال و کارناموں کی جو تعریفات کی ہیں، انہیں بیان کیا جائے اور شیطان کے بہکاوے میں آ کر ان سے غصے، غفلت اور شدت میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان سے چشم پوشی کی جائے۔ اس سلسلے میں ہم اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو دلیل بناتے ہیں: ﴿وَالَّذِيْنَ جَاءُ وْا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اغْفِرْلَنَا وَلِاِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْاِيْمَانِ﴾(الحشر 59 : 10) (جو لوگ ان کے بعد آئیں اور کہیں کہ اے ہمارے رب! تُو ہمیں بھی معاف فرما دے اور ہم سے پہلے ایمان والوں کو بھی)۔ کیونکہ لغزش، غلطی، غصے، شدت اور کوتاہی سے کوئی بھی مبرا نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام کی ایسی لغزشوں کو معاف فرما دیا ہے۔ صحابہ کرام کی ایسی بشری لغزشیں ان سے براءت اور عداوت کا باعث نہیں بن سکتیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی قابل ستائش سبقتِ اسلام کی بنا پر ان سے محبت رکھتا ہے اور عزت والے مرتبے کی وجہ سے ان سے دوستی رکھتا ہے۔''

(كتاب الإمامة والردّ على الرافضة، ص :341، 342)

❁ شیخ الاسلام، ابوعثمان، اسماعیل، صابونی رحمہ اللہ (م :449ھ) فرماتے ہیں:

وَيَرَوْنَ الْكَفَّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَطْهِيرَ الْأَلْسِنَةِ عَنْ ذِكْرِ مَا يَتَضَمَّنُ عَيْبًا لَّهُمْ وَنَقْصًا فِيهِمْ، وَيَرَوْنَ التَّرَحُّمَ عَلٰى جَمِيعِهِمْ، وَالْمُوَالَاةَ لِكَافَّتِهِمْ .

''اہل سنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کی جائے اور زبان کو ایسی باتوں سے پاک رکھا جائے جن سے صحابہ کرام کا کوئی عیب و

نقص ظاہر ہوتا ہو، بلکہ ان سب کے لیے رحمت کی دُعا کی جائے اور ان سب سے محبت رکھی جائے۔‘‘(عقیدۃ السلف أصحاب الحدیث، ص: 93)

❀ حافظ عبیداللہ بن محمد، ابن بطہ رحمہ اللہ (304-387ھ) فرماتے ہیں:

نَكُفُّ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَدْ شَهِدُوا الْمَشَاهِدَ مَعَهُ، وَسَبَقُوا النَّاسَ بِالْفَضْلِ، فَقَدْ غَفَرَ اللّٰهُ لَهُمْ، وَأَمَرَكَ بِالِاسْتِغْفَارِ لَهُمْ، وَالتَّقَرُّبِ إِلَيْهِ بِمَحَبَّتِهِمْ، وَفَرَضَ ذٰلِكَ عَلٰى لِسَانِ نَبِيِّهٖ، وَهُوَ يَعْلَمُ مَا سَيَكُونُ مِنْهُمْ، وَأَنَّهُمْ سَيَقْتَتِلُونَ، وَإِنَّهُمْ فُضِّلُوا عَلٰى سَائِرِ الْخَلْقِ، لِأَنَّ الْخَطَأَ وَالْعَمَدَ قَدْ وُضِعَ عَنْهُمْ، وَكُلُّ مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ مَغْفُورٌ لَّهُمْ . ’’ہم اصحابِ رسول کے باہمی اختلافات کے بارے میں اپنی زبان بند رکھتے ہیں۔انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ جہاد میں حصہ لیا اور نیکی میں ان کو ساری امت سے سبقت حاصل ہے،اللہ نے ان کو معاف فرما دیا ہے اور مسلمانوں کو ان کے لیے دُعائے مغفرت کرنے اور ان سے محبت رکھ کر اپنا تقرب حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔یہ احکام اس اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی زبانی فرض کیے ہیں جسے یہ بخوبی معلوم تھا کہ آئندہ کیا ہونے والا ہے،اسے معلوم تھا کہ صحابہ کرام آپس میں قتال تک کریں گے۔اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے (انبیائے کرام کے بعد) ساری مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔ خطا و عمد دونوں قسم کی لغزشیں ان سے دور کر دی گئی ہیں اور ان کے تمام باہمی اختلافات بھی انہیں معاف فرما دیے گئے ہیں۔‘‘(الإبانة في أصول السنّة، ص: 268)

❀ امام،قوام السنۃ،ابوالقاسم،اسماعیل بن محمد،اصبہانی رحمہ اللہ (م:535ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا جَرٰى بَيْنَ عَلِيٍّ وَبَيْنَ مُعَاوِيَةَ، فَقَالَ السَّلَفُ : مِنَ السُّنَّةِ السُّكُوتُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''سیدنا علی اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہما کے مابین جو اختلافات ہوئے، اس سلسلے میں سلف کا موقف یہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین اختلافات میں خاموشی اختیار کرنا سنت (کا مقتضیٰ) ہے۔''

(الحجّة في بيان المحجّة : 569/2)

❀ حافظ، ابوزکریا، یحییٰ بن شرف، نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) قتل مسلم پر جہنم کی وعید والی حدیث کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ الدِّمَاءَ الَّتِي جَرَتْ بَيْنَ الصَّحَابَةِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، لَيْسَتْ بِدَاخِلَةٍ فِي هٰذَا الْوَعِيدِ، وَمَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْحَقِّ إِحْسَانُ الظَّنِّ بِهِمْ، وَالْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَتَأْوِيلُ قِتَالِهِمْ، وَأَنَّهُمْ مُجْتَهِدُونَ مُتَأَوِّلُونَ، لَمْ يَقْصِدُوا مَعْصِيَةً، وَلَا مَحْضَ الدُّنْيَا، بَلِ اعْتَقَدَ كُلُّ فَرِيقٍ أَنَّهُ الْمُحِقُّ، وَمُخَالِفُهُ بَاغٍ، فَوَجَبَ عَلَيْهِ قِتَالُهُ لِيَرْجِعَ إِلٰى أَمْرِ اللّٰهِ، وَكَانَ بَعْضُهُمْ مُصِيبًا، وَبَعْضُهُمْ مُخْطِئًا مَعْذُورًا فِي الْخَطَإِ، لِأَنَّهُ لِاجْتِهَادٍ، وَالْمُجْتَهِدُ إِذَا أَخْطَأَ لَا إِثْمَ عَلَيْهِ، وَكَانَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ هُوَ الْمُحِقُّ الْمُصِيبُ فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ، هٰذَا مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَكَانَتِ الْقَضَايَا مُشْتَبِهَةً، حَتّٰى إِنَّ جَمَاعَةً مِّنَ الصَّحَابَةِ تَحَيَّرُوا فِيهَا، فَاعْتَزَلُوا الطَّائِفَتَيْنِ، وَلَمْ يُقَاتِلُوا، وَلَمْ يَتَيَقَّنُوا الصَّوَابَ، ثُمَّ تَأَخَّرُوا عَنْ مُّسَاعَدَتِهِ.

''آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ صحابہ کرام کے مابین اختلافات کے دوران جو خون بہے، وہ اس وعید میں داخل نہیں۔ اہل سنت و اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام کے بارے میں حسن ظن ہی رکھتے ہیں، ان کے مابین اختلافات پر خاموشی اختیار کرتے ہیں، اہل سنت کے نزدیک صحابہ کرام کی باہمی لڑائیاں دلائل پر مبنی تھیں اور وہ اس سلسلے میں مجتہد تھے۔ ان کا ارادہ کسی گناہ یا دنیاوی متاع کا نہیں تھا، بلکہ ہر فریق یہی سمجھتا تھا کہ وہ حق پر اور ان کا

مخالف باغی ہے، جس کو اللہ کے حکم کی طرف لوٹانے کے لیے قتال ضروری ہے۔ یوں بعض واقعی حق پر اور بعض خطا پر تھے، کیونکہ یہ اجتہادی معاملہ تھا اور مجتہد جب غلطی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہوتا۔ ان لڑائیوں میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی حق پر تھے (لیکن خطا اجتہادی ہونے کی بنا پر دوسرے صحابہ پر بھی کوئی قدغن نہیں)۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے۔ یہ معاملات اتنے پیچیدہ تھے کہ بہت سے صحابہ کرام بھی اس سلسلے میں پریشان رہے اور دونوں گروہوں سے علیحدگی اختیار کر لی۔ انہیں بالیقین درست بات کا علم نہ ہو سکا اور وہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی حمایت سے بھی دستبردار رہے۔'' (شرح صحیح مسلم : 11/18)

نیز فرماتے ہیں: وَأَمَّا الْحُرُوبُ الَّتِي جَرَتْ، فَكَانَتْ لِكُلِّ طَائِفَةٍ شُبْهَةٌ، اعْتَقَدَتْ تَصْوِيبَ أَنْفُسِهَا بِسَبَبِهَا، وَكُلُّهُمْ عُدُولٌ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَمُتَأَوِّلُونَ فِي حُرُوبِهِمْ وَغَيْرِهَا، وَلَمْ يُخْرِجْ شَيْءٌ مِّنْ ذٰلِكَ أَحَدًا مِّنْهُمْ عَنِ الْعَدَالَةِ، لِأَنَّهُمْ مُّجْتَهِدُونَ، اخْتَلَفُوا فِي مَسَائِلَ مِنْ مَحَلِّ الِاجْتِهَادِ، كَمَا يَخْتَلِفُ الْمُجْتَهِدُونَ بَعْدَهُمْ، فِي مَسَائِلَ مِنَ الدِّمَاءِ وَغَيْرِهَا، وَلَا يَلْزَمُ مِنْ ذٰلِكَ نَقْصُ أَحَدٍ مِّنْهُمْ، وَاعْلَمْ أَنَّ سببَ تِلْكَ الْحُرُوبِ أَنَّ الْقَضَايَا كَانَتْ مُشْتَبِهَةً، فَلِشِدَّةِ اشْتِبَاهِهَا اخْتَلَفَ اجْتِهَادُهُمْ، وَصَارُوا ثَلَاثَةَ أَقْسَامٍ؛ قِسْمٌ ظَهَرَ لَهُمْ بِالِاجْتِهَادِ أَنَّ الْحَقَّ فِي هٰذَا الطَّرَفِ، وَأَنَّ مُخَالِفَهُ بَاغٍ، فَوَجَبَ عَلَيْهِمْ نُصْرَتُهُ وَقِتَالُ الْبَاغِي عَلَيْهِ، فِيمَا اعْتَقَدُوهُ، فَفَعَلُوا ذٰلِكَ، وَلَمْ يَكُنْ يَّحِلُّ لِمَنْ هٰذِهِ صِفَتُهُ التَّأَخُّرُ عَنْ مُسَاعَدَةِ إِمَامِ الْعَدْلِ، فِي قِتَالِ الْبُغَاةِ فِي اعْتِقَادِهِ، وَقِسْمٌ عَكْسُ هٰؤُلَاءِ، ظَهَرَ لَهُمْ بِالِاجْتِهَادِ أَنَّ الْحَقَّ فِي الطَّرَفِ الْآخَرِ، فَوَجَبَ عَلَيْهِمْ مُسَاعَدَتُهُ وَقِتَالُ الْبَاغِي عَلَيْهِ، وَقِسْمٌ ثَالِثٌ اشْتَبَهَتْ عَلَيْهِمُ الْقَضِيَّةُ، وَتَحَيَّرُوا فِيهَا، وَلَمْ يَظْهَرْ لَهُمْ تَرْجِيحُ أَحَدِ

الطَّرَفَيْنِ، فَاعْتَزَلُوا الْفَرِيقَيْنِ، وَكَانَ هٰذَا الِاعْتِزَالُ هُوَ الْوَاجِبُ فِي حَقِّهِمْ، لِأَنَّهٗ لَا يَحِلُّ الْإِقْدَامُ عَلٰى قِتَالِ مُسْلِمٍ، حَتّٰى يَظْهَرَ أَنَّهٗ مُسْتَحِقٌّ لِّذٰلِكَ، وَلَوْ ظَهَرَ لِهٰؤُلَاءِ رُجْحَانُ أَحَدِ الطَّرَفَيْنِ، وَأَنَّ الْحَقَّ مَعَهٗ، لَمَا جَازَ لَهُمُ التَّأَخُّرُ عَنْ نُصْرَتِهٖ فِي قِتَالِ الْبُغَاةِ عَلَيْهِ، فَكُلُّهُمْ مَعْذُورُونَ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، وَلِهٰذَا اتَّفَقَ أَهْلُ الْحَقِّ، وَمَنْ يُعْتَدُّ بِهٖ فِي الْإِجْمَاعِ، عَلٰى قَبُولِ شَهَادَاتِهِمْ وَرِوَايَاتِهِمْ، وَكَمَالِ عَدَالَتِهِمْ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ أَجْمَعِينَ.

''جو لڑائیاں صحابہ کرام کے مابین ہوئیں،ان میں ہر گروہ کو ایک شبہ تھا جس کے مطابق ہر ایک نے اپنے آپ کو حق پر سمجھ لیا اور صحابہ کرام سب کے سب عادل تھے اور اپنی لڑائیوں اور دیگر معاملات میں دلائل رکھتے تھے۔ان میں سے کسی بھی معاملے کی بنا پر کوئی بھی صحابی ثقاہت کے دائرہ کار سے خارج نہیں ہوا،کیونکہ سب صحابہ کرام مجتہد تھے،وہ کئی اجتہادی مسائل میں مختلف الخیال ہوئے،جیسا کہ بعد میں آنے والے فقہائے کرام بھی قتل و حرب سمیت بہت سے مسائل میں اختلافات کا شکار ہوئے۔ان اختلافات سے کسی میں کوئی نقص ثابت نہیں ہوتا۔یہاں آپ کو ان لڑائیوں کی وجہ بھی معلوم ہونی چاہیے۔ان کی وجہ یہ بنی کہ معاملات انتہائی پیچیدہ تھے اور اسی سخت پیچیدگی کے باعث صحابہ کرام کے اجتہادات مختلف ہو گئے اور وہ تین قسموں میں بٹ گئے۔ایک قسم وہ تھی جنہوں نے اپنے اجتہاد سے پہلے فریق کو حق پر سمجھا اور اس کے مخالف کو باغی خیال کیا،یوں ان پر پہلے فریق کی مدد کرنا اور اس کے مخالف سے لڑنا لازم ہو گیا اور انہوں نے ایسا ہی کیا۔حق والوں کے لیے اپنے نزدیک اہل حق کی نصرت اور اہل بغاوت سے لڑائی کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔دوسری قسم ان کے برعکس تھی، انہوں نے اپنے اجتہاد سے سمجھا کہ دوسرا فریق حق پر ہے،چنانچہ ان پر دوسرے فریق کی نصرت اور ان کے مخالفین کی سرکوبی ضروری ہوگئی۔تیسری قسم میں وہ صحابہ

کرام تھے جن پر معاملہ واضح نہ سکا، وہ اس سلسلے میں کشمکش ہی کا شکار رہے اور کسی ایک فریق کی ترجیح ان پر ظاہر نہ ہو سکی۔ ایسے لوگ دونوں فریقوں سے علیحدہ ہو گئے اور ان پر یہ علیحدگی ہی ضروری تھی، کیونکہ اس وقت تک کسی مسلمان کو قتل کرنے کی کوشش جائز نہیں جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ وہ اس کا مستحق ہے۔ اگر ان صحابہ کرام کے سامنے کسی ایک فریق کا اہل حق ہونا عیاں ہو جاتا تو ان کے لیے اس کی نصرت وحمایت اور باغیوں سے قتال فرض ہو جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ اہل حق اور اہل علم کا اجماع ہے کہ تمام صحابہ کرام کی گواہی اور ان کی روایات قبول کی جائیں گی اور ان کی ثقاہت میں کوئی نقص نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سب پر راضی ہو چکا ہے۔'' (شرح صحیح مسلم : 149/15)

❁ علامہ، ابو حامد، محمد بن محمد، غزالی (450-505ھ) فرماتے ہیں:

وَمَا جَرٰی بَیْنَ مُعَاوِیَةَ وَعَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا کَانَ مَبْنِیًّا عَلَی الِاجْتِهَادِ، وَلَا مُنَازَعَةَ مِنْ مُّعَاوِیَةَ فِي الْإِمَامَةِ .

''سیدنا معاویہ اور سیدنا علی رضی اللہ عنہما کے باہمی اختلافات اجتہاد پر مبنی تھے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے امامت و خلافت کا کوئی تنازع نہیں تھا۔'' (إحیاء علوم الدین : 115/1)

❁ علامہ، علی بن احمد، ابن حزم رحمہ اللہ (384-456ھ) فرماتے ہیں:

فَبِهٰذَا قَطَعْنَا عَلٰی صَوَابِ عَلِيٍّ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَصِحَّةِ أَمَانَتِهٖ، وَأَنَّهٗ صَاحِبُ الْحَقِّ، وَأَنَّ لَهٗ أَجْرَیْنِ؛ أَجْرُ الِاجْتِهَادِ، وَأَجْرُ الْإِصَابَةِ، وَقَطَعْنَا أَنَّ مُعَاوِیَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ وَمَنْ مَّعَهٗ مُخْطِئُوْنَ، مُجْتَهِدُوْنَ، مَأْجُوْرُوْنَ أَجْرًا وَّاحِدًا .

''ان دلائل کی رُو سے ہم یقین سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ درستی پر تھے، صاحب حق وامانت تھے اور ان کے لیے دو اجر ہیں، ایک اجتہاد کا اور دوسرا درستی کا۔ ہم یہ بھی یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی غلطی پر تھے، لیکن مجتہد تھے اور ان کو اجتہاد کا ایک اجر ملے گا۔'' (الفصل في الملل والأهواء والنحل : 161/4)

❁ شیخ الاسلام، ابو العباس، احمد بن عبد الحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ)

فرماتے ہیں: وَلِهٰذَا يُنْهٰى عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ هٰؤُلَاءِ، سَوَاءً كَانُوا مِنَ الصَّحَابَةِ أَوْ مِمَّنْ بَعْدَهُمْ، فَإِذَا تَشَاجَرَ مُسْلِمَانِ فِي قَضِيَّةٍ، وَمَضَتْ، وَلَا تَعَلُّقَ لِلنَّاسِ بِهَا، وَلَا يَعْرِفُونَ حَقِيقَتَهَا، كَانَ كَلَامُهُمْ فِيهَا كَلَامًا بِلَا عِلْمٍ وَّلَا عَدْلٍ، يَتَضَمَّنُ أَذَاهُمَا بِغَيْرِ حَقٍّ، وَلَوْ عَرَفُوا أَنَّهُمَا مُذْنِبَانِ أَوْ مُخْطِئَانِ، لَكَانَ ذِكْرُ ذٰلِكَ مِنْ غَيْرِ مَصْلَحَةٍ رَاجِحَةٍ مِنْ بَابِ الْغَيْبَةِ الْمَذْمُومَةِ، لٰكِنَّ الصَّحَابَةَ رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ أَجْمَعِينَ أَعْظَمُ حُرْمَةً، وَأَجَلُّ قَدْرًا، وَأَنْزَهُ أَعْرَاضًا، وَقَدْ ثَبَتَ مِنْ فَضَائِلِهِمْ خُصُوصًا وَّعُمُومًا مَّا لَمْ يَثْبُتْ لِغَيْرِهِمْ، فَلِهٰذَا كَانَ الْكَلَامُ الَّذِي فِيهِ ذَمُّهُمْ عَلٰى مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ أَعْظَمَ إِثْمًا مِّنَ الْكَلَامِ فِي غَيْرِهِمْ .

''صحابہ کرام ہوں یا بعد والے مسلمان، ان کے باہمی اختلافات میں دخل دینے سے منع کیا گیا ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ جب دو مسلمان کسی معاملے میں جھگڑ پڑیں، پھر وہ معاملہ قصۂ پارینہ بن جائے، بعد میں آنے والے لوگوں کا اس سے کوئی تعلق بھی نہ ہو اور وہ اس کی حقیقت سے واقف بھی نہ ہوں تو ان کا اس بارے میں باتیں کرنا جہالت و ناانصافی کا باعث ہوگا اور یہ عمل ان دونوں مسلمانوں کو ناحق اذیت دینے کی کوشش ہوگی۔اگر بعد والوں کو یہ معلوم بھی ہو جائے کہ وہ غلطی پر تھے تو بھی اس معاملے کا ذکر کرنا مذموم غیبت شمار ہوگا جس میں کوئی مصلحت نہیں۔صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو عام لوگوں سے بہت بڑھ کر حرمت، مقام و مرتبے اور عزت و تکریم کے حامل تھے۔ان کے اس قدر عمومی و خصوصی فضائل و محاسن ثابت ہیں جو کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکے۔چنانچہ ان کے باہمی اختلافات کی مذمت میں کوئی بات کرنا دیگر گزرے ہوئے مسلمانوں کے اختلافات کے بارے میں بات کرنے سے بڑا جرم ہے۔''

(منهاج السنة النبويّة في نقض كلام الشيعة القدريّة : 147,146/5)

نیز فرماتے ہیں: اَلْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ مُطْلَقًا، وَهُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ . ''صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کے بارے میں خاموشی اختیار کرنا ہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔''(مجموع الفتاوی: 51/35)

❁ حافظ، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان، ذہبی رحمہ اللہ (م: 748ھ) فرماتے ہیں:

وَخَلَفَ مُعَاوِيَةَ خَلْقٌ كَثِيْرٌ يُحِبُّوْنَهُ وَيتَغَالُوْنَ فِيْهِ، وَيُفَضِّلُوْنَهُ، إِمَّا قَدْ مَلَكَهُم بِالكَرَمِ وَالحِلْمِ وَالعَطَاءِ، وَإِمَّا قَدْ وُلِدُوا فِي الشَّامِ عَلٰى حُبِّهٖ، وَتَربّى أَوْلَادُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، وَفِيْهِمْ جَمَاعَةٌ يَّسِيْرَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَعَدَدٌ كَثِيْرٌ مِّنَ التَّابِعِيْنَ وَالفُضَلَاءِ، وَحَارَبُوا مَعَهٗ أَهْلَ العِرَاقِ، وَنَشَؤُوا عَلَى النَّصْبِ، نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الهَوٰى، كَمَا قَدْ نَشَأَ جَيْشُ عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَرَعِيَّتُهٗ إِلَّا الخَوَارِجَ مِنْهُم عَلٰى حُبِّهٖ، وَالقِيَامِ مَعَهٗ، وَبُغْضِ مَنْ بَغٰى عَلَيْهِ، وَالتَّبَرِّي مِنْهُم، وَغَلَا خَلْقٌ مِّنْهُم فِي التَّشَيُّعِ، فَبِاللّٰهِ كَيْفَ يَكُوْنُ حَالُ مَنْ نَشَأَ فِي إِقْلِيْمٍ، لَا يَكَادُ يُشَاهِدُ فِيْهِ إِلَّا غَالِياً فِي الحُبِّ، مُفْرِطاً فِي البُغْضِ، وَمِنْ أَيْنَ يَقَعُ لَهُ الإِنْصَافُ وَالاعْتِدَالُ ؟ فَنَحْمَدُ اللّٰهَ عَلَى الْعَافِيَةِ الَّذِي أَوْجَدَنَا فِي زَمَانٍ قَدِ انْمَحَصَ فِيْهِ الْحَقُّ، وَاتَّضَحَ مِنَ الطَّرَفَيْنِ، وَعَرَفْنَا مَآخِذَ كُلِّ وَاحِدٍ مِّنَ الطَّائِفَتَيْنِ، وَتَبَصَّرْنَا، فَعَذَرْنَا، وَاسْتَغْفَرْنَا، وَأَحْبَبْنَا بِاقْتِصَادٍ، وَتَرَحَّمْنَا عَلَى البُغَاةِ بِتَأْوِيْلٍ سَائِغٍ فِي الجُمْلَةِ، أَوْ بِخَطَإٍ إِنْ شَاءَ اللّٰهُ مَغْفُوْرٍ، وَقُلْنَا كَمَا عَلَّمَنَا اللّٰهُ : ﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾(الحشر 59 : 10) وَتَرَضَّيْنَا أَيْضاً عَمَّنِ اعْتَزَلَ الْفَرِيْقَيْنِ، كَسَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، وَابْنِ عُمَرَ،

وَمُحَمَّدِ بْنِ مَسْلَمَةَ، وَسَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ، وَخَلْقٍ، وَتبرَّأْنَا مِنَ الخَوَارِجِ الْمَارِقِيْنَ الَّذِيْنَ حَارَبُوا عَلِيًّا، وَكَفَّرُوا الفَرِيْقَيْنِ، فَالْخَوَارِجُ كِلَابُ النَّارِ، قَدْ مَرَقُوا مِنَ الدِّيْنِ، وَمَعَ هٰذَا فَلَا نَقْطَعُ لَهُم بِخُلُوْدِ النَّارِ، كَمَا نَقْطَعُ بِهٖ لِعَبَدَةِ الْأَصْنَامِ وَالصُّلْبَانِ.[1] ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بعد بہت سے لوگ ایسے تھے جو ان سے محبت رکھتے تھے،ان کے بارے میں غلو سے کام لیتے تھے اور ان کے فضائل بیان کرتے تھے۔اس کی وجہ یا تو یہ تھی کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنی حکمرانی کے دوران ان سے حلم و کرم اور بخشش کا سلوک فرمایا تھا یا پھر یہ لوگ شام میں پیدا ہوئے تو علاقائی طور پر ان کی محبت میں پرورش پائی اور ان کی اولادیں اسی ماحول میں پروان چڑھیں۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے محبت کرنے والوں میں کچھ صحابہ کرام اور تابعین کرام کی ایک بڑی تعداد شامل تھی۔اہل شام نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مل کر اہل عراق کے خلاف لڑائی کی اور ان میں (نعوذ باللہ) بغض اہل بیت پیدا ہوا۔اسی طرح خوارج کے علاوہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی رعایا اور ان کا گروہ ان کی محبت وعقیدت میں اور ان کے مخالفین کے بغض وعناد میں پروان چڑھا۔ان میں سے ایک گروہ تو تشیع میں غلو اختیار کر گیا۔ایسے علاقے میں پرورش پانے والے لوگوں کا کیا حال ہوتا ہوگا کہ جو اپنے اردگرد کے لوگوں کو کسی خاص شخص کی محبت میں غلو کرتے اور کسی خاص شخص کے بغض میں حد سے بڑھتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ایسے لوگوں سے انصاف اور اعتدال کی کیا امید کی جا سکتی ہے؟ ہم اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہیں کہ اس نے ہمیں ایسے پرعافیت زمانے میں پیدا کیا جس میں حق نتھر کر سامنے آ گیا اور طرفین کے دلائل واضح ہو گئے۔ہم نے دونوں گروہوں کے مآخذ تک رسائی حاصل کی،غور وفکر کیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ یہ سب لوگ قابل قبول عذر رکھتے تھے۔چنانچہ ہم نے ان سب کے لیے دُعائے مغفرت کی اور اعتدال پسندی کو اختیار کرتے ہوئے جائز تاویل یا معاف شدہ غلطی کی بنیاد پر باغیوں کے لیے بھی رحمت کی دُعا کی اور وہی کہا جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں سکھایا تھا کہ:

﴿رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِيْنَ سَبَقُوْنَا بِالْإِيْمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِنَا غِلًّا لِّلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾(الحشر 59 : 10) (اے ہمارے رب! ہمیں بھی معاف فرما دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ایمان کی حالت میں ہم سے پہلے گزر چکے ہیں اور ہمارے دلوں میں ایمان والوں کے بارے میں کوئی خلش نہ ڈالنا)۔ہم نے ان صحابہ کرام کے بارے میں رضائے الٰہی طلب کی جنہوں نے دونوں فریقوں سے علیحدگی اختیار کی تھی، ان میں سیدنا سعد بن ابو وقاص، سیدنا ابن عمر، سیدنا محمد بن مسلمہ، سیدنا سعید بن زید وغیرہ شامل تھے۔البتہ ہم مسلمانوں کی جماعت سے نکل جانے والے ان خارجیوں سے براءت کا اعلان کرتے ہیں جنہوں نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے خلاف لڑائی کی اور سب صحابہ کرام کو کافر قرار دیا۔ خوارج جہنم کے کتے ہیں، وہ اسلام سے نکل چکے تھے۔اس کے باوجود ہم ان کو اس طرح ہمیشہ کے جہنمی نہیں سمجھتے جس طرح بتوں کے پجاریوں اور صلیبیوں کو سمجھتے ہیں۔''

(سير أعلام النبلاء : 128/3)

✿ حافظ، ابوفداء، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا مَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ بَعْدَهُ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، فَمِنْهُ مَا وَقَعَ عَنْ غَيْرِ قَصْدٍ، كَيَوْمِ الْجَمَلِ، وَمِنْهُ مَا كَانَ عَنِ اجْتِهَادٍ، كَيَوْمِ صِفِّينَ، وَالِاجْتِهَادُ يُخْطِئُ وَيُصِيبُ، وَلٰكِنْ صَاحِبُهُ مَعْذُورٌ وَّإِنْ أَخْطَأَ، وَمَأْجُورٌ أَيْضًا، وَأَمَّا الْمُصِيبُ فَلَهُ أَجْرَانِ اثْنَانِ . ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان میں سے بعض ایسے تھے جو بلاقصد و ارادہ واقع ہو گئے، جیسا کہ جنگِ جمل والے دن ہوا اور بعض ایسے ہیں جو اجتہادی طور پر سرزد ہوئے، جیسا کہ جنگ ِصفین والے دن ہوا۔اجتہاد کبھی غلط ہوتا ہے اور کبھی درست، لیکن اجتہاد کرنے والا غلطی بھی کرے تو اسے ایک اجر ملتا ہے اور اس کا عذر قبول کیا جاتا ہے اور اگر وہ درست ہو تو اسے دو

اجر ملتے ہیں۔''(الباعث الحثيث إلى اختصار علوم الحديث، ص : 182)

نیز فرماتے ہیں: إِنَّ أَصْحَابَ عَلِيٍّ أَدْنَى الطَّائِفَتَيْنِ إِلَى الْحَقِّ، وَهٰذَا هُوَ مَذْهَبُ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ أَنَّ عَلِيًّا هُوَ الْمُصِيبُ، وَإِنْ كَانَ مُعَاوِيَةُ مُجْتَهِدًا، وَهُوَ مَأْجُورٌ، إِنْ شَاءَ اللّٰهُ.

''بلاشبہ دونوں گروہوں میں سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی حق کے زیادہ قریب تھے۔ اہل سنت والجماعت کا یہی مذہب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ حق پر تھے،لیکن سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بھی مجتہد تھے اور ان کو بھی ان شاء اللہ ایک اجر ملے گا۔''(البداية والنهاية : 279/2)

۞ حافظ، ابوالفضل، احمد بن علی بن محمد، ابن حجر، عسقلانی رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں: وَاتَّفَقَ أَهْلُ السُّنَّةِ عَلٰى وُجُوبِ مَنْعِ الطَّعْنِ عَلٰى أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، بِسَبَبِ مَا وَقَعَ لَهُمْ مِنْ ذٰلِكَ، وَلَوْ عَرَفَ الْمُحِقَّ مِنْهُمْ، لِأَنَّهُمْ لَمْ يُقَاتِلُوا فِي تِلْكَ الْحُرُوبِ إِلَّا عَنِ اجْتِهَادٍ، وَقَدْ عَفَا اللّٰهُ تَعَالٰى عَنِ الْمُخْطِئِ فِي الِاجْتِهَادِ، بَلْ ثَبَتَ أَنَّهُ يُؤْجَرُ أَجْرًا وَّاحِدًا، وَأَنَّ الْمُصِيبَ يُؤْجَرُ أَجْرَيْنِ.

''اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلافات کی بنا پر کسی بھی صحابی پر طعن کرنا حرام ہے،اگرچہ کسی کو ان میں سے اہل حق کی پہچان ہو بھی جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اجتہادی طور پر یہ لڑائیاں کی تھیں۔اللہ تعالیٰ نے اجتہاد میں غلطی کرنے والے سے درگزر فرمایا ہے، بلکہ اسے ایک اجر ملنا بھی ثابت ہے اور جو شخص حق پر ہوگا،اسے دو اجر ملیں گے۔''(فتح الباري : 34/13)

۞ علامہ، ابومحمد، محمود بن احمد، عینی، حنفی (762-855ھ) فرماتے ہیں:

وَالْحَقُّ الَّذِي عَلَيْهِ أَهْلُ السُّنَّةِ الْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَ الصَّحَابَةِ، وَحُسْنُ الظَّنِّ بِهِمْ، وَالتَّأْوِيلُ لَهُمْ، وَأَنَّهُمْ مُّجْتَهِدُونَ مُتَأَوِّلُونَ، لَمْ يَقْصُدُوا

مَعْصِيَةً وَّلَا مَحْضَ الدُّنْيَا، فَمِنْهُمُ الْمُخْطِئُ فِي اجْتِهَادِهٖ وَالْمُصِيبُ، وَقَدْ رَفَعَ اللّٰهُ الْحَرَجَ عَنِ الْمُجْتَهِدِ الْمُخْطِئِ فِي الْفُرُوعِ، وَضَعْفِ أَجْرِ الْمُصِيبِ.

''برحق نظریہ جس پر اہل سنت والجماعت قائم ہیں، وہ یہ ہے کہ صحابہ کرام کے مابین ہونے والے اختلافات کے بارے میں خاموشی اختیار کی جائے، ان کے بارے میں حسن ظن سے کام لیا جائے، ان کے لیے تاویل کی جائے اور یہ عقیدہ رکھا جائے کہ وہ مجتہد تھے اور ان سب کے پیش نظر دلائل تھے، ان اختلافات میں سے کسی صحابی نے بھی کسی گناہ یا دنیاوی متاع کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اجتہاد میں بعض کو غلطی لگی اور بعض درستی کو پہنچے۔ اللہ تعالیٰ نے فروعی معاملات میں اجتہادی غلطی کرنے والے کو گناہ گار قرار نہیں دیا (بلکہ ایک اجر کا حق دار ٹھہرایا ہے)، جبکہ درستی کو پہنچنے والے کا اجر دوگنا کر دیا گیا ہے۔''

(عمدة القاري : 212/1)

❀ قاضی، ابوالفضل، عیاض بن موسیٰ، یحصبی (476-544ھ) فرماتے ہیں:

وَمِنْ تَوْقِيرِهٖ وَبِرِّهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوْقِيرُ أَصْحَابِهٖ وَبِرُّهُمْ، وَمَعْرِفَةُ حَقِّهِمْ، وَالِاقْتِدَاءُ بِهِمْ، وَحُسْنُ الثَّنَاءِ عَلَيْهِمْ، وَالِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ، وَالْإِمْسَاكُ عَمَّا شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَمُعَادَاةُ مَنْ عَادَاهُمْ، وَالْإِضْرَابُ عَنْ أَخْبَارِ الْمُؤَرِّخِينَ، وَجَهَلَةِ الرُّوَاةِ، وَضُلَّالِ الشِّيعَةِ وَالْمُبْتَدِعِينَ الْقَادِحَةِ فِي أَحَدٍ مِّنْهُمْ، وَأَنْ يُّلْتَمَسَ لَهُمْ فِيمَا نُقِلَ عَنْهُمْ مِّنْ مِثْلِ ذٰلِكَ فِيمَا كَانَ بَيْنَهُمْ مِنَ الْفِتَنِ أَحْسَنُ التَّأْوِيلَاتِ، وَيُخَرَّجُ لَهُمْ أَصْوَبُ الْمَخَارِجِ، إِذْ هُمْ أَهْلُ ذٰلِكَ، وَلَا يُذْكَرَ أَحَدٌ مِّنْهُمْ بِسُوءٍ، وَلَا يُغْمَصَ عَلَيْهِ أَمْرٌ، بَلْ تُذْكَرَ حَسَنَاتُهُمْ وَفَضَائِلُهُمْ وَحَمِيدُ سِيَرِهِمْ، وَيُسْكَتُ عَمَّا وَرَاءَ ذٰلِكَ.

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت وتکریم کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام کی

عزت وتکریم کی جائے، ان کا حق پہچانا جائے،ان کی اقتدا کی جائے،ان کے بارے میں حسن ظن رکھا جائے،ان کے لیے استغفار کیا جائے،ان کے مابین ہونے والے اختلافات میں اپنی زبان بند رکھی جائے،ان کے دشمنوں سے عداوت رکھی جائے،ان کے خلاف مؤرخین کی (بے سند) خبروں ،مجہول راویوں کی بیان کردہ روایات،گمراہ شیعوں اور بدعتی لوگوں کی پھیلائی ہوئی من گھڑت کہانیوں کونظر انداز کیا جائے،جن سے ان کی شان میں کمی ہوتی ہو۔ان کے مابین فتنوں پر مبنی جو اختلافات ہوئے ہیں،ان کو اچھے معنوں پر محمول کیا جائے اور ان کے لیے بہتر عذر تلاش کیے جائیں، کیونکہ وہ لوگ اسی کے اہل ہیں۔ان میں سے کسی کا بھی بُرا تذکرہ نہ کیا جائے،نہ ان پر کوئی الزام دھرا جائے،بلکہ صرف ان کی نیکیاں،فضائل اور ان کی سیرت کے محاسن بیان کیے جائیں۔اس سے ہٹ کر جو باتیں ہوں،ان سے اپنی زبان کو بند رکھا جائے۔''(الشفا بتعریف حقوق المصطفٰی : 612,611/2)

ہم نے علمائے سلف کی نصائح پر مبنی یہ چند صفحات عام مسلمانوں کی خیرخواہی کے نظریے سے تحریر کیے ہیں، کیونکہ بعض لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی صحابہ کرام کو انہی مشاجرات کی بنا پر تنقید کا نشانہ بناتے ہیں اور لوگوں کو بھی ان سے بدظن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔مثلاً وہ کہتے ہیں کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا،وغیرہ۔ حالانکہ یہ صحابہ کرام کا باہمی معاملہ تھا،جس کو اللہ رب العالمین نے معاف فرما دیا ہے اور ان سے راضی ہو گیا ہے۔ائمہ اہل سنت نے مشاجراتِ صحابہ کے حوالے سے روایات تو اپنی کتابوں میں درج کی ہیں،لیکن ان کی بنا پر کسی بھی صحابی پر طعن وتنقید نہیں کی۔سلف صالحین ہی قرآن وسنت کی نصوص اور صحابہ کرام کے معاملے کو بہتر طور پر سمجھتے تھے۔

بتقاضائے بشریت صحابہ کرام سے ایسی باتوں کا صدور باعثِ ملامت نہیں،جیسا کہ سیدنا عباس رضی اللہ عنہ نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا:

يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ، اقْضِ بَيْنِي وَبَيْنَ هٰذَا الْكَاذِبِ، الْآثِمِ، الْغَادِرِ، الْخَائِنِ .

''اے امیر المؤمنین! میرے اور اس جھوٹے،سیاہ کار،دھوکہ باز اور خائن کے مابین

فیصلہ صادر فرمادیں۔" (صحيح مسلم : 1757، صحيح البخاري : 3094، مختصرًا)

کیا سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ان الفاظ کی بنا پر سیدنا عباس رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی وہی معاملہ کرنا جائز ہے جو معاملہ بعض لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ کرتے ہیں؟ حق یہ ہے کہ صحابہ کرام معصوم عن الخطا نہیں تھے، لیکن ہم مشاجراتِ صحابہ میں سلف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں تمام اصحابِ رسول کی محبت پر زندہ رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرمائے۔

اور سوئی مل گئی! (ایک جھوٹی روایت)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے منسوب ایک روایت بیان کی جاتی ہے کہ:

اِسْتَعَرْتُ مِنْ حَفْصَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ إِبْرَةً، كُنْتُ أَخِيطُ بِهَا ثَوْبَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَقَطَتْ مِنِّي الْإِبْرَةُ، فَطَلَبْتُهَا، فَلَمْ أَقْدِرْ عَلَيْهَا، فَدَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَبَيَّنَتِ الْإِبْرَةُ مِنْ شُعَاعِ نُورِ وَجْهِهٖ، فَضَحِكْتُ، فَقَالَ : يَا حُمَيْرَاءُ ! لِمَ ضَحِكْتِ؟ قُلْتُ : كَانَ كَيْتَ وَكَيْتَ، فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ : يَا عَائِشَةُ ! الْوَيْلُ ثُمَّ الْوَيْلُ، ثَلَاثًا، لِمَنْ حُرِمَ النَّظَرَ إِلٰى هٰذَا الْوَجْهِ، مَا مِنْ مُّؤْمِنٍ وَّلَا كَافِرٍ، إِلَّا وَيَشْتَهِي أَنْ يَّنْظُرَ إِلٰى وَجْهِي.

"میں نے حفصہ بنتِ رواحہ سے ایک سوئی ادھار لی، جس کے ساتھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے سی رہی تھی۔ وہ سوئی گر گئی، میں نے تلاش کیا، لیکن نہ مل سکی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ کے چہرے کے نور سے وہ سوئی چمک اٹھی۔ میں ہنس دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حمیرا! آپ کیوں ہنسی ہیں؟ میں نے واقعہ کہہ سنایا۔ آپ نے بلند آواز سے پکار کر تین مرتبہ فرمایا: عائشہ! اس شخص کے لیے ویل ہے، جو اس چہرے کو دیکھنے سے محروم رہا۔ ہر مؤمن اور ہر کافر میرے چہرے کو دیکھنا چاہتا ہے۔" (تاريخ دمشق لابن عساكر : 310/3)

لیکن یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① مسعدہ بن بکر فرغانی کی اس روایت کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ (میزان الاعتدال : 98/4، ت : 8464) اور ابن عراق کنانی (تنزیہ الشریعہ : 117/1، الرقم : 327) نے جھوٹ کہا ہے۔

اس کی ایک اور روایت کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے باطل (جھوٹی) قرار دیا ہے۔ (لسان الميزان : 22/6)

② اس میں محمد بن اسحاق کی "تدلیس" بھی ہے، سماع کی تصریح نہیں ملی۔

لہٰذا یہ جھوٹی روایت ہے۔

صحابی ابن صحابی، کاتبِ وحی اور امین وحی، مؤمنوں کے ماموں، سیدنا ومحبوبنا ابوعبدالرحمٰن، معاویہ بن ابوسفیان بن حرب، قرشی، اموی بے شمار فضائل ومناقب کے حامل ہیں۔ آپ کو اسلام کا پہلا منصف بادشاہ ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

عباسی حکمران، القائم بامر اللہ، ابوجعفر ابن القادر ہاشمی (391-467ھ) نے 430ھ کے لگ بھگ ''الاعتقاد القادری'' کے نام سے مسلمانوں کا اجماعی عقیدہ شائع کیا، جس کا مخالف باتفاقِ اہل علم فاسق و کافر قرار پایا۔ اس عقیدہ میں یہ بات بھی مندرج ہے:

وَلَا يَقُولُ فِي مُعَاوِيَةَ رضي الله عنه إِلَّا خَيْرًا، وَلَا يَدْخُلُ فِي شَيْءٍ شَجَرَ بَيْنَهُمْ، وَيَتَرَحَّمُ عَلٰى جَمَاعَتِهِمْ .

''مسلمان سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں صرف اچھی بات کرے اور صحابہ کرام کے مابین جو اختلافات ہوئے، ان میں دخل نہ دے، بلکہ ان سب کے لیے رحمت کی دُعا کرے۔''

(الاعتقاد القادريّ، المندرج في المنتظم لابن الجوزي : 281/15، وسندهٗ صحيحٌ)

تبع تابعی ابواسامہ حماد بن اسامہ رحمہ اللہ (م :201ھ) سے پوچھا گیا کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ زیادہ فضیلت والے ہیں یا عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ؟ تو انہوں نے فرمایا:

أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ لَا يُقَاسُ بِهِمْ أَحَدٌ .

''رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام سے کسی کا بھی موازنہ نہیں کیا جا سکتا۔''

(الشريعة للآجري :2011، جامع بيان العلم وفضله لابن عبد البرّ : 229/2، وسندهٗ صحيحٌ)

ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا زَالَ بِي مَا رَأَيْتُ مِنْ أَمْرِ النَّاسِ فِي الْفِتْنَةِ، حَتّٰى إِنِّي لَأَتَمَنّٰى أَنْ يَّزِيدَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مُعَاوِيَةَ مِنْ

عُمُرِي فِي عُمُرِہٖ . ”فتنے کے دَور میں لوگوں کے جو حالات میں دیکھتی رہی، ان میں ہمیشہ میری یہ تمنا تھی کہ اللہ تعالیٰ میری عمر، معاویہ رضی اللہ عنہ کو لگا دے۔“

(الطبقات لأبي عروبة الحرّاني، ص :41، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بہت سے فضائل صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔سب سے بڑی فضیلت ومنقبت تو شرفِ صحابیت ہے۔اس کے علاوہ کچھ بھی ثابت نہ ہوتو بھی یہی فضیلت کافی ہے، کیونکہ ہر ہر صحابی کی الگ الگ معین فضیلت ثابت نہیں۔صحیح احادیث میں معدودے چند صحابہ کرام کی معین فضیلت مذکور ہے۔ایسا نہیں کہ باقی صحابہ کرام کی کوئی فضیلت تھی ہی نہیں۔لہٰذا صرف صحابی ہونا ہی فضیلت کے لیے کافی ہے۔

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل میں بھی سب سے بڑی فضیلت ان کا صحابیِ رسول ہونا ہے۔یہ ایک عمومی فضیلت ہے،اس کے علاوہ صحیح احادیث سے آپ کے کئی خصوصی فضائل بھی ثابت ہیں۔

بعض لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا انکار کرنے کے لیے امام نسائی رحمہ اللہ کی شہادت کے قصے سے دلیل لیتے ہیں،جس میں مذکور ہے کہ امامِ نسائی رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت کی نفی کی،لیکن یہ واقعہ باسند صحیح ثابت نہیں۔اس کی سند میں ”مجہول“ اور غیر معتبر راوی موجود ہیں،لہٰذا ایسی بے سروپا روایات کا کوئی اعتبار نہیں۔

اسی طرح امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ کی طرف یہ قول منسوب ہے:

لَا يَصِحُّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي فَضْلِ مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ شَيْءٌ . ”نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سیدنا معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں کچھ بھی ثابت نہیں۔“(تاريخ دمشق لابن عساكر : 105/59، سير أعلام النبلاء للذهبي : 132/3)

لیکن یہ قول ثابت نہیں ہو سکا،کیونکہ اس کی سند میں ابو العباس اصم کے والد یعقوب بن یوسف بن معقل،ابوفضل،نیشاپوری کی توثیق نہیں ملی۔بعض کتب میں اس سند سے ابو العباس

اصم کے والد کا واسطہ گر گیا ہے۔ آیئے صحیح احادیث کی روشنی میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے فضائل ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور کتابتِ وحی

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ: وَمُعَاوِيَةُ، تَجْعَلُهُ كَاتِبًا بَيْنَ يَدَيْكَ؟

''کیا آپ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا کاتب مقرر فرمائیں گے؟'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«نَعَمْ» ''جی ہاں۔'' (صحيح مسلم: 304/2، ح: 2501)

ایک روایت میں ہے: وَكَانَ يَكْتُبُ الْوَحْيَ.

''آپ کاتبِ وحی تھے۔'' (دلائل النبوّة للبيهقي: 243/6، وسندهٗ صحيحٌ)

تبع تابعی، شیخ الاسلام، مُعافیٰ بن عمران رحمہ اللہ (م: 186/185ھ) فرماتے ہیں:

مُعَاوِيَةُ، صَاحِبُهٗ، وَصِهْرُهٗ، وَكَاتِبُهٗ، وَأَمِينُهٗ عَلٰى وَحْيِ اللّٰهِ.

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، آپ کے سالے، آپ کے کاتب اور اللہ کی وحی کے سلسلے میں آپ کے امین تھے۔'' (تاريخ بغداد للخطيب: 209/1، تاريخ ابن عساكر: 208/59، البداية والنهاية لابن كثير: 148/8، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ (499-571ھ) فرماتے ہیں:

وَأَصَحُّ فِي فَضْلِ مُعَاوِيَةَ حَدِيثُ أَبِي جَمْرَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّهٗ كَانَ كَاتِبَ النَّبِيِّ ﷺ مُنْذُ أَسْلَمَ. ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں اصح حدیث ابوجمرہ کی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کردہ ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ جب سے اسلام لائے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتب تھے۔'' (البداية والنهاية لابن كثير: 128/8)

امام ابومنصور معمر بن احمد، اصبہانی رحمہ اللہ (م: 428ھ) اہل حدیث کا اجماعی عقیدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: وَأَنَّ مُعَاوِيَةَ بْنَ أَبِي سُفْيَانَ كَاتِبُ وَحْيِ اللّٰهِ

وَأَمِينُهُ، وَرَدِيفُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَخَالُ الْمُؤْمِنِينَ رضی اللہ عنہ.

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو وحیِ الٰہی کے کاتب وامین ہونے، رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سواری پر سوار ہونے اور مؤمنوں کے ماموں ہونے کا شرف حاصل ہے۔''

(الحجة في بيان المحجّة للإمام قوّام السنّة أبي القاسم إسماعيل بن محمّد الأصبهاني : 248/1، وسندهٗ صحيحٌ)

علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (م : 620ھ) مسلمانوں کا عقیدہ یوں بیان فرماتے ہیں :

وَمُعَاوِيَةُ خَالُ الْمُؤْمِنِينَ، وَكَاتِبُ وَحْيِ اللّٰهِ، وَأَحَدُ خُلَفَاءِ الْمُسْلِمِينَ.

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ مؤمنوں کے ماموں، کاتبِ وحیِ الٰہی اور مسلمانوں کے ایک خلیفہ تھے۔'' (لمعة الاعتقاد، ص : 33)

پہلے بحری بیڑے کی کمان اور جہاد فی سبیل اللہ

رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے : «أَوَّلُ جَيْشٍ مِّنْ أُمَّتِي يَغْزُونَ الْبَحْرَ، قَدْ أَوْجَبُوا». ''میری امت میں سے پہلا گروہ جو سمندری جہاد کرے گا، انہوں نے (مغفرت و جنت کو) واجب کر لیا۔'' (صحيح البخاري : 410/1، ح : 2924)

شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں :

وَقَوْلُهٗ : قَدْ أَوْجَبُوا، أَيْ فَعَلُوا فِعْلًا، وَجَبَتْ لَهُمْ بِهِ الْجَنَّةُ.

''نبی اکرم ﷺ کے فرمان کہ انہوں نے واجب کر لیا، کی مراد یہ ہے کہ انہوں نے وہ کارِ خیر سرانجام دیا، جس کی بنا پر ان کے لیے جنت واجب ہو گئی۔'' (فتح الباري : 103/6)

سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلَى ابْنَةِ مِلْحَانَ، فَاتَّكَأَ عِنْدَهَا، ثُمَّ ضَحِكَ، فَقَالَتْ : لِمَ تَضْحَكُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ؟ فَقَالَ : «نَاسٌ مِّنْ أُمَّتِي يَرْكَبُونَ الْبَحْرَ الْأَخْضَرَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، مَثَلُهُمْ

مَثَلُ الْمُلُوكِ عَلَى الْأَسِرَّةِ» . ”رسول اللہ ﷺ ایک دن (سیدہ ام حرام بنتِ ملحان رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور وہاں ٹیک لگا کر بیٹھ گئے، (اسی حالت میں سو گئے) پھر آپ (بیدار ہوئے اور) مسکرائے۔ سیدہ ام حرام رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: اللہ کے رسول! آپ کیوں مسکرائے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت میں کچھ لوگ جہاد کے لیے سبز سمندر میں سفر کریں گے۔ وہ تختوں پر براجمان بادشاہوں کی طرح ہوں گے۔“

(صحيح البخاري: 403/1، ح: 2877، 2878، صحيح مسلم: 2/141-142، ح: 1912)

صحیح مسلم میں ہے کہ اس سمندری جہاد کی سعادت و قیادت اور فضیلت بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حصے میں آئی۔ اس بات پر امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ پہلا لشکر جس نے بحری جہاد کیا، اس کے کمانڈر سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔ اس حدیث سے آپ رضی اللہ عنہ کی منقبت و فضیلت کو چار چاند لگ گئے ہیں۔ ثابت ہوا کہ یقیناً آپ رضی اللہ عنہ کو جنت کی سند حاصل ہے۔

امامِ اندلس، علامہ، ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَفِيهِ فَضْلٌ لِّمُعَاوِيَةَ رَحِمَهُ اللّٰهُ، إِذْ جَعَلَ مَنْ غَزَا تَحْتَ رَايَتِهٖ مِنَ الْأَوَّلِينَ، وَرُؤْيَا الْأَنْبِيَاءِ، صَلَوَاتُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ، وَحْيٌ .

”اس حدیث میں سیدنا معاویہ رحمہ اللہ کی فضیلت ہے، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے (بوحیِ الٰہی) ان کی کمان میں جہاد کرنے والوں کو اولین قرار دیا ہے اور انبیائے کرام علیہم السلام کے خواب وحی ہی ہوتے ہیں۔“ (التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد: 235/1)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے رسول اللہ ﷺ کی دعائیں

❀ سیدنا عبد الرحمٰن بن ابو عمیرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا: «اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا مَّهْدِيًّا، وَاهْدِهٖ، وَاهْدِ بِهٖ، وَلَا تُعَذِّبْهُ» . ”اے اللہ! معاویہ کو ہدایت یافتہ اور ہدایت کنندہ

بنا۔ان کو بھی ہدایت دے اور ان کے ذریعے لوگوں کو بھی۔ان کو عذاب سے بچا۔''

(مسند الإمام أحمد : 216/4، سنن الترمذي : 3842، وقال : حسنٌ غريبٌ، التاريخ الكبير للبخاري : 240/5، الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : 1129، الشريعة للآجري : 1914، والسياق لهٗ، تاريخ بغداد للخطيب : 207/1-208، وسندهٗ حسنٌ)

❁ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : كُنْتُ أَلْعَبُ مَعَ الصِّبْيَانِ، فَجَاءَ رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، فَتَوَارَيْتُ خَلْفَ بَابٍ، قَالَ : فَجَاءَ، فَحَطَأَنِي حَطْأَةً، وَقَالَ : «اذْهَبْ، وَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ»، قَالَ : فَجِئْتُ، فَقُلْتُ : هُوَ يَأْكُلُ، قَالَ : ثُمَّ قَالَ لِي : «اذْهَبْ، فَادْعُ لِي مُعَاوِيَةَ»، قَالَ : فَجِئْتُ، فَقُلْتُ : هُوَ يَأْكُلُ، فَقَالَ : «لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ» .

''میں بچوں کے ساتھ کھیل میں مصروف تھا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ میں ایک دروازے کے پیچھے چھپ گیا۔آپ ﷺ نے (پیار سے) میرے کندھوں کے درمیان تھپکی لگائی اور فرمایا : جاؤ اور معاویہ کو میرے پاس بلاؤ۔ میں معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا تو وہ کھانا کھا رہے تھے۔آپ ﷺ نے مجھے دوبارہ فرمایا کہ جاؤ اور معاویہ کو میرے پاس بلاؤ۔میں دوبارہ گیا تو وہ ابھی کھانا ہی کھا رہے تھے۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : اللہ تعالیٰ ان کے پیٹ کو نہ بھرے۔''(صحيح مسلم : 325/2، ح : 2604)

یہ حدیث سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کرتی ہے۔اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا یہ کلام بطورِ بددعا نہیں تھا، بلکہ بطورِ مزاح اور بطورِ تکیۂ کلام تھا۔کلامِ عرب میں ایسی عبارات کا بطورِ مزاح یا بطورِ تکیۂ کلام استعمال ہونا ایک عام بات ہے۔عربی لغت و ادب کے ادنیٰ طلبہ بھی اس سے واقف ہیں۔

مشہور لغوی، شارحِ مسلم، حافظ یحییٰ بن شرف نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں :

إِنَّ مَا وَقَعَ مِنْ سَبِّهٖ وَدُعَائِهٖ وَنَحْوِهٖ، لَيْسَ بِمَقْصُودٍ، بَلْ هُوَ مِمَّا جَرَتْ

بِهٖ عَادَةُ الْعَرَبِ فِي وَصْلِ كَلَامِهَا بِلَا نِيَّةٍ، كَقَوْلِهٖ : «تَرِبَتْ يَمِينُكَ»، «وعَقْرٰى حَلْقٰى»، وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ : «لَا كَبِرَتْ سِنُّكِ»، وَفِي حَدِيثِ مُعَاوِيَةَ : «لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ»، وَنَحْوِ ذٰلِكَ، لَا يَقْصُدُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ حَقِيقَةَ الدُّعَاءِ .

''بعض احادیث میں (صحابہ کرام کے لیے) رسول اللہ ﷺ کی جو بددعا وغیرہ منقول ہے، وہ حقیقت میں بددعا نہیں، بلکہ یہ ان باتوں میں سے ہے جو عرب لوگ بغیر نیت کے بطورِ تکیۂ کلام بول دیتے ہیں۔ (بعض احادیث میں کسی صحابی کو تعلیم دیتے ہوئے) نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان کہ «تَرِبَتْ يَمِينُكَ» (تیرا داہنا ہاتھ خاک آلود ہو)، (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو آپ ﷺ کا فرمانا کہ) «عَقْرٰى حَلْقٰى» (تُو بانجھ ہو اور تیرے حلق میں بیماری ہو)، اس حدیث میں یہ فرمان کہ «لَا كَبِرَتْ سِنُّكِ» (تیری عمر زیادہ نہ ہو) اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان کہ «لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ» (اللہ تعالیٰ ان کا پیٹ نہ بھرے)، یہ ساری باتیں اسی قبیل سے ہیں۔ ایسی باتوں سے اہلِ عرب بددعا مراد نہیں لیتے۔'' (شرح صحيح مسلم: 152/16)

مشہور لغوی، ابو منصور، محمد بن احمد، ازہری (م: 370ھ) ایسے کلمات کے بارے میں مستند لغوی ابو عبید سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وَهٰذَا عَلٰى مَذْهَبِ الْعَرَبِ فِي الدُّعَاءِ عَلَى الشَّيْءِ مِنْ غَيْرِ إِرَادَةٍ لِّوُقُوعِهٖ، لَا يُرَادُ بِهِ الْوُقُوعَ .

''ایسی باتیں عربوں کے اس طریقے کے مطابق ہیں، جس میں وہ کسی کے بارے میں بددعا کرتے ہیں لیکن اس کے وقوع کا ارادہ نہیں کرتے، یعنی بددعا کا پورا ہو جانا مراد ہی نہیں ہوتا۔'' (تهذيب اللغة :145/1)

شارحِ صحیح بخاری، علامہ ابن بطال رحمہ اللہ (م: 449ھ) اس طرح کی ایک عبارت کے

بارے میں فرماتے ہیں: هِيَ كَلِمَةٌ لَّا يُرَادُ بِهَا الدُّعَاءُ، وَإِنَّمَا تُسْتَعْمَلُ فِي الْمَدْحِ، كَمَا قَالُوا لِلشَّاعِرِ، إِذَا أَجَادَ: قَاتَلَهُ اللّٰهُ، لَقَدْ أَجَادَ .

''یہ ایسا کلمہ ہے کہ اس سے بددعا مراد نہیں ہوتی۔اسے صرف تعریف کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، جیسا کہ جب کوئی شاعر عمدہ شعر کہے تو عرب لوگ کہتے ہیں: قَاتَلَهُ اللّٰهُ (اللہ تعالیٰ اسے مارے)،اس نے عمدہ شعر کہا ہے۔''(شرح صحيح البخاري: 329/9)

صحیح مسلم کی یہ حدیث اسی معنیٰ ومفہوم کی مؤید ہے،سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَتْ عِنْدَ أُمِّ سُلَيْمٍ يَتِيمَةٌ، وَهِيَ أُمُّ أَنَسٍ، فَرَآى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْيَتِيمَةَ، فَقَالَ: «آنْتِ هِيَهْ؟ لَقَدْ كَبِرْتِ، لَا كَبِرَ سِنُّكِ»، فَرَجَعَتِ الْيَتِيمَةُ إِلٰى أُمِّ سُلَيْمٍ تَبْكِي، فَقَالَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ: مَا لَكِ يَا بُنَيَّةُ؟ قَالَتِ الْجَارِيَةُ: دَعَا عَلَيَّ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنْ لَّا يَكْبَرَ سِنِّي، فَالْآنَ لَا يَكْبَرُ سِنِّي أَبَدًا، أَوْ قَالَتْ: قَرْنِي، فَخَرَجَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ مُسْتَعْجِلَةً تَلُوثُ خِمَارَهَا، حَتّٰى لَقِيَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «مَا لَكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟» فَقَالَتْ: يَا نَبِيَّ اللّٰهِ! أَدَعَوْتَ عَلٰى يَتِيمَتِي، قَالَ: وَمَا ذَاكِ يَا أُمَّ سُلَيْمٍ؟ قَالَتْ: زَعَمَتْ أَنَّكَ دَعَوْتَ أَنْ لَّا يَكْبَرَ سِنُّهَا، وَلَا يَكْبَرَ قَرْنُهَا، قَالَ فَضَحِكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، ثُمَّ قَالَ: «يَا أُمَّ سُلَيْمٍ! أَمَا تَعْلَمِينَ أَنَّ شَرْطِي عَلٰى رَبِّي، أَنِّي اشْتَرَطْتُّ عَلٰى رَبِّي، فَقُلْتُ: إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، أَرْضٰى كَمَا يَرْضَى الْبَشَرُ، وَأَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ، فَأَيُّمَا أَحَدٍ دَعَوْتُ عَلَيْهِ، مِنْ أُمَّتِي، بِدَعْوَةٍ لَيْسَ لَهَا بِأَهْلٍ، أَنْ يَّجْعَلَهَا لَهُ طَهُورًا وَّزَكَاةً، وَقُرْبَةً يُّقَرِّبُهُ

بِهَا مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

''سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا، جو کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کی والدہ تھیں، ان کے ہاں ایک لڑکی تھی۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو دیکھا تو فرمایا: یہ تُو ہے؟ تُو تو بڑی ہو گئی ہے۔ تیری عمر بڑی نہ ہو۔ یہ سن کر وہ لڑکی روتی ہوئی سیدہ ام سلیم کی طرف دوڑی۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا نے پوچھا: بیٹی! تجھے کیا ہوا؟ اس نے عرض کیا: میرے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا فرما دی ہے کہ میری عمر نہ بڑھے۔ اب تو میری عمر کبھی نہیں بڑھے گی۔ سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا جلدی سے اپنی چادر زمین پر گھسیٹتے ہوئے گئیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ام سلیم! آپ کو کیا ہوا؟ انہوں نے عرض کیا: اللہ کے نبی! آپ نے اس لڑکی کے لیے بددعا فرمائی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بات کیا ہے؟ عرض کیا: لڑکی کہتی ہے کہ آپ نے اس کو یہ بددعا دی ہے کہ اس کی عمر نہ بڑھے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے اور فرمایا: ام سلیم! کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے اپنے رب سے یہ شرط منظور کرائی ہے اور دُعا کی ہے کہ میں ایک انسان ہوں، انسانوں کی طرح راضی بھی ہوتا ہوں اور ناراض بھی۔ لہٰذا جس کے لیے بھی میں بددعا کر دوں جس کا وہ مستحق نہ ہو، تو اس بددعا کو اس کے لیے گناہوں سے پاکیزگی اور طہارت بنا دے، نیز اس بددعا کو روزِ قیامت اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔''

(صحیح مسلم : 2603)

اب کوئی بتائے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لڑکی کو کسی ناراضی یا غصہ کی بنا پر یہ الفاظ کہے تھے، جو اس لڑکی اور سیدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا کے لیے پریشانی کا سبب بھی بن گئے؟ اور کیا ان الفاظ سے اس لڑکی کی کوئی تنقیص ثابت ہوتی ہے؟ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرما دی کہ یہ الفاظ بطورِ بددعا نہیں تھے اور ایسے الفاظ یقیناً سننے والے کے لیے بسا اوقات پریشانی کا سبب بن جاتے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے یہ دُعا بھی کر دی کہ اللہ تعالیٰ ایسے الفاظ کو مخاطبین کے لیے اجر و ثواب اور اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔

امام مسلم رحمہ اللہ نے اسی حدیث کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ نقل فرمائے ہیں کہ: لَا أَشْبَعَ اللّٰهُ بَطْنَهٗ . ''اللہ تعالیٰ ان کا پیٹ نہ بھرے۔''

یوں یہ الفاظ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے باعث تقربِ الٰہی اور باعثِ منقبت وفضیلت ہیں۔علمائے اہل سنت واہل حق کا یہی فہم ہے۔

اسی لیے حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَرَكَّبَ مُسْلِمٌ مِّنَ الْحَدِيثِ الْأَوَّلِ، وَهٰذَا الْحَدِيثُ فَضِيلَةٌ لِّمُعَاوِيَةَ .

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو پہلی حدیث کے متصل بعد ذکر کیا ہے۔یوں اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔''(البداية والنهاية : 8/119-120)

وکیل صحابہ،شارحِ صحیح مسلم،حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ فَهِمَ مُسْلِمٌ رَّحِمَهُ اللّٰهُ مِنْ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّ مُعَاوِيَةَ لَمْ يَكُنْ مُسْتَحِقًّا لِّلدُّعَاءِ عَلَيْهِ، فَلِهٰذَا أَدْخَلَهٗ فِي هٰذَا الْبَابِ، وَجَعَلَهٗ غَيْرُهٗ مِنْ مَّنَاقِبِ مُعَاوِيَةَ، لِأَنَّهٗ فِي الْحَقِيقَةِ يَصِيرُ دُعَاءً لَهٗ .

''امام مسلم رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہ فہم لیا ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بددعا کے مستحق نہیں تھے۔یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔امام مسلم کے علاوہ دیگر اہل علم نے بھی اس حدیث کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں شامل کیا ہے، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ حقیقت میں ان کے لیے دُعا بن گئے تھے۔''

(شرح صحيح مسلم : 16/156)

یہ تو بات تھی ان الفاظ کے بارے میں جو بطورِ مدح وتکیہ کلام رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے صادر ہوئے تھے،جبکہ معاملہ اس سے بھی کہیں آگے ہے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن صحابہ کرام کے لیے بتقاضائے بشریت حقیقی بددعا کر دی،اللہ تعالیٰ نے اس بددعا کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی وجہ سے ان کے لیے باعثِ رحمت بنا دیا،جیسا کہ صحیح مسلم میں

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

«اَللّٰهُمَّ ! إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّمَا رَجُلٍ مِّنَ الْمُسْلِمِينَ سَبَبْتُهُ، أَوْ لَعَنْتُهُ، أَوْ جَلَدْتُهُ، فَاجْعَلْهَا لَهُ زَكَاةً وَّرَحْمَةً»

''اے اللہ! میں ایک بشر ہوں، لہٰذا مسلمانوں میں سے جس شخص کو میں بُرا بھلا کہوں یا اس کے لیے بددعا کروں یا اسے ماروں تو ان چیزوں کو اس کے لیے پاکیزگی اور رحمت بنا دے۔''(صحیح مسلم :89/2601)

ایک روایت (صحیح مسلم :91/2601) میں یہ الفاظ ہیں:

«اَللّٰهُمَّ ! إِنَّمَا مُحَمَّدٌ بَشَرٌ، يَغْضَبُ كَمَا يَغْضَبُ الْبَشَرُ، وَإِنِّي قَدِ اتَّخَذْتُ عِنْدَكَ عَهْدًا لَّنْ تُخْلِفَنِيهِ، فَأَيُّمَا مُؤْمِنٍ آذَيْتُهُ، أَوْ سَبَبْتُهُ، أَوْ جَلَدْتُهُ، فَاجْعَلْهَا لَهُ كَفَّارَةً، وَقُرْبَةً، تُقَرِّبُهُ بِهَا إِلَيْكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ»

''اے اللہ! بلاشبہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بشر ہے، اسے انسانوں کی طرح غصہ آ جاتا ہے۔ میں نے تجھ سے ایسا وعدہ لیا ہوا ہے، جس کو تُو نہیں توڑے گا۔ وہ یہ ہے کہ جس مؤمن کو میں تکلیف دوں یا اسے بُرا بھلا کہوں یا اسے ماروں، تُو اِن چیزوں کو اس کے لیے گناہوں کا کفارہ بنا دے اور روزِ قیامت ان چیزوں کو اس کے لیے اپنے تقرب کا ذریعہ بنا دے۔''

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے: دَخَلَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَانِ، فَكَلَّمَاهُ بِشَيْءٍ، لَا أَدْرِي مَا هُوَ، فَأَغْضَبَاهُ، فَلَعَنَهُمَا، وَسَبَّهُمَا، فَلَمَّا خَرَجَا، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَنْ أَصَابَ مِنَ الْخَيْرِ شَيْئًا، مَا أَصَابَهُ هٰذَانِ، قَالَ : «وَمَا ذَاكِ؟» قَالَتْ : قُلْتُ : لَعَنْتَهُمَا وَسَبَبْتَهُمَا، قَالَ : «أَوَ مَا عَلِمْتِ مَا شَارَطْتُ عَلَيْهِ رَبِّي؟»، قُلْتُ : «اَللّٰهُمَّ !

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ، فَأَيُّ الْمُسْلِمِينَ لَعَنْتُهُ، أَوْ سَبَبْتُهُ، فَاجْعَلْهُ لَهُ زَكَاةً وَّأَجْرًا».

''دو آدمی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے کوئی بات کی، میں وہ بات سمجھ نہیں پائی۔ان کی بات کی وجہ سے آپ ﷺ کو غصہ آ گیا۔آپ نے ان کو بُرا بھلا کہا اور بددعا دی۔ جب وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس سے چلے گئے تو میں نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا اتنی تکلیف بھی کسی کو پہنچی ہو گی جتنی ان کو پہنچی ہے؟ آپ نے فرمایا: کیا مطلب؟ میں نے عرض کیا: آپ نے انہیں بُرا بھلا کہا اور بددعا دی ہے۔آپ نے فرمایا: کیا آپ کو وہ شرط معلوم ہے جو میں نے اپنے رب پر رکھی ہے؟ میں نے اپنے رب سے یہ شرط رکھی ہے کہ اے اللہ! میں ایک بشر ہوں، لہٰذا جس مسلمان کو میں بددعا دوں یا بُرا بھلا کہوں، تُو اسے اس کے لیے گناہوں سے پاکیزگی اور اجر کا باعث بنا دے۔''(صحیح مسلم: 2600)

ثابت ہوا کہ اگر رسول اللہ ﷺ نے غصے میں کسی صحابی کے لیے حقیقی بددعا بھی کر دی تو وہ بھی اس صحابی کے لیے اجر وثواب اور مغفرت وتقربِ الٰہی کا باعث بن گئی۔ چہ جائیکہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کے ناراض ہونے کی کوئی دلیل بھی نہیں۔

اگر بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تاخیر کی بنا پر غصے میں یہ الفاظ کہے تو بھی ہماری ذکر کردہ احادیث کی روشنی میں یہ الفاظ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت اور تقربِ الٰہی کی بین دلیل ہیں۔

اس حدیث کا سیاق بھی سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت ومنقبت پر دلالت کرتا ہے، مسند طیالسی (2869، وسندۂ صحیح) میں اسی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلٰى مُعَاوِيَةَ، يَكْتُبُ لَهُ.

''رسول اللہ ﷺ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف پیغام بھیجا کہ آپ کے لیے وحی کی کتابت کریں۔''

یعنی اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا کاتبِ وحی ہونا ثابت ہو رہا ہے، جو کہ

باجماعِ امت بہت بڑی فضیلت ومنقبت اور شرف ہے۔اسی لیے :

حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ (499-571ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَأَصَحُّ مَا رُوِيَ فِي فَضْلِ مُعَاوِيَةَ .

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں مروی سب سے صحیح حدیث یہی ہے۔''

(تاریخ دمشق : 106/59، البداية والنهاية لابن كثير : 131/8)

مشہور اہل حدیث عالم، علامہ، ناصر الدین، البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) فرماتے ہیں :

وَقَدْ يَسْتَغِلُّ بَعْضُ الْفِرَقِ هٰذَا الْحَدِيثَ، لِيَتَّخِذُوا مِنْهُ مَطْعَنًا فِي مُعَاوِيَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَلَيْسَ فِيهِ مَا يُسَاعِدُهُمْ عَلٰى ذٰلِكَ، كَيْفَ؟ وَفِيهِ أَنَّهٗ كَانَ كَاتِبَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟

''بعض گمراہ فرقے اس حدیث کو غلط استعمال کرتے ہوئے اس سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ اس حدیث میں ایسی کوئی بات نہیں جو ان کی تائید کرتی ہو۔اس حدیث سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنقیص کیسے ثابت ہوگی، اس میں تو یہ ذکر ہے کہ آپ رضی اللہ عنہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبِ وحی تھے؟۔''

(سلسلة الأحاديث الصحيحة وشيء من فقهها وفوائدها : 82)

اتنی تصریحات کے بعد بھی اگر کوئی شخص اس حدیث کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی فضیلت و منقبت کی دلیل نہ مانے تو اس سے بڑا ظالم اور جاہل کوئی نہیں۔

② سیدنا عرباض بن ساریہ سُلَمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ فرماتے ہوئے سنا :

«اَللّٰهُمَّ ! عَلِّمْهُ الْكِتَابَ وَالْحِسَابَ، وَقِهِ الْعَذَابَ» .

''اے اللہ! انہیں قرآنِ کریم کی تفسیر اور حساب سکھا دے اور ان کو عذاب سے بچا لے۔''(مسند الإمام أحمد : 127/4، الشريعة للآجري : 1970-1973، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (1938) اور امام ابن حبان (7210) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

اس کا راوی حارث بن زیاد شامی جمہور کے نزدیک ''حسن الحدیث'' ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لِلْحَدِيثِ شَاهِدٌ قَوِيٌّ .

''اس حدیث کا ایک قوی شاہد بھی موجود ہے۔'' (سير أعلام النبلاء : 124/3)

علم و فقہ اور خوبیاں

ابن ابو ملیکہ تابعی بیان کرتے ہیں: قِيلَ لِابْنِ عَبَّاسٍ : هَلْ لَّكَ فِي أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ مُعَاوِيَةَ؟ فَإِنَّهُ مَا أَوْتَرَ إِلَّا بِوَاحِدَةٍ، قَالَ : أَصَابَ، إِنَّهُ فَقِيهٌ .

''سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا گیا کہ آپ امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ انہوں نے صرف ایک رکعت وتر ادا کیا ہے۔ اس پر انہوں نے فرمایا: انہوں نے درست کیا ہے، بلاشبہ وہ فقیہ ہیں۔'' (صحيح البخاري : 351/1، ح : 3765)

ایک روایت میں یوں ہے: أَوْتَرَ مُعَاوِيَةُ بَعْدَ الْعِشَاءِ بِرَكْعَةٍ، وَعِنْدَهُ مَوْلًى لِّابْنِ عَبَّاسٍ، فَأَتَى ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقَالَ : دَعْهُ، فَإِنَّهُ قَدْ صَحِبَ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ . ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے نمازِ عشاء کے بعد ایک رکعت وتر ادا فرمایا۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کا غلام ان کے پاس تھا۔ وہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کی خدمت میں حاضر ہوا (اور یہ بات بتائی) تو انہوں نے فرمایا: اس میں کوئی حرج نہیں۔ بلاشبہ معاویہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں۔'' (صحيح البخاري : 351/1، ح : 3764)

سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ عُثْمَانَ أَقْضٰى بِحَقٍّ مِّنْ صَاحِبِ هٰذَا الْبَابِ، يَعْنِي مُعَاوِيَةَ .

''میں نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں دیکھا۔'' (تاريخ دمشق ابن عساكر : 161/59، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ أَسْوَدَ مِنْ مُّعَاوِيَةَ . ''میں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر شان وشوکت والا کوئی نہیں دیکھا۔'' (تاريخ دمشق لابن عساكر : 173/59، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ، أَشْبَهَ صَلَاةً بِرَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مِنْ أَمِيرِكُمْ هٰذَا، يَعْنِي مُعَاوِيَةَ .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر آپ ﷺ والی نماز پڑھنے والا کوئی نہیں دیکھا۔'' (الفوائد المنتقاة للسمرقندي : 67، وسندهٗ صحيحٌ)

ربیع بن نافع، ابوتوبہ، حلبی (150-241ھ) فرماتے ہیں:

مُعَاوِيَةُ سِتْرٌ لِّأَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، فَإِذَا كَشَفَ الرَّجُلُ السِّتْرَ اجْتَرَأَ عَلٰى مَا وَرَاءَهٗ . ''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اصحابِ رسول کے لیے پردہ ہیں۔ جب کوئی شخص پردے کو ہٹا دیتا ہے تو پردے کے پیچھے والی چیزوں پر جسارت کرنے لگتا ہے۔''

(تاريخ بغداد للخطيب :209/1، تاريخ دمشق لابن عساكر : 209/59، وسندهٗ حسنٌ)

امام محمد بن شہاب زہری رحمہ اللہ (58-124ھ) فرماتے ہیں:

عَمِلَ مُعَاوِيَةُ بِسِيرَةِ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ سِنِينَ، لَا يَخْرِمُ مِنْهَا شَيْئًا .

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے سالہا سال سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی سیرت پر یوں عمل کیا کہ اس میں ذرا برابر بھی کوتاہی نہیں کی۔'' (السنة لأبي بكر الخلّال : 683، وسندهٗ صحيحٌ)

جلیل القدر تابعی ابومسلم خولانی رحمہ اللہ نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ ! فَلَا وَاللّٰهِ، مَا أَبْغَضْنَاكَ مُنْذُ أَحْبَبْنَاكَ، وَلَا عَصَيْنَاكَ مُنْذُ أَطَعْنَاكَ، وَلَا فَارَقْنَاكَ مُنْذُ جَامَعْنَاكَ، وَلَا نَكَثْنَا بَيْعَتَنَا مُنْذُ بَايَعْنَاكَ، سُيُوفُنَا عَلٰى عَوَاتِقِنَا، إِنْ أَمَرْتَنَا أَطَعْنَاكَ، وَإِنْ دَعَوْتَنَا أَجَبْنَاكَ، وَإِنْ سَبَقْتَنَا أَدْرَكْنَاكَ،

وَإِن سَبَقْنَاكَ نَظَرْنَاكَ . ''اللہ کی قسم! ہم نے جب سے محبت کرنا شروع کی ہے، آپ سے نفرت نہیں کی۔ جب سے آپ کی اطاعت میں آئے ہیں، نافرمانی نہیں کی۔ جب سے ملے ہیں، آپ سے جدا نہیں ہوئے۔ جب سے آپ کی بیعت کی ہے، بیعت نہیں توڑی۔ ہماری تلواریں کندھوں پر ہیں، اگر آپ کا حکم ہوا تو ہم سرمو انحراف نہیں کریں گے۔ اگر آپ نے پکارا تو لبیک کہیں گے۔ اگر آپ ہم سے آگے نکل گئے تو ہم آپ کے پیچھے جائیں گے اور اگر ہم آگے نکل گئے تو آپ کا انتظار کریں گے۔''

(مسائل الإمام أحمد برواية ابنه أبي الفضل صالح : 330، وسندهٗ حسنٌ)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور خلافت وملوکیت

شمس الدین، ابوعبداللہ، محمد بن احمد بن عثمان، المعروف حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان الفاظ سے خراجِ عقیدت پیش فرماتے ہیں:

أَمِيرُ الْمُؤْمِنِينَ، مَلِكُ الْإِسْلَامِ . ''امیر المؤمنین اور شاہِ اسلام۔''

(سير أعلام النبلاء : 120/3)

حبرِ امت اور ترجمانِ قرآن، سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَخْلَقَ لِلْمُلْكِ مِنْ مُّعَاوِيَةَ .

''میں نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بڑھ کر اقتدار کے لیے موزوں شخص نہیں دیکھا۔''

(الأمالي من آثار الصحابة للإمام عبد الرزّاق : 97، السنّة لأبي بكر الخلّال : 637، مجموع فيه مصنفات لأبي العبّاس الأصم : 578(162)، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّكُمْ فِي نُبُوَّةٍ وَّرَحْمَةٍ، وَسَتَكُونُ خِلَافَةٌ وَّرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ كَذَا وَكَذَا، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكًا عَضُوضًا، يَشْرَبُونَ الْخُمُورَ، وَيَلْبِسُونَ الْحَرِيرَ، وَفِي ذٰلِكَ يُنْصَرُونَ إِلٰى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ» . ''تمہارے پاس نبوت اور رحمت

رہے گی اور عنقریب خلافت اور رحمت آئے گی، پھر ایسا اور ایسا ہو گا (بادشاہت اور رحمت آئے گی)، پھر کاٹ کھانے والی بادشاہت آئے گی۔لوگ شرابیں پیئیں گے اور ریشم پہنیں گے،لیکن اس کے باوجود قیامت تک وہ منصور رہیں گے۔''

(المعجم الأوسط للطبراني : 345/6، ح :6581، وسندهٗ حسنٌ)

یعنی خلافت کے بعد ایک خاص زمانہ ہے، جسے [کذا وکذا] سے تعبیر کیا گیا ہے اور وہ ہے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بادشاہت کا زمانہ۔اس کے بعد جا کر کاٹ کھانے والی ملوکیت کا دور شروع ہو گا۔لہٰذا جن روایات میں خلافت کے بعد ملک عضوض کا ذکر ہے، وہ اختصار پر مبنی ہیں۔ اس کی تائید ایک دوسری صریح روایت سے ہوتی ہے،سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

أَوَّلُ هٰذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَّرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ خِلَافَةً وَّرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكًا وَّرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ إِمَارَةً وَّرَحْمَةً . ''پہلے نبوت اور رحمت ہے، پھر خلافت اور رحمت ہوگی، پھر بادشاہت اور رحمت ہوگی، پھر امارت اور رحمت ہوگی۔''

(المعجم الكبير للطبراني :88/11، ح : 11138، السلسلة الصحيحة : 3270، وسندهٗ حسنٌ)

اور اسی کی تائید اجماعِ امت سے ہوتی ہے،جیسا کہ:

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ)اس حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں:

فَكَانَتْ نُبُوَّةُ النَّبِيِّ ﷺ نُبُوَّةً وَّرَحْمَةً، وَكَانَتْ خِلَافَةُ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِينَ خِلَافَةَ نُبُوَّةٍ وَّرَحْمَةٍ، وَكَانَتْ إِمَارَةُ مُعَاوِيَةَ مُلْكًا وَّرَحْمَةً، وَبَعْدَهٗ وَقَعَ مُلْكٌ عَضُوضٌ . ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت،نبوت و رحمت تھی۔خلفاء راشدین کی خلافت، خلافتِ نبوت اور رحمت تھی۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی امارت رحمت والی بادشاہت تھی۔ اس کے بعد کاٹ کھانے والی بادشاہت شروع ہوگئی۔''(جامع المسائل : 154/5)

نیز فرماتے ہیں: وَاتَّفَقَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى أَنَّ مُعَاوِيَةَ أَفْضَلُ مُلُوكِ

هٰذِهِ الْأُمَّةِ، فَإِنَّ الْأَرْبَعَةَ قَبْلَهٗ كَانُوا خُلَفَاءَ نُبُوَّةٍ، وَهُوَ أَوَّلُ الْمُلُوكِ، كَانَ مُلْكُهٗ مُلْكًا وَّرَحْمَةً، كَمَا جَاءَ فِي الْحَدِيثِ .... وَكَانَ فِي مُلْكِهٖ مِنَ الرَّحْمَةِ وَالْحُلْمِ وَنَفْعِ الْمُسْلِمِينَ مَا يُعْلَمُ أَنَّهٗ كَانَ خَيْرًا مِّنْ مُلْكِ غَيْرِهٖ .

''اہل علم کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اس امت کے سب سے افضل بادشاہ تھے۔آپ سے پہلے چاروں حکمران خلفائے نبوت تھے۔آپ ہی سب سے پہلے بادشاہ ہوئے۔آپ کی حکمرانی باعث ِرحمت تھی، جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے۔آپ کی بادشاہت مسلمانوں کے لیے اتنی فائدہ مند تھی اور اس میں اتنی رحمت و برکت تھی کہ اس کے دنیا کی سب سے اچھی بادشاہت ہونے کے لیے یہی دلیل کافی ہے۔''

(مجموع الفتاوٰی : 478/4)

یعنی یہ اجماعی بات ہے کہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت وملوکیت باعث ِرحمت تھی۔ ملوکیت ِعضوض (کاٹ کھانے والی بادشاہت) آپ کے دور اقتدار کے بعد میں شروع ہوئی۔

صدر الدین، محمد بن علاء الدین علی، امام ابن ابو العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں:

وَأَوَّلُ مُلُوكِ الْمُسْلِمِينَ مُعَاوِيَةُ رضی اللہ عنہ، وَهُوَ خَيْرُ مُلُوكِ الْمُسْلِمِينَ .

''مسلمانوں کے سب سے پہلے اور افضل بادشاہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ تھے۔''

(شرح العقيدة الطحاويّة، ص : 722)

سنی مفسر، ابو فداء، اسماعیل بن عمر، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعَتِ الرَّعَايَا عَلٰى بَيْعَتِهٖ فِي سَنَةِ إِحْدٰى وَأَرْبَعِينَ، كَمَا قَدَّمْنَا، فَلَمْ يَزَلْ مُسْتَقِلًّا بِالْأَمْرِ فِي هٰذِهِ الْمُدَّةِ إِلٰى هٰذِهِ السَّنَةِ الَّتِي كَانَتْ فِيهَا وَفَاتُهٗ، وَالْجِهَادُ فِي بِلَادِ الْعَدُوِّ قَائِمٌ، وَكَلِمَةُ اللّٰهِ عَالِيَةٌ، وَالْغَنَائِمُ تَرِدُ إِلَيْهِ مِنْ أَطْرَافِ الْأَرْضِ، وَالْمُسْلِمُونَ مَعَهٗ فِي رَاحَةٍ وَّعَدْلٍ، وَصَفْحٍ وَّعَفْوٍ .

''تمام رعایا نے 41 ہجری میں سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی بیعت پر اجماع کیا،جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں۔آپ رضی اللہ عنہ اپنی وفات (60 ہجری) تک خود مختار حکمران رہے۔آپ کے دور میں دشمنانِ اسلام کے علاقوں میں جہاد جاری تھا،کلمۃ اللہ بلند تھا اور اطرافِ زمین سے مالِ غنیمت آ رہا تھا۔مسلمان آپ کی حکومت میں خوش و خرم تھے،انہیں عدل و انصاف مہیا تھا اور حکومت کا ان کے ساتھ نہایت شفقت و درگزر والا سلوک تھا۔''(البداية والنهاية : 119/8)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ نے فرمانِ باری تعالیٰ : ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا﴾(بني إسرائيل17 : 33) (اور جو شخص ظلم سے قتل کر دیا جائے، ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے) کی تفسیر میں فرماتے ہیں :

وَقَدْ أَخَذَ الْإِمَامُ الْحَبْرُ ابْنُ عَبَّاسٍ مِّنْ عُمُومِ هٰذِهِ الْآيَةِ الْكَرِيمَةِ وِلَايَةَ مُعَاوِيَةَ السَّلْطَنَةَ، أَنَّهٗ سَيَمْلِكُ، لِأَنَّهٗ كَانَ وَلِيَّ عُثْمَانَ .

''حبر امت سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیتِ کریمہ کے عموم سے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی ولایت ثابت کی ہے کہ وہ عنقریب حکمران بنیں گے،کیونکہ وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی تھے۔''(تفسير ابن كثير : 142/4، بتحقيق عبد الرزّاق المهدي)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی یہ بات بلا دلیل نہیں، اس کے لیے یہ روایت ملاحظہ فرمائیں:

ثقہ تابعی،ابومسلم،زہدم بن مضرب جرمی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

كُنَّا فِي سَمَرِ ابْنِ عَبَّاسٍ، فَقَالَ : إِنِّي مُحَدِّثُكُمْ بِحَدِيثٍ، لَيْسَ بِسِرٍّ وَّلَا عَلَانِيَةٍ، إِنَّهٗ لَمَّا كَانَ مِنْ أَمْرِ هٰذَا الرَّجُلِ مَا كَانَ، يَعْنِي عُثْمَانَ، قُلْتُ لِعَلِيٍّ : اعْتَزِلْ، فَلَوْ كُنْتَ فِي جُحْرٍ طُلِبْتَ حَتّٰى تُسْتَخْرَجَ، فَعَصَانِي، وَايْمُ اللّٰهِ ! لَيَتَأَمَّرَنَّ عَلَيْكُمْ مُعَاوِيَةُ، وَذٰلِكَ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ يَقُولُ : ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهٗ كَانَ

مَنْصُوْرًا﴾(الإسراء17: 33). ”ہم نے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس رات کی محفل میں شریک ہوئے۔انہوں نے فرمایا: میں تمہیں ایسی بات بیان کرنے والا ہوں جو نہ مخفی ہے نہ ظاہر۔جب عثمان (رضی اللہ عنہ کی شہادت) کا معاملہ ہوا تو میں نے علی (رضی اللہ عنہ) سے کہا: اس معاملے سے دُور رہیں، اگر آپ کسی بِل میں بھی ہوں گے تو (خلافت کے لیے) آپ کو تلاش کر کے نکال لیا جائے گا،لیکن انہوں نے میری بات نہیں مانی۔اللہ کی قسم!معاویہ (رضی اللہ عنہ) ضرور تمہارے حکمران بنیں گے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُومًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهِ سُلْطَانًا فَلَا يُسْرِفْ فِّي الْقَتْلِ إِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴾(الإسراء17: 33)(اور جو شخص ظلم سے قتل کر دیا جائے، ہم نے اس کے ولی کو اختیار دیا ہے،وہ قتل کرنے میں زیادتی نہ کرے،اس کی ضرور مدد کی جائے گی)۔“

(المعجم الكبير للطبراني : 320/10، وسندهٗ حسنٌ)

معروف مؤرخ،حافظ محمد بن سعد، المعروف ابن سعد رحمہ اللہ (168-230ھ) فرماتے ہیں:

فَكَانَتْ وِلَايَتُهٗ عَلَى الشَّامِ عِشْرِينَ سَنَةً أَمِيرًا، ثُمَّ بُويِعَ لَهٗ بِالْخِلَافَةِ، وَاجْتَمَعَ عَلَيْهِ بَعْدَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ، فَلَمْ يَزَلْ خَلِيفَةً عِشْرِينَ سَنَةً حَتّٰى مَاتَ لَيْلَةَ الْخَمِيسِ، لِلنِّصْفِ مِنْ رَجَبَ، سَنَةَ سِتِّينَ .

”سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ بیس سال تک شام کے گورنر رہے، پھر ان کی خلافت پر بیعت ہو گئی۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد امتِ مسلمہ کا ان پر اتفاق ہو گیا۔وہ بیس سال خلیفہ رہے اور آخر کار 15 رجب، 30 ہجری کو جمعرات کی رات وفات پا گئے۔“

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : 285/7)

سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن

بعض لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ پر طعن کرتے ہیں، حالانکہ صحابہ کرام کو بُرا کہنے والا خود بُرا

ہوتا ہے۔رسول اللہ ﷺ کا فرمانِ گرامی ہے:

«لَا تَسُبُّوا أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِي» . ''میرے کسی صحابی کو بُرا بھلا نہ کہو۔''

(صحیح مسلم :2541)

عظیم تابعی،امام حسن بصری رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ کچھ لوگ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور سیدنا عبداللہ بن زبیر کو بُرا بھلا کہتے ہیں اوران پرلعنت کرتے ہیں،تو انہوں نے فرمایا:

عَلٰی أُولٰئِكَ الَّذِينَ يَلْعَنُونَ، لَعْنَةُ اللّٰهِ . ''ان پرلعنت کرنے والے اللہ کی لعنت کے مستحق ہیں۔''(تاریخ دمشق لابن عساکر : 206/59، وسندہٗ صحیحٌ)

ابراہیم بن میسرہ کہتے ہیں: مَا رَأَيْتُ عُمَرَ بْنَ عَبْدِ الْعَزِيزِ ضَرَبَ إِنْسَانًا قَطُّ، إِلَّا إِنْسَانًا شَتَمَ مُعَاوِيَةَ، فَإِنَّهٗ ضَرَبَهٗ أَسْوَاطًا .

''میں نے امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کو کبھی کسی انسان کو مارتے ہوئے نہیں دیکھا، انہوں نے صرف اس شخص کو کوڑے مارے جس نے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کو بُرا بھلا کہا تھا۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 211/59، وسندہٗ حسنٌ)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَمَنْ لَّعَنَهُمْ، فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُولَهٗ . ''جس نے صحابہ کرام پر لعنت کی،وہ اللہ اوراس کے رسول کا نافرمان ہے۔''(مجموع الفتاوٰی : 66/35)

نیز فرماتے ہیں: مَنْ لَّعَنَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، كَمُعَاوِيَةَ ابْنِ أَبِي سُفْيَانَ، وَعَمْرِو بْنِ الْعَاصِ، وَنَحْوِهِمَا، فَإِنَّهٗ مُسْتَحِقٌّ لِّلْعُقُوبَةِ الْبَلِيغَةِ بِاتِّفَاقِ أَئِمَّةِ الدِّينِ .

''جوشخص نبی اکرم ﷺ کے اصحاب،سیدنا معاویہ اور عمرو بن عاص وغیرہم رضوان اللہ علیہم اجمعین پر لعنت کرتا ہے، وہ باتفاقِ ائمہ دین سخت سزا کا مستحق ہے۔''

(مجموع الفتاوٰی : 58/35)

مزید فرماتے ہیں: وَمُعَاوِيَةُ لَمْ يَدَّعِ الْخِلَافَةَ، وَلَمْ يُبَايَعْ لَهُ بِهَا حِيْنَ قَاتَلَ عَلِيًّا، وَلَمْ يُقَاتِلْ عَلٰى أَنَّهُ خَلِيفَةٌ، وَلَا أَنَّهُ يَسْتَحِقُّ الْخِلَافَةَ، وَيُقِرُّونَ لَهُ بِذٰلِكَ، وَقَدْ كَانَ مُعَاوِيَةُ يُقِرُّ بِذٰلِكَ لِمَنْ سَأَلَهُ عَنْهُ، وَلَا كَانَ مُعَاوِيَةُ وَأَصْحَابُهُ يَرَوْنَ أَنْ يَبْتَدُوا عَلِيًّا وَّأَصْحَابَهُ بِالْقِتَالِ وَلَا يَعْلُوا .

''سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے خلافت طلب نہیں کی تھی، نہ ہی سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے لڑائی کے وقت ان کی خلافت پر بیعت کی گئی تھی۔ انہوں نے اس بنا پر لڑائی نہیں کی تھی کہ وہ خلیفہ ہیں یا خلافت کے مستحق ہیں۔ البتہ صحابہ کرام سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے اقراری تھے اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ سے بھی جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں پوچھا جاتا تو وہ ان کی خلافت کا اقرار کرتے۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی، سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں سے لڑائی کرنے یا ان پر غلبہ حاصل کرنے کے خواہاں نہیں تھے۔'' (مجموع الفتاوٰی: 72/35)

فائدہ: جلیل القدر تابعی، عروہ بن زبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمِسْوَرَ بْنَ مَخْرَمَةَ أَخْبَرَهُ : أَنَّهُ قَدِمَ وَافِدًا عَلٰى مُعَاوِيَةَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ، فَقَضٰى حَاجَتَهُ، ثُمَّ دَعَاهُ فَأَخْلَاهُ، فَقَالَ : يَا مِسْوَرُ ! مَا فَعَلَ طَعْنُكَ عَلَى الْأَئِمَّةِ؟ فَقَالَ الْمِسْوَرُ : دَعْنَا مِنْ هٰذَا، وَأَحْسِنْ فِيمَا قَدَّمْنَا لَهُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ : لَا، وَاللّٰهِ ! وَلَتُكَلِّمَنَّ بِذَاتِ نَفْسِكَ، وَالَّذِي تَعِيبُ عَلَيَّ، قَالَ الْمِسْوَرُ : فَلَمْ أَتْرُكْ شَيْئًا أَعِيبُهُ عَلَيْهِ إِلَّا بَيَّنْتُهُ لَهُ، قَالَ مُعَاوِيَةُ : لَا بَرِئَ مِنَ الذَّنْبِ، فَهَلْ تَعُدُّ يَا مِسْوَرُ ! مَا نَلِي مِنَ الْإِصْلَاحِ فِي أَمْرِ الْعَامَّةِ، فَإِنَّ الْحَسَنَةَ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا ؟ أَمْ تَعُدُّ الذُّنُوبَ وَتَتْرُكُ الْحَسَنَاتِ ؟ قَالَ الْمِسْوَرُ : لَا، وَاللّٰهِ ! مَا نَذْكُرُ إِلَّا مَا تَرٰى مِنْ هٰذِهِ الذُّنُوبِ، قَالَ مُعَاوِيَةُ : فَإِنَّا نَعْتَرِفُ لِلّٰهِ بِكُلِّ ذَنْبٍ أَذْنَبْنَاهُ، فَهَلْ لَّكَ يَا مِسْوَرُ ! ذُنُوبٌ فِي خَاصَّتِكَ، تَخْشٰى أَنْ

تُهْلِكَكَ إِنْ لَّمْ يَغْفِرْهَا اللّٰهُ ؟ قَالَ مِسْوَرٌ : نَعَمْ، قَالَ مُعَاوِيَةُ : فَمَا يَجْعَلُكَ أَحَقَّ أَنْ تَرْجُوَ الْمَغْفِرَةَ مِنِّي ؟ فَوَاللّٰهِ لَمَا أَلِي مِنَ الْإِصْلَاحِ أَكْثَرَ مِمَّا تَلِي، وَلَكِنْ وَاللّٰهِ لَا أُخَيَّرُ بَيْنَ أَمْرَيْنِ، بَيْنَ اللّٰهِ وَبَيْنَ غَيْرِهٖ، إِلَّا اخْتَرْتُ اللّٰهَ تَعَالٰى عَلٰى مَا سِوَاهُ، وَإِنَّا عَلٰى دِينٍ يَّقْبَلُ اللّٰهُ فِيهِ الْعَمَلَ، وَيُجْزِي فِيهِ بِالْحَسَنَاتِ، وَيُجْزِي فِيهِ بِالذُّنُوبِ، إِلَّا أَنْ يَّعْفُوَ عَمَّنْ يَّشَاءُ، فَأَنَا أَحْتَسِبُ كُلَّ حَسَنَةٍ عَمِلْتُهَا بِأَضْعَافِهَا، وَأُوَازِي أُمُورًا عِظَامًا لَّا أُحْصِيهَا وَلَا تُحْصِيهَا، مِنْ عَمَلٍ لِلّٰهِ فِي إِقَامَةِ صَلَوَاتِ الْمُسْلِمِينَ، وَالْجِهَادِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَالْحُكْمِ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَالْأُمُورِ الَّتِي لَسْتَ تُحْصِيهَا وَإِنْ عَدَدْتُّهَا لَكَ، فَتَفَكَّرْ فِي ذٰلِكَ، قَالَ الْمِسْوَرُ : فَعَرَفْتُ أَنَّ مُعَاوِيَةَ قَدْ خَصَمَنِي حِينَ ذَكَرَ لِي مَا ذَكَرَ، قَالَ عُرْوَةُ : فَلَمْ يَسْمَعِ الْمِسْوَرُ بَعْدَ ذٰلِكَ يُذْكَرُ مُعَاوِيَةُ إِلَّا اسْتَغْفَرَ لَهٗ.

''سیدنا مِسْوَرُ بن مَخْرَمہ رضی اللہ عنہ نے انہیں بیان کیا کہ وہ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس قاصد بن کر گئے۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کا کام کر دیا، پھر اُنہیں علیحدہ بلا کر فرمایا: مِسْوَرْ! حکمرانوں پر تمہاری عیب جوئی کا کیا بنا؟ مِسْوَر کہنے لگے: اس بات کو چھوڑیں اور ہمارے موجودہ طرزِ عمل کی بنا پر ہم سے حسنِ سلوک روا رکھیں۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: نہیں، اللہ کی قسم! تمہیں ضرور اپنے دل کی بات کہنا ہو گی اور اپنے خیال کے مطابق میرے عیوب بیان کرنا ہوں گے۔مِسْور کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے دل کی تمام بھڑاس نکال ڈالی۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کوئی انسان (ماسوائے انبیاء) غلطی سے معصوم نہیں۔اے مسور! عوام کے معاملے میں جو اصلاحات ہم نے کی ہیں، کیا آپ انہیں کچھ وقعت دیتے ہیں؟ نیکی تو دس گنا شمار ہوتی ہے۔کیا آپ غلطیوں کو شمار کرتے ہیں اور نیکیوں سے صرفِ نظر کرتے ہیں؟ مِسْور نے کہا: نہیں، اللہ کی قسم! ہم تو صرف ان غلطیوں کا تذکرہ کرتے ہیں، جو نظر آتی ہیں۔ سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہم ہر اس غلطی کا

اعتراف کرتے ہیں جو ہم سے ہوئی، لیکن اے مسور! کیا تم سے اپنے خاص لوگوں کے بارے میں کوئی ایسی غلطی نہیں ہوئی، جس کو اگر اللہ معاف نہ کرے تو تمہیں اپنی ہلاکت کا ڈر ہو؟ مسور کہتے ہیں: بالکل ہم سے ایسی غلطیاں ہوئی ہیں۔سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: پھر تمہیں اپنے بارے میں مجھ سے بڑھ کر مغفرت کی امید کیوں ہے؟ اللہ کی قسم! میں تم سے بڑھ کر اصلاح کی کوشش میں رہتا ہوں اور اگر مجھے اللہ کی فرمانبرداری اور اس کی نافرمانی میں سے انتخاب کا اختیار دیا جائے تو میں ضرور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کو ترجیح دوں گا۔ہم ایسے دین کے پیروکار ہیں جس کے مطابق اللہ تعالیٰ عمل کو قبول کرتا ہے، نیکی کی جزا دیتا ہے اور بُرائی کی سزا دیتا ہے، ہاں جسے چاہے معاف بھی کر دیتا ہے۔میں نے جو بھی نیکیاں کی ہیں، مجھے ان کے کئی گنا ثواب کی امید ہے اور میں ان امور کو سامنے رکھتا ہوں جنہیں نہ میں شمار کر سکتا ہوں، نہ تم، مثلاً اللہ کی رضا کے لیے مسلمانوں میں نظام صلاۃ کا قیام، اللہ کے راستے میں جہاد، اللہ کے نازل کردہ نظام کا نفاذ اور اسی طرح کے دوسرے امور جن کو میں ذکر بھی کروں تو تم شمار نہیں کر پاؤ گے۔اس بارے میں غور کرو۔مِسور کہتے ہیں: مجھے معلوم ہو گیا کہ معاویہ رضی اللہ عنہ نے یہ سب کچھ بیان کر کے مجھے (میرے خیالات کو) مات دے دی ہے۔عروہ کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب بھی سیدنا مسور رضی اللہ عنہ کے سامنے سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہوا، انہوں نے ان کے لیے استغفار فرمایا۔"

(تاریخ بغداد للخطیب: 223/1، وسندهٗ صحیحٌ)

دعوتِ فکر

مشاجراتِ صحابہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ایک صاحب، **محمد علی مرزا جہلمی** کے نظریات ہم نے مسلمانوں کی خیرخواہی کے لیے بیان کیے تھے۔**دیکھیے: darulaslaf.blogspot.com**

اللہ شاہد ہے کہ ہماری کسی سے کوئی ذاتی عداوت نہیں، لیکن تمام صحابہ کرام کی حمایت و وکالت ہماری ایمانی مجبوری ہے۔ماہنامہ السنۃ کے یہ دو خصوصی مضامین (**مشاجراتِ صحابہ میں اہل حدیث کا موقف** اور **سیدنا معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہما**) مرزا صاحب اور تمام اہل اسلام کی خدمت میں پُراخلاص دعوتِ فکر ہیں۔دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

بت پرستی اصل میں اولیاء پرستی ہی تھی۔مشرکین مکہ کے بت اولیاء اللہ کے نام اور ان کی صورتوں پر ہی مشتمل تھے۔قرآنِ کریم نے صاف طور پر اس کا ردّ کیا اور رسولِ اکرم ﷺ اسی بت پرستی کو مٹانے کے لیے تشریف لائے۔اسلام کی اساس بت پرستی کے قلع قمع ہی پر قائم ہوئی،لیکن بدقسمتی سے اسی بت پرستی کو بعد کے بعض مسلمانوں نے عقیدت ومحبت اولیاء کا نام دے کر اپنے دین کا حصہ بنا لیا۔آج اسلام کے نام لیواؤں نے مشرکین مکہ سے بہت سے مشرکانہ افعال مستعار لے لیے ہیں۔

اولیاء اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔جس طرح مشرکین مکہ اپنے بزرگوں کے ناموں اور مُورتیوں پر مبنی بتوں کے نام پر جانور چھوڑ دیتے تھے،ان کی تقلید میں آج کے بعض مسلمان بھی بزرگوں سے منسوب کر کے جانور چھوڑتے ہیں۔یہ نامزد جانور عام جانوروں کی طرح نہیں ہوتے،بلکہ ان لوگوں کے نزدیک وہ بڑی ''حرمت'' والے ہوتے ہیں۔وہ جس کھیت میں گھس جائیں،اس کے مالک کے خیال میں اس کے ''وارے نیارے'' ہو جاتے ہیں۔وہ جدھر چاہیں جائیں،کوئی روک ٹوک نہیں ہوتی۔ان سے کوئی کام بھی نہیں لیا جاتا اور ان کی اپنی ایک پہچان ہوتی ہے۔لوگ جانتے ہوتے ہیں کہ یہ فلاں درگاہ یا فلاں مزار کا جانور ہے۔

کیا فرق ہے کہ کسی جانور کو اساف،نائلہ،منات وغیرہ سے موسوم کر دیا جائے اور اسے بحیرہ،سائبہ،وصیلہ،حام کا نام دے دیا جائے یا یہ کہہ دیا جائے کہ یہ اونٹ اور گائے اجمیر کی ''چھٹی شریف'' کے لیے مختص ہے،یا کہہ دیا جائے کہ یہ گیارہویں کا بکرا ہے یا یہ فلاں کی منت اور نیاز ہے؟قدیم زمانے میں بھی یہ بزرگوں کی خوشنودی اور ان کا تقرب

حاصل کرنے کے لیے کیا جاتا تھا اور آج بھی یہ سب کچھ اولیاء کی تعظیم اور ان کے تقرب کے حصول کے لیے کیا جاتا ہے۔اس لیے کہ ان اولیاء کو خدائی طاقتوں کا مظہر سمجھ لیا گیا اور کہہ دیا گیا کہ میرا یہ کام ہو گیا تو میں فلاں مزار پر کالا بکرا ذبح کروں گا یا کالے مرغ کی منت اور چڑھاوا چڑھاؤں گا۔

غیر اللہ کے نام سے منسوب کرنا اور ان کے نام پر ذبح کرنا شرک و کفر ہے۔ایسے جانوروں اور ایسی اشیاء کو کھانا حرام ہے۔یہ جانور اور یہ روپیہ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔اللہ تعالیٰ کا واجب حق ہے کہ یہ چیزیں اسی کے نذرانے اور شکرانے میں صرف ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ﴿ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿﴾ (الأنعام 6 : 163,162)

''(اے نبی!) کہہ دیجیے کہ میری نماز،میری قربانی،میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لیے ہے جو جہانوں کا پروردگار ہے۔اس کا کوئی شریک نہیں۔مجھے یہی حکم دیا گیا ہے اور میں سب سے پہلے مطیع ہونے والا ہوں۔''

ان آیاتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب ﷺ سے اعلان کروایا کہ میں نماز،جو کہ دین کا ستون اور رکن ہے،قلبی عبادات،جیسے خشوع اور توجہ الی اللہ،قولی عبادات،جیسے تکبیر وتحمید،قرآنِ کریم کی تلاوت،وغیرہ،عملی عبادات ،جیسے قیام،رکوع،سجدہ،جلوس وغیرہ، خالص اللہ رب العالمین کے لیے ادا کرتا ہوں۔میں صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتا ہوں،مشرکین کی طرح انصاب و اصنام کے لیے نہیں۔ میں ساری زندگی اپنے اللہ کی بندگی اور نیاز مندی میں گزاروں گا اور اسی پر مرجاؤں گا۔ میں اقراری ہوں کہ عبادات کی تمام انواع واقسام میں اللہ رب العالمین کا کوئی شریک وسہیم نہیں۔

اس آیتِ کریمہ کی تفسیر میں حافظ،ابو الفداء،اسماعیل بن عمر،ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ)

نے کیا خوب لکھا ہے : يَأْمُرُهُ تَعَالٰى أَنْ يُّخْبِرَ الْمُشْرِكِينَ، الَّذِينَ يَعْبُدُونَ غَيْرَ اللّٰهِ وَيَذْبَحُونَ لِغَيْرِ اسْمِهٖ، أَنَّهٗ مُخَالِفٌ لَّهُمْ فِي ذٰلِكَ، فَإِنَّ صَلَاتَهٗ لِلّٰهِ، وَنُسُكَهٗ عَلَى اسْمِهٖ، وَحْدَهٗ لَا شَرِيكَ لَهٗ، وَهٰذَا كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ﴾(الكوثر 108 : 2)، أَيْ : أَخْلِصْ لَهٗ صَلَاتَكَ وَذَبِيحَتَكَ، فَإِنَّ الْمُشْرِكِينَ كَانُوا يَعْبُدُونَ الْأَصْنَامَ وَيَذْبَحُونَ لَهَا، فَأَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى بِمُخَالَفَتِهِمْ، وَالِانْحِرَافِ عَمَّا هُمْ فِيهِ، وَالْإِقْبَالِ بِالْقَصْدِ وَالنِّيَّةِ وَالْعَزْمِ عَلَى الْإِخْلَاصِ لِلّٰهِ تَعَالٰى . ”اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو حکم فرما رہے ہیں کہ وہ غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اور اللہ کے سوا کسی اور کے نام پر جانور ذبح کرنے والے مشرکوں کو بتا دیں کہ آپ اِن کاموں میں اُن کے مخالف ہیں۔مشرکین مکہ بتوں کی عبادت کرتے تھے اور ان کے لیے جانور بھی ذبح کرتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے نبی اکرم ﷺ کو حکم فرمایا کہ آپ ان کی مخالفت کریں ، ان کی اس رَوش سے باز رہیں اور اپنی نیت و قصد اور عزم کے ساتھ اس بات پر قائم رہیں کہ ہر کام خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنا ہے۔“

(تفسير القرآن العظيم : 128/3)

عبادات کی تمام انواع جیسے دعا و پکار اور التجا،محبت،خوف،امید و رجا،توکل و بھروسہ، رغبت و رہبت،خشوع و خضوع،رجوع و انابت، استعانت و استغاثہ،ذبح اور نذرو نیاز خالص اللہ کے لیے بجا لانی چاہئیں۔ان میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا چاہیے۔یہ اللہ تعالیٰ کے واجب حق ہیں،جو اسی کے لیے پورے کیے جانے ضروری ہیں۔ تاحیات ان پر ڈٹے رہنا اور تازیست ان کی دعوت دینا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔

خلیفہ چہارم،سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ» . ”جو شخص اللہ کے سوا کسی اور کے

لیے کچھ ذبح کرتا ہے، اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہوتی ہے۔‘‘(صحیح مسلم : 1978)

غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا باعث لعنت کام ہے۔ یہ مشرکوں اور کافروں کا شعار ہے۔ اللہ کے علاوہ کسی کی تعظیم و تقرب کے لیے کچھ ذبح کرنا شرک ہے اور ایسا ذبیحہ حرام، یعنی اس کا گوشت کھانا ممنوع ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کا بیان کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾(البقرة 2 : 173)

’’اور جو کچھ، پکارا جائے اوپر اس کے واسطے غیر اللہ کے۔‘‘(ترجمہ شاہ رفیع الدین)

اس آیتِ کریمہ سے معلوم ہوا کہ:

① کسی جانور یا کسی اور چیز کو غیر اللہ کے لیے نامزد کیا جائے، خواہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ہی کیوں نہ پکارا جائے، تب بھی حرام ہے۔

② ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے، تب بھی حرام ہے۔

③ بِسْمِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ أَكْبَرُ کہہ کر ذبح کیا جائے اور ساتھ یہ بھی کہہ دیا جائے کہ اے اللہ! فلاں ولی یا بزرگ کے تقرب کے لیے یہ جانور ذبح کیا گیا ہے، تب بھی حرام ہے۔

④ اللہ کے لیے ذبح کیا جائے اور بوقتِ ذبح نام غیر اللہ کا پکارا جائے، تب بھی حرام ہے۔

⑤ ذبح اللہ کے لیے کیا جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کے مبارک نام کے ساتھ غیر اللہ کا نام شامل کر دیا جائے، تب بھی حرام ہے۔

فقہ حنفی بھی یہی کہتی ہے۔ حنفی مذہب کی مستند و معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے:

يَقُولُ : بِسْمِ اللّٰهِ، وَاسْمِ فُلَانٍ، أَوْ يَقُولُ : بِسْمِ اللّٰهِ وَفُلَانٍ، أَوْ بِسْمِ اللّٰهِ وَمُحَمَّدِ رَّسُولِ اللّٰهِ، فَتَحْرُمُ الذَّبِيحَةُ، لِأَنَّهٗ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ.

’’اگر کوئی بندہ بوقتِ ذبح کہے: [بِسْمِ اللّٰهِ، وَاسْمِ فُلَانٍ] اللہ کے نام کے ساتھ اور

فلاں کے نام کے ساتھ، یا[بِسْمِ اللّٰهِ، وَفُلَانٍ]اللہ اور فلاں کے نام کے ساتھ، یا[بِسْمِ اللّٰهِ وَمُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ]اللہ اور محمد رسول اللہ(ﷺ) کے نام کے ساتھ، تو ذبیحہ حرام ہو جاتا ہے، کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام پکار دیا گیا ہے۔''

(بدائع الصنائع للكاساني : 48/5، الهداية للمرغيناني : 435/2)

شبہات اور ان کا ازالہ

اس مسئلے میں بریلوی مکتبِ فکر کا موقف ہے کہ اگر کسی جانور کو اولیاء کے نام سے منسوب کر دیا جائے اور وقتِ ذبح اللہ کا نام لے لیا جائے تو وہ حلال ہے۔اس لیے وہ آیتِ کریمہ ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾کی تفسیر وتاویل یہ کرتے ہیں کہ وہ جانور حرام ہے، جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا جائے، حالانکہ اس آیتِ کریمہ کو وقتِ ذبح کے ساتھ خاص کرنے کی کوئی دلیل نہیں۔ اس آیتِ کریمہ کے مطابق کسی جانور پر کسی بھی وقت غیر اللہ کا نام پکارنے سے وہ حرام ہو جاتا ہے۔وقتِ ذبح بھی اسی حرمت کا ایک موقع اور محل ہے۔

① وقتِ ذبح کی قید نہیں:

[إِهْلَال] کے معنیٰ [رَفْعُ الصَّوْتِ]یعنی آواز بلند کرنا ہے،یعنی ذبح کے وقت یا ذبح سے پہلے،کسی بھی وقت اس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے تو جانور حرام ہو جاتا ہے۔اگرچہ مفسرین نے ذبح کے وقت نام پکارنے کو[إِهْلَال] کہا ہے،لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ عام اوقات میں جانور کو غیر اللہ کے نام منسوب کیا جا سکتا ہے۔چونکہ مشرکین کی عام عادت یہ تھی کہ جو جانور انہوں نے غیر اللہ،یعنی بزرگوں کے بتوں کے تقرب وتعظیم میں چھوڑے ہوتے تھے، ذبح کے وقت ان پر انہی کا نام پکارتے تھے۔لہٰذا اگر کسی جانور پر بغرضِ تعظیم وتقرب کسی کا نام پکارا جائے اور وقتِ ذبح اللہ کا نام لے کر ذبح کر دیا جائے تو بھی وہ حرام ہی ہو گا۔

اس لیے مفتی احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب (م:1391ھ) کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ:

''پکارنے سے مراد وقتِ ذبح پکارنا ہے۔'' (''جاء الحق'': 359/1)

یہی نظریہ ملاجیون، ماتریدی، حنفی (م: 1130ھ) کا ہے، وہ لکھتے ہیں:

وَمِنْ هٰهُنَا عُلِمَ أَنَّ الْبَقَرَةَ الْمَنْذُورَةَ لِلْأَوْلِيَاءِ، كَمَا هُوَ الرَّسْمُ فِي زَمَانِنَا، حَلَالٌ طَيِّبٌ، لِأَنَّهُ لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ عَلَيْهَا وَقْتَ الذَّبْحِ، وَإِنْ كَانُوا يَنْذِرُونَهَا لَهُ. ''اس سے معلوم ہوا کہ وہ گائے جسے اولیاء کے لیے نذر مانا گیا ہے، جیسا کہ ہمارے زمانے میں رواج ہے، وہ حلال اور پاکیزہ ہے، کیونکہ بوقتِ ذبح اس پر غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا، اگرچہ اسے غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہے۔''

(التفسيرات الأحمديّة، ص: 45)

اس شبہ کے ردّ و جواب میں عالَمِ اسلام کے عظیم سکالر، ممتاز اہل حدیث عالم، علامہ، ڈاکٹر شمس الدین، سلفی، افغانی رحمہ اللہ (م: 1420ھ/1997ء) فرماتے ہیں:

لَقَدْ أَجَابَ عُلَمَاءُ الْحَنَفِيَّةِ عَنْ هٰذِهِ الشُّبْهَةِ، أَنَّ الْعِبْرَةَ فِي النَّذْرِ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِلنِّيَّةِ، لَا لِذِكْرِ اسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ عِنْدَ ذَبْحِ الْمَنْذُورِ، فَمَنْ نَذَرَ بَقَرَةً لِّمَيِّتٍ، مَثَلًا، فَقَدْ أَشْرَكَ بِمُجَرَّدِ نَذْرِهٖ إِيَّاهُ لَهٗ، سَوَاءٌ ذَكَرَ اسْمَ اللّٰهِ عِنْدَ ذَبْحِهَا، أَوْ ذَكَرَ اسْمَ ذٰلِكَ الْمَيِّتِ، فَإِنَّ الْعِبْرَةَ لِنِيَّةِ هٰذَا النَّاذِرِ، الْمُتَقَرِّبِ إِلٰى ذٰلِكَ الْمَيِّتِ، الطَّالِبِ بِنَذْرِهٖ لَهٗ كَشْفَ الْمُعْضَلَاتِ، وَجَلْبَ الْخَيْرَاتِ مِنْهُ، لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿**وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ**﴾(البقرة 2: 173)، وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿**وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ**﴾(المائدة 5: 3، والنحل 16: 115)، وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿**أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ**﴾(الأنعام 6: 145)، فَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ أَعَمُّ مِنَ الْمَذْبُوحِ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ، فَإِنَّ مَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ قَدْ يَكُونُ مِنْ قَبِيلِ الْمَشْرُوبَاتِ، أَوِ

الْمَلْبُوسَاتِ، أَوِ الْمَشْمُومَاتِ، بَلْ قَدْ يَكُونُ مِنَ الْمَعَادِنِ، كَالذَّهَبِ، وَالْفِضَّةِ، وَالْيَاقُوتِ، وَالْمَرْجَانِ، وَنَحْوِهَا، وَقَدْ يَكُونُ مِنَ الْمَطْعُومَاتِ الَّتِي لَا تَحْتَاجُ إِلَى الذَّبْحِ، كَالسَّمْكِ، وَالزَّيْتِ، وَالسَّمْنِ، وَالْعَسَلِ، وَنَحْوِهَا، لِأَنَّ [الْإِهْلَالَ] هُوَ رَفْعُ الصَّوْتِ بِالشَّيْءِ، وَلَيْسَ مَعْنَاهُ الذَّبْحُ، فَمَنْ زَعَمَ أَنَّ مَعْنٰى قَوْلِهٖ : ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾، مَا ذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ، بِأَنْ يُّذْكَرَ اسْمُهٗ عَلَيْهِ وَقْتَ الذَّبْحِ، فَقَدْ غَلِطَ غَلَطًا مُّبِينًا، وَقَيَّدَ مُطْلَقَ الْكِتَابِ، وَخَصَّصَ عَامَّهٗ بِدُونِ دَلِيلٍ مَّسُوغٍ، وَتَقَوَّلَ عَلَى اللُّغَةِ الْعَرَبِيَّةِ مَا لَا يَعْرِفُهُ الْعَرَبُ، فَإِنَّ الْإِهْلَالَ لَمْ يُعْرَفْ عِنْدَ الْعَرَبِ بِمَعْنَى الذَّبْحِ، وَأَمَّا مَا ذَكَرَهٗ بَعْضُ الْمُفَسِّرِينَ فِي تَفْسِيرِ هٰذِهِ الْآيَةِ : وَمَا ذُبِحَ لِلْأَصْنَامِ وَالطَّوَاغِيتِ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ، فَلَيْسَ هٰذَا مَعْنَاهَا اللُّغَوِيُّ الْكَامِلُ، بَلْ قَصْدُهُمْ بَيَانُ فَرْدٍ مِّنْ أَفْرَادِ ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾، فَإِنَّ الْمُشْرِكِينَ السَّابِقِينَ كَانُوا عَادَةً إِذَا نَذَرُوا شَيْئًا مِّنَ الْأَنْعَامِ لِآلِهَتِهِمْ ذَبَحُوهُ بِأَسْمَائِهَا، بِخِلَافِ الْقُبُورِيَّةِ فِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ، فَإِنَّهُمْ إِذَا نَذَرُوا بَقَرَةً، مَثَلًا، لِأَوْلِيَائِهِمُ الْأَمْوَاتِ، مَثَلًا، ذَبَحُوهَا بِاسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى لِسَانًا وَّظَاهِرًا، حِيلَةً مِّنْهُمْ، وَلٰكِنْ هٰذَا الْمَنْذُورُ الْمَذْبُوحُ يَكُونُ مَذْبُوحًا فِي الْحَقِيقَةِ بِاسْمِ ذٰلِكَ الْوَلِيِّ الْمَيِّتِ، فَهُمْ، وَإِنْ لَّمْ يَذْكُرُوا اسْمَ هٰذَا الْوَلِيِّ الْمَنْذُورِ لَهٗ ظَاهِرًا عَلٰى أَلْسِنَتِهِمْ عِنْدَ ذَبْحِ ذٰلِكَ الْحَيَوَانِ الْمَنْذُورِ، لٰكِنَّهُمْ يَذْكُرُونَ اسْمَ وَلِيِّهِمْ بَاطِنًا فِي قُلُوبِهِمْ قَبْلَ ذَبْحِهٖ، وَعِنْدَ ذَبْحِهٖ، وَبَعْدَ ذَبْحِهٖ، دَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ نَذْرُهُمْ لَهٗ، وَنِيَّتُهُمْ، وَتَقَرُّبُهُمْ إِلَيْهِ، وَاسْتِعْطَافُهُمْ إِيَّاهُ لِدَفْعِ الْمُلِمَّاتِ، وَجَلْبِ الْخَيْرَاتِ، إِذًا لَّا

تَأْثِيرَ لِذِكْرِ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَيْهِ عِنْدَ الذَّبْحِ، مَا دَامَ الْمَنْذُورُ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، فَذَبْحُهُمْ بِاسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى لَيْسَ إِلَّا حِيلَةً قَبُورِيَّةً، لَا تُنْجِيهِمْ مِّنَ الشِّرْكِ وَالتَّحْرِيمِ، لِأَنَّ الْعِبْرَةَ لِلنِّيَّةِ، لَا لِذِكْرِ اسْمِ اللّٰهِ تَعَالٰى عَلَى اللِّسَانِ، فَهٰذَا النَّاذِرُ مُشْرِكٌ، وَهٰذَا الْمَنْذُورُ حَرَامٌ، وَإِنْ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقْتَ الذَّبْحِ.

''علمائے احناف نے اس شبہے کا جواب یہ دیا ہے کہ غیراللہ کی نذر ماننے میں اعتبار نیت کا ہوگا، نہ کہ نذر کیے گئے جانور کو ذبح کرتے وقت اللہ کا نام ذکر کرنے کا۔جس شخص نے کسی میت کے لیے کوئی گائے نذر مانی تو وہ محض نذر کرنے ہی سے مشرک ہو جائے گا، خواہ وہ اسے ذبح کرتے وقت اس میت کا نام لے یا نہ لے۔اعتبار تو اس نذر ماننے والے کی نیت کا ہے جو اس میت کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے اور اس نذر کے ذریعے میت سے مشکلات کو دُور کرنے اور بھلائیوں کو قریب کرنے کا طالب ہے، کیونکہ ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ (البقرة 2 : 173) (اور جس کو غیر اللہ کے لیے پکارا جائے)، ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (المائدة 5 : 3، والنحل 16 : 115) (اور جس کو غیر اللہ کے لیے پکارا جائے)، ﴿أَوْ فِسْقًا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (الأنعام 6 : 145) (یا وہ فسق ہو کہ اس پر اللہ کے علاوہ کسی اور کا نام پکارا گیا ہو) ان سب فرامین باری تعالیٰ میں غیر اللہ کے لیے پکارا جانا عام ہے، خواہ اسے غیراللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے یا نہ کیا جائے۔جس چیز پر غیراللہ کا نام پکارا جائے، وہ بسااوقات مشروبات یا ملبوسات یا عطریات سے تعلق رکھتی ہوتی ہے، بلکہ بسااوقات معدنیات، مثلاً سونا، چاندی، یاقوت و مرجان وغیرہ کی ہوتی ہے اور کبھی تو کھانے کی ایسی چیز ہوتی ہے، جسے ذبح کرنے کی ضرورت ہی نہیں ہوتی، جیسا کہ مچھلی، تیل، گھی اور شہد وغیرہ (تو کیا غیر اللہ کی ایسی نذر جائز ہو جائے گی؟)۔اِہلال کا معنیٰ آواز بلند کرنا ہے، ذبح کرنا نہیں۔جس نے یہ دعویٰ کیا کہ فرمانِ باری تعالیٰ: ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ سے مراد

وہ جانور ہے جس پر بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام لیا جائے،اس نے بڑی فحش غلطی کی ہے اور قرآنِ کریم کی ایک مطلق آیت کو بغیر کسی دلیل کے مقید اور ایک عام آیت کو بغیر دلیل کے خاص کر دیا ہے،اس نے عربی زبان میں ایسی بات شامل کرنے کی کوشش کی ہے، جسے عرب لوگ جانتے تک نہیں۔اہل عرب کے ہاں اہلال ذبح کے معنیٰ میں نہیں ہوتا۔بعض مفسرین کرام نے اس آیت کی تفسیر میں جو اس طرح کی بات کہی ہے کہ ایسا جانور جو بتوں اور طاغوتوں کے لیے ذبح کیا جائے۔۔۔،تو انہوں نے اس لفظ کا پورا لغوی معنیٰ نہیں کیا، بلکہ ان کا مقصود اس آیتِ کریمہ میں مراد لی گئی چیزوں میں سے ایک چیز کو بیان کرنا تھا،کیونکہ پہلی امتوں کے مشرکین جب کسی جانور کو اپنے معبودوں کے لیے نذر کرتے تھے تو عموماً اسے انہی معبودوں کا نام لے کر ذبح کرتے تھے۔اس امت کے قبر پرست اپنی قبر پرستی کے لیے حیلہ کرتے ہوئے اولیاء کی نذر کیے گئے جانور کو ظاہری طور پر اللہ کے نام پر ذبح کر دیتے ہیں،لیکن درحقیقت یہ جانور اسی مُردہ ولی کے نام پر ذبح ہوتا ہے۔یہ لوگ اگرچہ ظاہری طور پر اپنی زبان سے اس ولی کا نام نہیں لیتے،لیکن ان کے دلوں میں اس جانور کو ذبح کرنے سے پہلے،ذبح کرتے وقت اور ذبح کرنے کے بعد اسی کا ذکر ہوتا ہے۔ان کا اس جانور کو میت کی نذر کرنا،دل میں جانور کو اس میت سے منسوب کرنا،جانور کا نذرانہ پیش کر کے اس ولی کے تقرب کے حصول کی کوشش اور اس سے مصائب کو دُور کرنے اور آسائشوں کو قریب لانے کی فریاد کرنا،یہ سب چیزیں اس بات کی واضح دلیل ہیں۔معلوم ہوا کہ جب جانور کو غیر اللہ کی نذر کیا گیا ہو،اس وقت زبانی طور پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کرنا کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔اللہ کا نام لے کر ذبح کرنا تو قبر پرستی کا ایک حیلہ ہے،جو انہیں شرک کرنے اور حرام کھانے سے بری نہیں کر سکتا،کیونکہ اعتبار تو نیت کا ہے نہ کہ زبانی طور پر اللہ کا نام لے کر ذبح کرنے کا۔ایسی نذر ماننے والا مشرک ہے اور ایسا نذر کیا گیا جانور حرام ہے،اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جاتا رہے۔'' (جهود علماء الحنفيّة في إبطال عقائد القبوريّة : 3/1561، 1562)

شیخ الاسلام، ابوالعباس، احمد بن عبدالحلیم، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّ قَوْلَهُ تَعَالٰی : ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾(المائدة 5 : 3) ظَاهِرُهُ أَنَّهُ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، مِثْلُ أَنْ يُّقَالَ : هٰذَا ذَبِيحَةٌ لِّكَذَا، وَإِذَا كَانَ هٰذَا هُوَ الْمَقْصُودَ، فَسَوَاءٌ لَّفَظَ بِهِ أَوْ لَمْ يَلْفِظْ، وَتَحْرِيمُ هٰذَا أَظْهَرُ مِنْ تَحْرِيمِ مَا ذَبَحَهُ لِلَحْمٍ، وَقَالَ فِيهِ : بِاسْمِ الْمَسِيحِ، وَنَحْوِهِ، ـــ، فَإِذَا حُرِّمَ مَا قِيلَ فِيهِ : بِاسْمِ الْمَسِيحِ، أَوِ الزَّهْرَةِ، فَلَأَنْ يُّحَرَّمَ مَا قِيلَ فِيهِ : لِأَجْلِ الْمَسِيحِ وَالزَّهْرَةِ، أَوْ قَصَدَ بِهِ ذٰلِكَ، أَوْلٰى، وَهٰذَا يُبَيِّنُ لَكَ ضَعْفَ قَوْلِ مَنْ حَرَّمَ مَا ذُبِحَ بِاسْمِ غَيْرِ اللّٰهِ، وَلَمْ يُحَرِّمْ مَّا ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، ـــ، وَعَلٰی هٰذَا، فَلَوْ ذُبِحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ مُتَقَرِّبًا بِهِ إِلَيْهِ لَحُرِّمَ، وَإِنْ قَالَ فِيهِ : بِسْمِ اللّٰهِ، كَمَا يَفْعَلُهُ طَائِفَةٌ مِّنْ مُّنَافِقِي هٰذِهِ الْأُمَّةِ، الَّذِينَ يَتَقَرَّبُونَ إِلَی الْأَوْلِيَاءِ وَالْكَوَاكِبِ، بِالذَّبْحِ، وَالْبُخُورِ، وَنَحْوِ ذٰلِكَ .

''فرمانِ باری تعالیٰ﴿وَمَا أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهِ﴾(المائدة 5 : 3) (اور جو غیر اللہ کے لیے پکارا جائے) سے واضح طور وہ جانور مراد ہے جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا جائے، مثلاً کہا جائے کہ یہ جانور فلاں کے لیے ذبح کیا گیا ہے۔جب مقصد یہ ہوتو زبان سے ادا کرنے یا نہ کرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔اس کی حرمت اس جانور کی حرمت سے زیادہ واضح ہے جسے گوشت کھانے کی نیت سے ذبح کیا جائے،لیکن ذبح کرتے وقت اس پر مسیح کا نام لیا جائے۔۔۔جب مسیح یا کسی ستارے کا نام لے کر ذبح کیا گیا جانور حرام ہے تو وہ جانور بالاولیٰ حرام ہے جس کے بارے میں کہہ دیا جائے کہ یہ مسیح یا کسی ستارے کے لیے ہے یا ایسی نیت کر لی جائے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی بات کمزور ہے جو کہتے ہیں کہ غیر اللہ کے نام لے کر ذبح کیا گیا جانور تو حرام ہے، لیکن غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا جانور حرام نہیں۔۔۔اس لیے جو جانور کسی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کے لیے ذبح کیا

جائے، وہ حرام ہے، اگرچہ اسے ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا جائے۔ جیسا کہ اس امت کے منافقوں کا ایک گروہ کرتا ہے، یہ لوگ اولیاء اللہ یا ستاروں کا تقرب حاصل کرنے کے لیے جانور ذبح کرتے ہیں اور عطریات وغیرہ کے ذریعے ان کی نذریں مانتے ہیں۔''

(اقتضاء الصراط المستقيم لمخالفة أصحاب الجحيم : 64/2)

شارحِ صحیح بخاری، حافظ، احمد بن علی، ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں :

﴿وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾، أَيْ مَا ذُبِحَ لِغَيْرِهٖ، وَأَصْلُهٗ رَفْعُ الذَّابِحِ صَوتَهٗ بِذِكْرِهٖ مَنْ ذُبِحَ لَهٗ.

''اس فرمانِ باری تعالیٰ سے مراد وہ جانور ہے جو اللہ کے علاوہ کسی اور کے لیے ذبح کیا جائے۔ اہلال کا اصل معنیٰ یہ ہے کہ ذبح کرنے والا اس ہستی کا بلند آواز سے ذکر کرے، جس کے لیے جانور ذبح کیا جا رہا ہو۔''

(هُدى الساري مقدّمة فتح الباري، ص : 202)

حنفی مذہب کی معتبر کتابوں میں لکھا ہوا ہے :

ذَبْحٌ لِّقُدُومِ الْأَمِيرِ، وَنَحْوِهٖ، كَوَاحِدٍ مِّنَ الْعُظَمَاءِ، يَحْرُمُ، لِأَنَّهٗ أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَوْ ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ تَعَالٰى.

''امیر یا اس طرح کے کسی بڑے کی آمد پر جانور ذبح کرنا حرام ہے، کیونکہ اس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہے، اگرچہ اس پر (بوقتِ ذبح) اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا گیا ہو۔''

(الدر المختار للحصكفي : 320/2، الدر المختار مع رد المحتار لابن عابدين : 195/6، وفي نسخة : 309/6، مجموعة الفتاوى لعبد الحئ اللكنوي الحنفي : 306/2، 223/3)

معلوم ہوا کہ غیر اللہ کا تقرب مقصود ہو تو ذبح کیا گیا جانور حرام ہوتا ہے، خواہ ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام نہ پکارا جائے، بلکہ اسے اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے۔

ان عبارتوں سے اہلال کا معنیٰ واضح ہو جاتا ہے، یعنی وہ جانور حرام ہے جس کے متعلق غیر اللہ کی تعظیم کی نیت ہو، وقتِ ذبح کی کوئی قید نہیں۔

شاہ عبدالعزیز دہلوی حنفی بن شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی (1159-1239ھ) لکھتے ہیں:

''اگر یہ نیت ہو کہ غیر اللہ کا تقرب حاصل ہو تو اگرچہ ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کریں، تب بھی وہ ذبیحہ حرام ہوگا۔'' (فتاوی عزیزیہ: 47/1)

جناب احمد سرہندی، الملقب بہ ''مجدد الف ثانی'' (م: 1034ھ) فرماتے ہیں:

''بزرگوں کے لیے جو نذریں حیوانات کی مانتے ہیں اور ان کو قبروں پر لے جا کر ذبح کرتے ہیں، فقہی روایات نے اس عمل کو شرک میں داخل کیا ہے۔''

(مکتوبات امام ربانی، ص: 73، مکتوب نمبر 41، دفتر: 3)

علامہ، محمد بن علی، شوکانی، یمنی رحمہ اللہ (1173-1250ھ) اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

وَالْمُرَادُ هُنَا مَا ذُكِرَ عَلَيْهِ اسْمُ غَيْرِ اللّٰهِ، كَاللَّاتِ، وَالْعُزّٰى، إِذَا كَانَ الذَّبَّاحُ وَثَنِيًّا، وَالنَّارِ، إِذَا كَانَ الذَّابِحُ مَجُوسِيًّا، وَلَا خِلَافَ فِي تَحْرِيمِ هٰذَا وَأَمْثَالِهٖ، وَمِثْلُهٗ مَا يَقَعُ مِنَ الْمُعْتَقِدِينَ لِلْأَمْوَاتِ، مِنَ الذَّبْحِ عَلٰى قُبُورِهِمْ، فَإِنَّهٗ مِمَّا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ، وَلَا فَرْقَ بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الذَّبْحِ لِلْوَثَنِ.

''اس آیتِ کریمہ میں وہ جانور مراد ہے جس پر غیر اللہ کا نام لیا جائے، جیسا کہ اگر ذبح کرنے والا بت پرست ہو تو وہ لات و عزیٰ کا نام لے گا اور اگر وہ مجوسی ہو تو آگ کا۔ اس طرح کے جانوروں کی حرمت میں کوئی اختلاف نہیں۔ مُردہ پرستوں کی طرف سے قبروں پر جو جانور ذبح کیے جاتے ہیں، وہ بھی اسی طرح حرام ہیں، کیونکہ ان پر بھی غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہوتا ہے۔ قبروں پر اور بتوں کے استھانوں پر جانور ذبح کرنے میں کوئی فرق نہیں۔''

(فتح القدير الجامع بين فنّي الرواية والدراية من علم التفسير: 196/1)

معلوم ہوا کہ جو جانور بتوں، دیویوں، دیوتاؤں، آستانوں، قبروں اور اولیاء اللہ کے لیے نامزد ہو گیا، اسے بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہی رہتا ہے، کیونکہ اس کو غیر اللہ کے لیے مقرر کرنے والے کا مقصد گوشت نہ تھا، بلکہ غیر اللہ کا تقرب تھا۔

''مفتی'' احمد یار خان نعیمی بریلوی صاحب ایک اشکال ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

''اگر کسی نے جانور میت کے نام پر پالا، بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے، حالانکہ [أُهِلَّ] میں تو یہ بھی داخل ہو گیا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا [مَا أُهِلَّ] کی حد میں آ گیا۔ اب ماننا پڑا کہ وقتِ ذبح اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے، نہ کہ قبل کا۔'' (''جاء الحق'' :1/363-364)

جس وجہ سے اس حلال جانور کا کھانا حرام ہوا تھا، جب وہ وجہ ہی ختم ہو گئی تو اس کا کھانا جائز ہو گیا۔ جب ایک شخص نے اپنے دل سے غیر اللہ کی نذر و نیاز کی نیت ہی ختم کر دی تو وہ جانور غیر اللہ سے منسوب رہا ہی نہیں۔ اس سے وقتِ ذبح کی قید کیسے ثابت ہو گئی؟

۲ نذر و نیاز والی نسبت شرک ہے :

کسی چیز کو اگر اولیاء اللہ کی طرف منسوب کیا جائے تو یہ نسبت نذر و نیاز کی ہو گی، جو کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کے لیے کرنا شرک، حرام اور ناجائز ہے۔ اس کے برعکس کوئی جانور اپنے مالک کی طرف منسوب ہو تو یہ نسبت نذر و نیاز کی نہیں بلکہ ملکیتی ہے، اسی طرح اگر اسے کسی موقع کے ساتھ منسوب کر دیا جائے، مثلاً عید کا بکرا، تو یہ نسبت اللہ تعالیٰ کے لیے نذر و نیاز کی ہے، جو کہ عین عبادت ہے اور ولیمے کی گائے، وغیرہ، یہ نسبت غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز کی نہیں۔ اتنی سی بات بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتی۔

جناب ''مفتی'' احمد یار خان نعیمی بریلوی لکھتے ہیں :

''جب [أُهِلَّ] کے لغوی معنیٰ مراد ہوئے، یعنی جانور پر اس کی زندگی میں یا بوقتِ ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں، کیونکہ قرآن میں آتا ہے : ﴿وَمَا أُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ 'ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جائے۔' 'ما' میں جانور کی قید نہیں۔ پھر

خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور نیت سے بہر حال حرمت آنی چاہیے، تو زید کا بکرا، عمرو کی بھینس، زید کے آم، بکر کے پھل، فلاں کی بیوی۔۔۔۔''(''جاء الحق'':363/1)

ان لوگوں کو کوئی پوچھے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے جو فرمایا ہے کہ غیر اللہ کے لیے جانور ذبح کرنا شرک ہے، اس کا مصداق بھی کوئی ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ جو جانور غیر اللہ کے لیے نذر نیاز کی نیت سے منسوب کر کے ذبح کیا جائے گا، وہی حرام ہوگا اور یہی نسبت شرک ہوگی، اس کے علاوہ باقی ساری نسبتیں جائز ہوں گی۔

صاف ظاہر ہے کہ جو جانور یا چیزیں اصحابِ قبور اور اولیاء اللہ کی طرف منسوب ہوتی ہیں، وہ ان کی نذر و نیاز ہونے کی بنا پر ہی منسوب ہوتی ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ یہ غوث پاک کی گائے ہے یا یہ شیخ سدو کا بکرا ہے تو یہ غیر اللہ کے لیے نذر و نیاز ہی تو ہے۔

''مفتی'' صاحب کی ایک تعجب خیز بات ملاحظہ فرمائیں، وہ لکھتے ہیں:

''گیارہویں کا بکرا یا غوث پاک کی گائے وغیرہ، یہ شرعاً حلال ہے، جیسا کہ ولیمہ کا جانور۔''(''جاء الحق'':359,358/1)

حلت و حرمت کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، کسی انسان کو اسے اپنے ہاتھ میں کرنے کی اجازت نہیں، لیکن ''مفتی'' صاحب شاید حلت و حرمت کو اپنی اجارہ داری سمجھ رہے ہیں! ہمارا سوال ہے کہ ولیمہ کے جانور کی نسبت تو شریعت سے ثابت ہے، لہٰذا ولیمے کا جانور شرعاً حلال ہوا، لیکن گیارہویں کا بکرا یا غوث پاک کی گائے والی نسبت کس شریعت سے ثابت ہے؟ ظاہر ہے کہ یہ نسبت شریعتِ اسلامیہ سے ثابت ہوگی تو ہی ایسا جانور شرعاً حلال ہوگا۔ بتائیں کہ کس صحابی نے نبی اکرم ﷺ کے نام کی گائے چھوڑی یا ذبح کی؟

کہاں غیر اللہ کی نذر و نیاز کے لیے ان سے جانور منسوب کرنے کا شرکیہ عمل اور کہاں ولیمہ جیسے مسنون عمل کے لیے منسوب جانور۔ جب دامن دلائل سے خالی ہو جائے تو ایسی ہی بے ربط باتیں کی جاتی ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ''مفتی'' صاحب غیر اللہ کے نام پر ذبح

کرنے کے ثبوت کے لیے غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز ثابت کرتے ،لیکن انہوں نے جاہل عوام کو دھوکا دینے کے لیے اس طرح کی الٹی سیدھی باتیں شروع کر دی ہیں۔

③ گوشت کھانا یا نہ کھانا مؤثر نہیں :

غیر اللہ کے لیے جو جانور ذبح کیا جائے،اس کا گوشت کھانے کا ارادہ ہو یا نہ ہو،اسے کھایا جائے یا نہ کھایا جائے،وہ حرام ہی ہوتا ہے۔

''مفتی'' صاحب فقہ حنفی کی کچھ عبارات کی مراد بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''غیر خدا کو راضی کرنے کے لیے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو،جیسے کہ ہندو لوگ بتوں یا دیوی کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر بتوں کو راضی کرنا مقصود ہے۔یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے،جب بھی حرام ہے،بشرطیکہ ذبح کرنے والے کی نیت بھینٹ کی ہو،نہ کہ ذبح کرانے والے کی۔ان فقہی عبارات سے یہ ہی مراد ہے۔''(''جاء الحق'':365,364/1)

کیا بریلوی حضرات بزرگوں کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں تو ان کا مقصود گوشت کھانا ہوتا ہے؟ کیا قبروں پر جانور ذبح کرنے والے گوشت کھانے کے لیے ایسا کرتے ہیں؟

ہم ''مفتی'' صاحب کی اس عبارت پر کوئی تبصرہ کرنے کی بجائے،اسی عبارت کو حسبِ حال ہندو کی جگہ بریلوی اور بتوں کی جگہ قبروں وغیرہ کے الفاظ لگا کر لکھ رہے ہیں اور فیصلہ اربابِ فکر ونظر پر چھوڑتے ہیں کہ وہ خود ہی انصاف کر دیں، ملاحظہ فرمائیں :

''غیر خدا کو راضی کرنے کے لیے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود نہ ہو،جیسے کہ بریلوی لوگ قبروں ،آستانوں اور اولیاء اللہ کی بھینٹ چڑھاتے ہیں کہ اس سے صرف خون دے کر اصحابِ قبور کو راضی کرنا مقصود ہے۔یہ جانور اگر بسم اللہ پڑھ کر بھی ذبح کیا جاوے،جب بھی حرام ہے۔''

رہا ''مفتی'' صاحب کا یہ شرط ذکر کرنا : ''بشرطیکہ ذبح کرنے والے کی نیت بھینٹ

کی ہو، نہ کہ ذبح کروانے والے کی۔'' تو یہ شرط فقہائے احناف کی گھڑنتل ہے۔قرآن و حدیث اور آثارِ صحابہ وتابعین میں اس کا کہیں ذکر نہیں۔سلف صالحین اور ائمہ ھُدیٰ میں سے کوئی بھی ان کا ہم خیال نہیں۔

احناف کی فقہی موشگافیاں:

حنفی مذہب کی کتابوں میں تو یہاں تک لکھا ہے:

مُسْلِمٌ ذَبَحَ شَاةَ الْمَجُوسِ، لِبَيْتِ نَارِهِمْ، أَوِ الْكَافِرِ، لِآلِهَتِهِمْ، تُؤْكَلُ، لِأَنَّهٗ سَمَّی اللّٰهَ تَعَالٰی، وَيُكْرَهُ لِلْمُسْلِمِ.

''مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری، جو ان کے آتش کدہ کے لیے تھی، یا کافر کی، ان کے معبودوں کے لیے تھی، ذبح کی، وہ حلال ہے، کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے، مگر یہ کام مسلمان کے لیے مکروہ (ناپسندیدہ) ہے۔'' (فتاویٰ عالمگیری: 115/3)

یہ سب اپنی شکم پروری کے طریقے ہیں۔کافروں کا حرام مال اپنے لیے حلال کرنے کی خاطر یہ حیلہ تراش لیا گیا۔یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟

آیئے ذبح سے متعلق اس ''فقہ شریف'' کا ایک اور مسئلہ ملاحظہ فرمائیں:

وَفِي فَتَاوٰی أَهْلِ سَمَرْقَنْدْ : إِذَا ذَبَحَ كَلْبَهٗ، وَبَاعَ لَحْمَهٗ جَازَ، وَكَذَا إِذَا ذَبَحَ حِمَارَهٗ، وَبَاعَ لَحْمَهٗ، وَهٰذَا فَصْلٌ اخْتَلَفَ فِيهِ الْمَشَايِخُ فِيهِ، بِنَاءً عَلَى اخْتِلَافِهِمْ فِي طَهَارَةِ هٰذَا اللَّحْمِ بَعْدَ الذَّبْحِ، وَاخْتِيَارُ الصَّدْرِ الشَّهِيدِ عَلٰى طَهَارَتِهٖ.

''اہل سمرقند کے فتاوی میں ہے کہ جب (کوئی حنفی) اپنے کتے کو ذبح کرے اور اس کا گوشت فروخت کرے تو جائز ہے۔اسی طرح جب وہ اپنے گدھے کو ذبح کرے اور اس کا گوشت فروخت کرے (تو جائز ہے)۔اس مسئلے میں ہمارے مشائخ کا اختلاف ہے اور اس کی وجہ ذبح ہونے کے بعد اس گوشت کے پاک ہونے میں اختلاف ہے۔صدر شہید نے

اس گوشت کے پاک ہونے کو ہی اختیار کیا ہے۔'' (فتاویٰ عالمگیری: 115/3)

اس طرح کے فتووں کا وقوع کسی انسان سے اسی وقت ہوتا ہے، جب اس کا دل تقویٰ سے خالی ہو جاتا ہے، ورنہ اللہ سے ڈرنے والے کبھی ایسی باتیں نہیں کر سکتے۔

آیئے اب آتے ہیں کلیساؤں اور آتش کدوں پر جانور ذبح کرنے کی طرف۔ فقہ حنفی نے اس حوالے سے بھی اپنے پیروکاروں کو محروم نہیں رکھا۔ فقہ حنفی کی ایک معتبر کتاب میں لکھا ہے:

وَإِنْ أَوْصَى الذِّمِّيُّ لِلْبِيعَةِ أَوْ لِلْكَنِيسَةِ، أَنْ يُنْفَقَ عَلَيْهَا فِي إِصْلَاحِهَا، أَوْ أَوْصَى أَنْ يُبْنَى بِمَالِهِ بِيعَةٌ، أَوْ كَنِيسَةٌ، أَوْ بَيْتُ نَارٍ، أَوْ أَوْصَى بِأَنْ يُذْبَحَ لِعِيدِهِمْ، أَوْ لِلْبِيعَةِ، أَوْ لِبَيْتِ نَارِهِمْ ذَبِيحَةٌ، جَازَ فِي قَوْلِ أَبِي حَنِيفَةَ، وَلَمْ يَجُزْ شَيْءٌ مِّنْهُ فِي قَوْلِ أَبِي يُوسُفَ وَمُحَمَّدٍ .

''اگر ذمی شخص یہ وصیت کرے کہ کلیسے یا گرجے کی مرمت کے لیے مال خرچ کیا جائے، یا وہ وصیت کر دے کہ اس کے مال سے کلیسہ، گرجہ یا آتش کدہ بنایا جائے، یا وہ وصیت کرے کہ ذمیوں کی عید کے موقع پر یا ان کے کلیسہ کے لیے یا ان کے آتش کدے کے لیے جانور ذبح کیا جائے تو امام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق یہ کام جائز ہے، جبکہ (قاضی) ابو یوسف اور محمد (بن حسن شیبانی) نے اس میں سے کسی کام کو بھی جائز قرار نہیں دیا۔''

(المبسوط للسرخسي: 94/28)

ایک طرف احناف کی یہ فقہ شریف کلیساؤں، گرجا گھروں اور آتش کدوں کی مرمت و تعمیر اور آگ جیسے باطل معبودوں کے لیے جانور ذبح کرنے کو بھی سندِ جواز دے رہی ہے، جبکہ دوسری طرف اس فقہ کے بعض پیروکار اہل حدیثوں کی مساجد کو منہدم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔ یہ کیسا ایمان اور کیسا اسلام ہے؟

حنفی فقہاء کی مذکورہ عبارات کو بنیاد بنا کر ''مفتی'' صاحب لکھتے ہیں:

''دیکھیے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبح بھی کراتا ہے بت یا آگ کی عبادت کی

نیت سے، گویا مالک کا پالنا اور ذبح کرانا دونوں فاسد، مگر چونکہ بوقتِ ذبح مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا ہے، لہٰذا جانور حلال ہے۔ کہیے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گزرا ہے کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام؟ والحمد للہ! بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعثِ ثواب۔'' (''جاء الحق'': 361/1)

یہ محض سینہ زوری ہے۔ حنفی فقہاء کے یہ حوالے حنفی تقلیدیوں کو ہی پیش کیے جائیں۔ انہی کے نزدیک بت پرستوں کی عبادت گاہوں اور معبودوں کے لیے ذبح کیا جانے والا جانور حلال ہوگا اور انہی کے نزدیک اس سے گیارہویں کا بکرا حلال ہوگا۔ ہمارے نزدیک نہیں۔ بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کے لیے نذر و نیاز کی نیت سے، دونوں حرام ہیں، خواہ انہیں مسلمان اللہ کا نام لے کر ذبح کرے، کیونکہ یہ دونوں جانور غیراللہ کی نذر و نیاز کے لیے ذبح کیے گئے ہیں۔ نذر و نیاز عبادت ہے، جیسے نماز و روزہ عبادت ہے۔ کوئی کسی بت کے لیے نماز پڑھے یا کسی نیک ولی کے لیے، دونوں صورتوں میں شرک اور حرام ہے۔

جو لوگ مجوسیوں کے آتش کدوں اور آگ کے لیے وقف بکروں کو حلال کر لیتے ہیں، ان کے لیے گیارہویں کے بکرے کو حلال قرار دینا کوئی مشکل نہیں۔ البتہ جو لوگ قرآن و حدیث، سلف صالحین اور ائمہ دین کی پیروی کرتے ہیں، ان کے لیے ایسا کرنا ناممکن ہے۔

دار العلوم دیوبند کے ''شیخ الحدیث'' جناب انور شاہ کشمیری دیوبندی کہتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّ الْإِهْلَالَ لِغَيْرِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَإِنْ كَانَ فِعْلًا حَرَامًا، لٰكِنَّ الْحَيَوَانَ الْمُهَلَّ حَلَالٌ، إِنْ ذَكَّاهُ بِشَرَائِطِهٖ، وَكَذَا الْحُلْوَانُ الَّتِي يُتَقَرَّبُ بِهَا لِلْأَوْثَانِ أَيْضًا، جَائِزَةٌ عَلَى الْأَصْلِ.

''جان لو کہ غیراللہ کے لیے ذبح کرنا اگرچہ حرام کام ہے، لیکن اگر اس جانور کو شرائط کے مطابق ذبح کیا جائے تو وہ حلال ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ مٹھائی جو بتوں کے تقرب کے

لیے رکھی جاتی ہے، وہ بھی اصل کی بنا پر جائز ہے۔'' (فيض الباري : 4/180)

ہم بھی حیران تھے کہ دیوبندی حضرات حرام سمجھتے ہوئے بھی مزارات کی نذر و نیاز اور گیارہویں کے حلوے کیوں ڈکار جاتے ہیں۔ اب یہ عقدہ کھلا ہے کہ اس مسئلے میں بریلوی اور دیوبندی حضرات متفق ہیں۔ شاید یہ بھی دارالعلوم دیوبند کی برکات میں سے ہے۔

یہاں کشمیری صاحب کا ایک اور کارنامہ بھی ملاحظہ فرماتے جائیں، لکھتے ہیں:

قَالَ أَبُو الْمُنْذِرِ : وَقَدْ بَلَغَنَا أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَكَرَهَا يَوْمًا، فَقَالَ : لَقَدِ اهْتَدَيْتُ لِلْعُزّٰى شَاةً عَفْرَاءَ، وَأَنَا عَلٰى دِينِ قَوْمِي .

''ابو منذر نے کہا کہ ہمیں یہ بات پہنچی کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک دن بتوں کا ذکر کیا اور فرمایا: میں نے عزّیٰ کے لیے ایک مٹیالے رنگ کی بکری کا چڑھاوا چڑھایا۔ اس وقت میں اپنی قوم (قریش) کے دین پر تھا۔'' (فيض الباري : 4/238)

استغفراللہ! ان لوگوں کی جرأت اور بے باکی ملاحظہ فرمائیں کہ یہ نبی اکرم ﷺ کی طرف کسی گمراہ اور مجہول شخص کی بیان کردہ انتہائی جھوٹی بات منسوب کرنے سے بھی باز نہیں آتے۔ کیا نبی اکرم ﷺ کسی دور میں مشرک بھی رہے تھے؟ (العیاذ باللہ)

فقہ حنفی اور غیر اللہ کی نذر و نیاز :

گیارہویں والے ہمارے بھائیوں کو اپنی فقہ کا یہ قول بھی ضرور یاد رکھنا چاہیے:

وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوقِ لَا يَجُوزُ، لِأَنَّهٗ عِبَادَةٌ، وَالْعِبَادَةُ لَا تَكُونُ لِلْمَخْلُوقِ .

''مخلوق کے لیے نذر و نیاز جائز نہیں، کیونکہ یہ عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہو سکتی۔'' (فتاوٰی شامي : 2/439)

جانوروں کی غیر اللّٰہ کی طرف نسبت اور قرآن :

اللہ تعالیٰ نے حرام چیزوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

﴿وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ﴾ (المائدة 5 : 3)

''اور جو جانور آستانوں پر ذبح کیا گیا ہو۔''

یعنی قبروں اور مزاروں پر ذبح کیا گیا جانور حرام ہے، اگرچہ اس پر بوقتِ ذبح اللہ کا نام پکار دیا جائے، اس کو کھانے سے روک دیا گیا ہے۔

نیز ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَيَجْعَلُوْنَ لِمَا لَا يَعْلَمُوْنَ نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ تَاللّٰهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ (النحل 16 : 56)

''اور وہ اللہ کے دیئے گئے رزق سے ان (معبودانِ باطلہ) کا حصہ مقرر کرتے ہیں، جن کو یہ جانتے تک نہیں۔ اللہ کی قسم! تم سے تمہارے جھوٹوں کے بارے میں ضرور باز پرس ہوگی۔''

امام اہل سنت، حافظ، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

يُخْبِرُ تَعَالٰى عَنْ قَبَائِحِ الْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ عَبَدُوا مَعَ اللّٰهِ غَيْرَهٗ مِنَ الْأَصْنَامِ، وَالْأَوْثَانِ، وَالْأَنْدَادِ، وَجَعَلُوا لَهَا نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ، فَقَالُوا : ﴿هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ﴾، بِغَيْرِ عِلْمٍ، ﴿وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلٰى شُرَكَائِهِمْ﴾ (الأنعام 6 : 136)، أَيْ جَعَلُوا لِآلِهَتِهِمْ نَصِيبًا مَّعَ اللّٰهِ، وَفَضَّلُوهُمْ أَيْضًا عَلٰى جَانِبِهٖ، فَأَقْسَمَ اللّٰهُ تَعَالٰى بِنَفْسِهِ الْكَرِيمَةِ، لَيَسْأَلَنَّهُمْ عَنْ ذٰلِكَ الَّذِي افْتَرَوْهُ، وَائْتَفَكُوهُ، وَلَيُقَابِلَنَّهُمْ عَلَيْهِ، وَلَيُجَازِيَنَّهُمْ أَوْفَرَ الْجَزَاءِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ، فَقَالَ : ﴿تَاللّٰهِ لَتُسْأَلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ (النحل 16 : 56).

''اللہ تعالیٰ مشرکین کی بدکاریوں کے بارے میں خبر دے رہے ہیں جنہوں نے اس

کے سوا اور معبودوں کی عبادت شروع کر رکھی تھی اور انہوں نے اللہ کے دیئے ہوئے رزق میں سے ان معبودوں کے لیے حصہ مقرر کیا ہوا تھا۔ وہ اپنے خیال کے مطابق کہتے تھے کہ یہ حصہ اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا۔ وہ لاعلمی میں یہ کہتے تھے کہ جو حصہ ان کے شریکوں کا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے۔ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اپنے معبودوں کا حصہ مقرر کر رکھا تھا اور انہیں اللہ تعالیٰ کے حق پر حاوی بھی کیا ہوا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذاتِ مبارکہ کی قسم اٹھائی اور فرمایا کہ انہوں نے جو افترا پردازیاں کی ہیں اور جھوٹ باندھے ہیں، ان کے بارے میں وہ ضرور ان سے پوچھے گا اور انہیں ضرور اس جرم کی سزا اور جہنم میں اس کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿تَاللّٰهِ لَتُسْـَٔلُنَّ عَمَّا كُنْتُمْ تَفْتَرُوْنَ﴾ (النحل 16 : 56). (اللہ کی قسم! تم جو جھوٹ باندھتے تھے، اس کے بارے میں تم سے ضرور پوچھا جائے گا)۔“

(تفسیر القرآن العظیم : 45/4، بتحقیق عبد الرزّاق المهدي)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ﴾ (المائدة 5 : 103)

”اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے، بلکہ کافر لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں اور ان میں سے اکثر عقل نہیں رکھتے۔“

اس آیتِ کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ کے نام منسوب کیے ہوئے جانوروں کی شرعی حیثیت کی نفی کی ہے۔ کفار یہ کہتے تھے کہ یہ جانور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ طریقے کے مطابق منسوب کیے جاتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا کفار کا طرزِ عمل تھا۔

یاد رہے کہ اس آیت میں صرف اس تاثر کی نفی کی گئی ہے کہ غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنا جائز ہے، یہاں ان جانوروں کی حلت و حرمت کا کوئی تذکرہ نہیں۔

''مفتی'' صاحب اس پر بھی طبع آزمائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

''یہ چار جانور، بحیرہ وغیرہ وہ تھے، جن کو کفارِ عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔قرآن نے اس کو حرام سمجھنے کی تردید فرمادی، حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا: ﴿كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾(الأنعام 6 : 142)(کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو)۔''(''جاء الحق'':362/1)

بحیرہ والی آیت میں صرف یہ بتایا گیا ہے کہ یہ جانور اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نہیں، بلکہ اس بارے میں مشرکین نے اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھا ہے۔ان جانوروں کی حلت و حرمت کا اس آیت میں کوئی ذکر نہیں کیا گیا، جبکہ ﴿وَمَا اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ﴾ والی آیت سے معلوم ہو گیا کہ یہ جانور حرام ہیں۔''مفتی'' صاحب نے جو آیتِ کریمہ ذکر کی ہے، اس میں بحیرہ و سائبہ وغیرہ کی حلت کا کوئی ذکر نہیں۔اس آیت میں تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے رزق کو کسی کے نام منسوب کر کے حرام کرنا کفار کا کام ہے، تم ایسا نہ کرنا، اگر تم کفار کی تقلید میں ایسے جانور مقرر کرو گے تو شیطان کی پیروی کرو گے۔

کسی بھی مفسر نے اس آیتِ کریمہ کی رُو سے بحیرہ وغیرہ کو حلال قرار نہیں دیا اور یہ نہیں کہا کہ اس آیت میں بحیرہ وغیرہ کو کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ظاہر ہے کہ جو بحیرہ وغیرہ کفار نے مقرر کیے تھے، وہ انہی کی ملکیت تھے اور انہوں نے اپنے بتوں کے نام کیے ہوئے تھے، مسلمانوں کو کیسے حکم دیا جا سکتا تھا کہ وہ ان کو کھائیں؟ یہ قرآنِ کریم کی معنوی تحریف ہے اور اس سے ''مفتی'' صاحب کی علمی حالت عیاں ہو جاتی ہے۔

رہا ''مفتی'' صاحب کا اپنی تائید میں حافظ نووی رحمہ اللہ کا ایک قول ذکر کرنا تو یہ قول قرآن و سنت اور فہم سلف کے خلاف ہونے کی بنا پر ناقابل التفات ہے۔سلف صالحین اور ائمہ دین و محدثین میں سے کوئی بھی ان کا ہمنوا نہیں۔

آخر میں ہمارا بریلوی بھائیوں سے سوال ہے کہ کیا صحابہ کرام، تابعین عظام اور ائمہ دین بشمول امام ابو حنیفہ سے غیر اللہ کے لیے جانور چھوڑنا اور بزرگوں کی نذر کر کے انہیں ذبح کرنا ثابت ہے؟ کیا کسی صحابی نے رسول اللہ ﷺ کے نام پر کوئی جانور چھوڑا تھا؟ کسی تابعی نے سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سمیت کسی صحابی کے نام پر کوئی جانور چھوڑا ہو! کسی تبع تابعی نے کسی تابعی کے نام پر یا امام ابو حنیفہ نے کسی صحابی و تابعی کے نام سے کوئی جانور منسوب کیا ہو! اگر یہ جائز ہوتا، بلکہ بریلوی بھائیوں کے نزدیک نیکی کا کام ہے، تو صحابہ کرام سے بڑھ کر کون نیکیوں کا متلاشی تھا؟ کیا صحابہ کرام کو رسولِ اکرم ﷺ سے اتنی بھی محبت نہیں تھی، جتنی بعد کے قبر پرست لوگوں کو اپنے بزرگوں اور پیروں سے ہے؟ صحابہ و تابعین اور ائمہ دین اس ''کارِ خیر'' سے کیونکر محروم رہے؟

ہم یہاں پر بریلوی بھائیوں سے یہ بھی پوچھیں گے کہ جب غیر اللہ، مثلاً مُردوں اور غائب پیروں کو پکارنے کی نفی کی جاتی ہے اور اس سلسلے میں آیاتِ قرآنیہ پیش کی جاتی ہیں تو ان کا جواب کچھ یوں ہوتا ہے: ''یہ آیات تو بتوں کے لیے ہیں، جو آپ اولیاء اللہ پر فٹ کر رہے ہیں۔ اولیاء اللہ بھلا غیر اللہ ہوتے ہیں؟ وہ غیر اللہ نہیں، بلکہ اللہ کے دوست ہیں۔۔۔'' وغیرہ۔ لیکن یہاں پر ان کا طرزِ عمل مختلف ہے۔ جب غیر اللہ کے نام کے ذبیحے کی بات آتی ہے تو وہ کہہ دیتے ہیں کہ ذبح کرتے وقت اللہ کے علاوہ کسی کا نام لیا جائے تو وہ حرام ہو جاتا ہے۔ اس موقع پر انہیں شاید یہ یاد نہیں رہتا کہ ان کے نزدیک اولیاء اللہ غیر اللہ نہیں ہوتے۔ انہیں چاہیے کہ وہ ذبح کرتے وقت بھی اولیاء اللہ کا نام لینا جائز قرار دے دیں، ورنہ پکار کے حوالے سے بھی اپنے غیر اللہ کے نظریے پر نظر ثانی کر لیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ عقیدۂ توحید کو سمجھنے، اسی کے مطابق زندگی بسر کرنے اور اسی پر مرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

❁❁❁❁❁❁❁

بعض لوگ یہ بیان کرتے سنائی دیتے ہیں کہ سانحۂ حرہ (63ھ) کے دوران نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک سے اذان سنائی دیتی رہی۔کسی بھی واقعے،حادثے یا سانحے کی صحت وسقم کا پتہ اس کی سند سے لگایا جا سکتا ہے۔محدثین کرام رحمہم اللہ پر اللہ تعالیٰ رحم فرمائے،انہوں نے قرآن و سنت کی روشنی میں سند کی پرکھ کے لیے مبنی بر انصاف قوانین وضع کیے،پھر راویانِ اسانید کے کوائف بھی سپرد کتب کر دیئے۔ذخیرۂ روایات کی جانچ کا یہ انداز اسلامی ورثے کا امتیازی پہلو ہے۔دیگر مذاہب میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

کتبِ حدیث ہوں یا سیرت و تاریخ،اہل علم ان میں اپنی سندیں ذکر کر کے اپنی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو چکے ہیں،اب یہ بعد والوں پر ہے کہ وہ ان اصول وقوانین اور راویوں کے کوائف کو مدنظر رکھتے ہوئے صحت وسقم کا لحاظ کریں یا اپنے مفاد میں ملنے والی ہر روایت کو اندھا دھند پیش کرتے جائیں۔

ذیل میں سانحۂ حرہ کے دوران قبر نبوی سے اذان کے بارے میں ملنے والی روایت اپنی تمام تر سندوں اور ان پر تبصرے کے ساتھ پیش خدمت ہے۔فیصلہ خود فرمائیں!

① سعید بن عبد العزیز تنوخی رحمہ اللہ (م:90ھ) بیان کرتے ہیں:

لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ لَمْ يُؤَذَّنْ فِي مَسْجِدِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثًا، وَلَمْ يُقَمْ، وَلَمْ يَبْرَحْ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ الْمَسْجِدَ، وَكَانَ لَا يَعْرِفُ وَقْتَ الصَّلَاةِ، إِلَّا بِهَمْهَمَةٍ، يَسْمَعُهَا مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''سانحۂ حرہ کے دوران تین دن تک مسجدِ نبوی میں اذان و اقامت نہیں ہوئی تھی۔ان دنوں امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ مسجدِ نبوی ہی میں مقیم تھے۔انہیں نماز کا وقت نبی اکرم ﷺ

کی قبر مبارک سے سنائی دینے والی آواز ہی سے ہوتا تھا۔" (مسند الدارمي :44/1)

تبصرہ : اس کی سند "انقطاع" کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔سانحۂ حرہ اسے بیان کرنے والے راوی سعید بن عبد العزیز تنوخی رحمہ اللہ کی پیدائش سے بہت پہلے رونما ہو چکا تھا۔پھر سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے ملاقات بھی نہیں ہوئی۔حرہ کا واقعہ 63 ہجری میں رونما ہوا اور امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ 94 ہجری میں فوت ہوئے، جبکہ سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ کی پیدائش 90 ہجری کو ہوئی۔

پھر امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ مدینہ منورہ میں فوت ہوئے، جبکہ سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ شام میں پیدا ہوئے۔اب کیسے ممکن ہے کہ سعید بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے یہ روایت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے خود سنی ہو؟ انہیں کس شخص نے یہ بات بیان کی، معلوم نہیں۔لہٰذا یہ روایت "انقطاع" کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔

② امام ابن سعد رحمہ اللہ نے اس واقعہ کو یوں نقل کیا ہے :

أَخْبَرَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عُمَرَ، قَالَ : حَدَّثَنِي طَلْحَةُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سَعِيدٍ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ : كَانَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ أَيَّامَ الْحَرَّةِ فِي الْمَسْجِدِ،---، قَالَ : فَكُنْتُ إِذَا حَانَتِ الصَّلَاةُ أَسْمَعُ أَذَانًا يَّخْرُجُ مِنْ قِبَلِ الْقَبْرِ، حَتّٰى أَمِنَ النَّاسُ .

"امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سانحۂ حرہ کے دنوں میں مسجد نبوی ہی میں مقیم تھے۔۔۔وہ بیان کرتے ہیں کہ جب بھی اذان کا وقت ہوتا، میں قبر نبوی سے اذان کی آواز سنتا۔جب تک امن نہ ہوگیا، یہ معاملہ جاری رہا۔" (الطبقات الکبریٰ : 132/5)

تبصرہ : یہ من گھڑت قصہ ہے، کیونکہ اس کی سند میں :

① محمد بن عمر واقدی جمہور محدثین کرام کے نزدیک "ضعیف" اور "متروک" ہے۔

② دوسرا راوی طلحہ بن محمد بن سعید "مجہول" ہے۔

اس کے بارے میں امام ابوحاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا أَعْرِفُ .

''میں اسے نہیں جانتا۔''(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 486/4)

③ تیسرے راوی محمد بن سعید بن مسیّب کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ''مقبول'' (مجہول الحال) قرار دیا ہے۔(تقریب التهذیب : 5913)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب [الثقات(421/7)] میں ذکر کیا ہے، کسی معتبر امام نے اس کی توثیق نہیں کی۔

③ [الطبقات الکبریٰ لابن سعد(131/5)]، [تاریخ ابن ابی خیثمہ(2011)]، [دلائل النبوۃ لابی نعیم الاصبہانی(510)]اور [مثیر العزم الساکن لابن الجوزی(476)] میں جو سند مذکور ہے۔اس کا راوی عبد الحمید بن سلیمان مدنی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں :

❁ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَیْسَ بِشَيْءٍ .

''یہ فضول راوی ہے۔''(تاریخ ابن معین بروایة العباس الدوري : 160/3)

❁ امام علی بن مدینی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(سؤالات ابن أبي شیبة لعليّ المدیني : 117)

❁ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعِیفُ الْحَدِیثِ .

''اس کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے۔''(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 14/6)

❁ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَیْسَ بِقَوِيٍّ .

''یہ بالکل بھی مضبوط نہیں۔''(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 14/6)

❁ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے [کتاب الضعفاء والمتروکین(351)] میں ذکر فرمایا ہے۔

❁ امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ نے انہیں ایسے راویوں میں ذکر کیا

ہے، جن کی روایت قابل التفات نہیں ہوتی، پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ساتھی محدثین سے سنا ہے کہ وہ اسے ''ضعیف'' کہتے ہیں۔(المعرفة والتاريخ : 150/3)

❀ امام نسائی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(كتاب الضعفاء والمتروكين : 397)

❀ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا شَيْءَ .

''یہ کسی کام کا نہیں۔'' (الثقات : 5927)

❀ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔

(تقريب التهذيب : 3764)

جمہور محدثین کرام کی اس تضعیف کے مقابلے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا [مَا أَرٰی بِهٖ بَأْسًا(العلل : 194)] کہنا اور امام ابن عدی رحمہ اللہ کا [وَهُوَ مِمَّنْ يُّكْتَبُ حَدِيثُهٗ(الكامل : 319/5)] کہنا اس کو ثقہ ثابت نہیں کرسکتا۔

④ حافظ، ابوعبداللہ، محمد بن محمود، ابن نجار رحمہ اللہ (578-643ھ) نقل کرتے ہیں:

أَنْبَأَنَا ذَاكِرُ بْنُ كَامِلِ بْنِ أَبِي غَالِبٍ الْخَفَّافِ، فِيمَا أُذِنَ لِي فِي رِوَايَتِهٖ عَنْهُ، قَالَ : كَتَبَ إِلَيَّ أَبُو عَلِيٍّ الْحَدَّادِ، عَنْ أَبِي نُعَيمٍ الْأَصْبَهَانِيِّ، قَالَ : أَنْبَأَنَا جَعْفَرُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ نَصِيرٍ : أَخْبَرَنَا أَبُو يَزِيدِ الْمَخْزُومِيُّ : أَخْبَرَنَا الزُّبَيْرُ بْنُ بَكَّارٍ : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ (بْنِ زَبَالَةَ) : حَدَّثَنِي غَيْرُ وَاحِدٍ مِّنْهُمْ، عَنْ عَبْدِ الْعَزِيزِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ مُحَمَّدٍ، أَنَّهٗ لَمَّا كَانَ أَيَّامُ الْحَرَّةِ تُرِكَ الْأَذَانُ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ، وَخَرَجَ النَّاسُ إِلَى الْحَرَّةِ، وَجَلَسَ سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيَّبِ فِي مَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : فَاسْتَوْحَشْتُ، فَدَنَوْتُ مِنْ قَبْرِ النَّبِيِّ

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَلَمَّا حَضَرَتِ الصَّلَاةُ، سَمِعْتُ الْأَذَانَ فِي قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''جن دنوں حادثۂ حرہ رونما ہوا، مسجد نبوی میں تین دن تک اذان نہ ہوئی۔ لوگ حرہ کی طرف نکل چکے تھے، لیکن سعید بن مسیّب رحمہ اللہ مسجد نبوی میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں تنہائی میں وحشت محسوس کرنے لگا تو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کے قریب ہو گیا۔ جب نماز کا وقت ہوا تو میں نے آپ ﷺ کی قبر مبارک سے اذان کی آواز سنی۔''

(الدرّة الثمينة في أخبار المدينة، ص : 159)

تبصرہ : یہ سفید جھوٹ ہے۔ اس کا راوی محمد بن حسن بن زبالہ مخزومی ''کذاب'' اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا شیدائی تھا۔

اس کے بارے میں :

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَيْسَ بِثِقَةٍ، كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ، كَانَ كَذَّابًا، وَلَمْ يَكُنْ بِشَيْءٍ .

''یہ قابل اعتماد نہیں تھا، حدیثوں کا سرقہ کرتا تھا، جھوٹا اور فضول شخص تھا۔''

(تاريخ ابن معين برواية العباس الدوري : 2/511,510)

② امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَاهِي الْحَدِيثِ، ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، عِنْدَهُ مَنَاكِيرُ، وَلَيْسَ بِمَتْرُوكِ الْحَدِيثِ .

''اس کی بیان کردہ حدیث کمزور، ضعیف اور منکر ہوتی ہے۔ اس کے پاس عجیب وغریب قسم کی روایات ہیں، البتہ یہ متروک الحدیث نہیں۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 7/228)

③ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ .

''محدثین نے اس کی روایات چھوڑ دی ہیں۔'' (كتاب الضعفاء والمتروكين : 535)

④ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ وَاهِي الْحَدِيثِ .

''اس کی بیان کردہ حدیث کمزور ہوتی ہے۔''(الجرح والتعديل : 228/7)

⑤ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔

(سؤالات البرقاني للدارقطني : 427)

⑥ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ، وَيَرْوِي عَنِ الثِّقَاتِ مَا لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُمْ، مِنْ غَيْرِ تَدْلِيسٍ مِّنْهُمْ .

''یہ حدیثوں کا سرقہ کرتا تھا اور ثقہ راویوں سے بغیر تدلیس کے وہ روایات بیان کرتا تھا، جو اس نے ان سے نہیں سنی ہوتی تھیں۔''(المجروحين : 275/2)

⑦ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَذَّبُوهُ .

''محدثین کے نزدیک یہ شخص جھوٹا تھا۔''(تقريب التهذيب : 8515)

نیز فرماتے ہیں: مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ .

''اس کے ضعیف ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔''(فتح الباري : 298/11)

یہ جروح میں لتھڑا ہوا راوی ہے، اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

قبر نبوی سے اذان کی آواز آنے کے بارے میں دنیا جہان میں یہی چار سندیں ہیں، جن کا حال آپ نے ملاحظہ فرما لیا ہے۔ دین کی بنیاد سند پر ہے، جب کسی قصے کہانی کی سندیں جھوٹی اور ناقابل اعتبار ہوں تو اس کو بیان کرنا جھوٹ کو رواج دینے کی کوشش ہے۔ بعض لوگ جھوٹی سندوں پر مبنی روایات سے اپنے عقائد اخذ کرتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

❀ مشہور فلسفی، جناب ظفر احمد عثمانی، دیوبندی (م: 1369ھ) لکھتے ہیں:

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَيٌّ، ـــ، وَإِنَّهٗ يُصَلِّي فِي قَبْرِهٖ بِأَذَانٍ وَّإِقَامَةٍ .

''بلاشبہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں۔۔۔، اور آپ اپنی قبر مبارک میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔''(فتح الملهم : 419/3)

قبر مبارک میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھنے کا نظریہ قطعی طور پر ثابت نہیں۔
قبر نبوی سے اذان والی روایات کی حقیقت آپ نے ملاحظہ کر ہی لی ہے۔خواہ مخواہ نبی اکرم ﷺ کے متعلق مبالغہ آمیزی پر مبنی عقیدہ گھڑ لیا گیا ہے۔

❀ دار العلوم دیوبند کے شیخ الحدیث، جناب انور شاہ کشمیری، دیوبندی صاحب (1292-1352ھ) کہتے ہیں: إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَعْمَالِ قَدْ تَثْبُتُ فِي الْقُبُورِ كَأَذَانٍ وَّالْإِقَامَةِ عِنْدَ الدَّارِمِيِّ، وَقِرَاءَ ةِ الْقُرْآنِ عِنْدَ التِّرْمِذِيِّ .

''قبروں میں بہت سے اعمال ثابت ہیں،جیسا کہ سنن دارمی میں اذان و اقامت ثابت ہے اور سنن ترمذی میں قرآن کی قراءت۔''(فيض الباري :1/183)

دارمی والی روایت کی حیثیت تو واضح کی جا چکی ہے،اب ترمذی والی روایت بھی ملاحظہ ہو:

❀ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی طرف یہ قول منسوب ہے:

ضَرَبَ بَعْضُ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خِبَاءَ هُ عَلٰى قَبْرٍ، وَهُوَ لَا يَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَّقْرَأُ سُورَةَ ﴿**تَبَارَكَ الَّذِي بِيَدِهِ الْمُلْكُ**﴾ حَتّٰى خَتَمَهَا، فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنِّي ضَرَبْتُ خِبَائِي عَلٰى قَبْرٍ، وَأَنَا لَا أَحْسِبُ أَنَّهُ قَبْرٌ، فَإِذَا فِيهِ إِنْسَانٌ يَّقْرَأُ سُورَةَ تَبَارَكَ الْمُلْكِ، حَتّٰى خَتَمَهَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : هِيَ الْمَانِعَةُ، هِيَ الْمُنْجِيَةُ، تُنْجِيهِ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ .

''ایک صحابی نے انجانے میں کسی قبر پر اپنا خیمہ لگا لیا۔اس میں ایک انسان سورۂ ملک کی قراءت کر رہا تھا۔اس نے مکمل سورت پڑھی۔صحابی نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی: اللہ کے رسول! میں نے انجانے میں ایک قبر پر اپنا خیمہ لگا لیا تو اس میں ایک انسان سورۂ ملک کی قراءت کر رہا تھا،اس نے پوری سورت پڑھی۔اس پر رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا: سورۂ ملک اپنے پڑھنے والے سے عذاب کو روکتی ہے اور اسے عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔'' (سنن الترمذي: 2890)

تبصرہ: اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی یحییٰ بن عمرو بن مالک نکری ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ مُنْكَرَ الرِّوَايَةِ عَنْ أَبِيهِ.

''یہ اپنے والد سے منکر روایات بیان کرتا تھا۔'' (المجروحين: 114/3)

مذکورہ بالا روایت بھی یحییٰ بن عمرو اپنے والد ہی سے بیان کر رہا ہے، لہٰذا یہ جرح مفسر ہوئی۔اس راوی کو امام یحییٰ بن معین، امام احمد بن حنبل، امام ابوزرعہ رازی، امام نسائی، امام دارقطنی (کتاب الضعفاء والمتروکین: 850) وغیرہم نے بھی ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

امام دارقطنی رحمہ اللہ کا اس کے بارے میں صُوَيْلِحٌ يُعْتَبَرُ بِهٖ کہنا ثابت نہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ''ضعیف'' ہی قرار دیا ہے۔ (تقريب التهذيب: 7614)

② یحییٰ بن عمرو کے والد عمرو بن مالک نکری (حسن الحدیث) یہ روایت ابوالجوزاء سے بیان کرتے ہیں اور ان کی ابوالجوزاء سے روایت ''غیر محفوظ'' ہوتی ہے۔

(تهذيب التهذيب لابن حجر: 336/1)

یہ تھی کشمیری صاحب کی دلیل جس کا حشر آپ نے دیکھ لیا۔کسی غیر ثابت روایت کو اپنا عقیدہ بنا لینا کیسے جائز ہے؟ کھوٹے سکے کسی کام کے نہیں ہوتے۔دین وعقیدہ کی بنیاد صرف صحیح احادیث بنتی ہیں۔ **ولله الحمد والمنّة، نسأله الموت على الكتاب والسنّة !**

الحاصل: واقعہ حرہ کے وقت قبر نبوی سے اذان سنائی دینا ثابت نہیں۔اس بارے میں کوئی روایت پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی۔لہٰذا اس قصے کو بیان کرنا اور اس سے مسائل کا استنباط کرنا دین اسلام کے ساتھ خیر خواہی پر مبنی نہیں۔
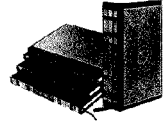
سند دین ہے۔سند ہی کے ذریعے حدیث کے ''من اللہ'' ہونے کا یقین ہوتا ہے۔اسی کی بدولت حدیثِ رسول ہر قسم کی تحریف وتبدیلی اور ترمیم واضافے سے محفوظ ہے۔یہ امتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں محدثین عظام کی کرامت اور لازوال اعزاز ہے۔یہ قرآن و حدیث کی صداقت پر وہ روشن حجت اور دلیل ہے،جس سے دیگر مذاہبِ عالم کی قدیم و جدید کتابیں خالی ہیں۔یہ پیغمبر اسلام ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچنے کا واحد راستہ ہے۔اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت ِعظمیٰ اہل حدیث کوبخشی ہے،وہی اس کے اہل اور قدردان ہیں۔جاہل،کاہل اور کج فطرت انسانوں کی گمراہی اور اخلاقی پستی اس کا کچھ نہ بگاڑسکی۔یہ آج بھی اپنی تمام تر خوبیوں کے ساتھ اہل اسلام کے پاس بطور دائمی نعمت محفوظ وموجود ہے۔

سند کی اہمیت سے انکار یا روگردانی یقیناً اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناسپاسی اور احسان کی ناشکری ہے۔ائمہ مسلمین نے اس کی اہمیت کوخوب واضح کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں نے آج تک بے سند یا محدثین کرام کے اصولوں کے مطابق ''ضعیف'' و''متروک'' راوی کی روایت کو دین نہیں بنایا۔محدثین کرام اس میدان کے شہسوار تھے۔اللہ تعالیٰ نے ان پر حقائق منکشف کیے تھے۔

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی،علامہ محمد بن ابوبکر،ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ)فرماتے ہیں:

إِنَّ كُلَّ مَا حَكَمَ بِهٖ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ مِمَّا أَنْزَلَ اللّٰهُ، وَهُوَ ذِكْرٌ مِّنَ اللّٰهِ أَنْزَلَهٗ عَلٰى رَسُولِهٖ، وَقَدْ تَكَفَّلَ سُبْحَانَهٗ بِحِفْظِهٖ، فَلَوْ جَازَ عَلٰى حُكْمِهِ الْكَذِبُ، وَالْغَلَطُ، وَالسَّهْوُ مِنَ الرُّوَاةِ، وَلَمْ يَقُمْ دَلِيلٌ عَلٰى غَلَطِهٖ، وَسَهْوِ نَاقِلِهٖ، لَسَقَطَ حُكْمُ ضَمَانِ اللّٰهِ، وَكَفَالَتِهٖ لِحِفْظِهٖ، وَهٰذَا مِنْ أَعْظَمِ

الْبَاطِلِ، وَنَحْنُ لَا نَدَّعِي عِصْمَةَ الرُّوَاةِ، بَلْ نَقُولُ : إِنَّ الرَّاوِيَ إِذَا كَذَبَ، أَوْ غَلِطَ، أَوْ سَهَا، فَلَا بُدَّ أَنْ يَّقُومَ دَلِيلٌ عَلٰى ذٰلِكَ، وَلَا بُدَّ أَنْ يَّكُونَ فِي الْأُمَّةِ مَنْ يَّعْرِفُ كَذِبَهٗ، وَغَلَطَهٗ، لِيَتِمَّ حِفْظُهٗ لِحُجَجِهٖ وَأَدِلَّتِهٖ، وَلَا تَلْتَبِسَ بِمَا لَيْسَ مِنْهَا .

''رسولِ اکرم ﷺ نے جو بھی حکم فرمایا، وہ وحیِ الٰہی پر مبنی ذکر تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل فرمایا اور اس کی حفاظت کا ذمہ بھی خود لیا۔ اگر یہ ممکن ہو کہ آپ ﷺ کے حکم میں راویوں کے جھوٹ، غلطیاں، سہو شامل ہو جائیں اور اس پر کوئی دلیل بھی قائم نہ ہو سکے تو اللہ تعالیٰ کی ضمانت اور حفاظت والی بات تو ساقط ہو جائے گی اور یہ بہت بڑا جھوٹ ہے۔ ہم راویوں کے معصوم عن الخطا ہونے کا دعویٰ نہیں کرتے، لیکن یہ کہتے ہیں کہ راوی جب جھوٹ بولے، غلطی کرے یا بھول جائے تو ضرور اس پر کوئی دلیل قائم ہو جاتی ہے اور امت میں ضرور ایسے افراد موجود رہتے ہیں جو راویوں کے جھوٹ اور ان کی غلطیوں کو جان جاتے ہیں۔ اسی سے اللہ تعالیٰ کا اپنی نصوص و دلائل کی حفاظت کرنے کا وعدہ پورا ہوتا ہے اور اسی سے دین میں وہ بات شامل نہیں ہو پاتی جو اس کی تعلیمات کے منافی ہے۔''

(مختصر الصواعق المرسلة على الجهميّة والمعطّلة، ص : 555)

علامہ، ابراہیم بن موسیٰ، شاطبی، غرناطی رحمہ اللہ (م : 790ھ) فرماتے ہیں :

وَلَوْ كَانَ مِنْ شَأْنِ أَهلِ الْإِسْلَامِ، الذَّابِّينَ عَنْهُ، الْأَخْذُ مِنَ الْأَحَادِيثِ بِكُلِّ مَا جَاءَ عَنْ كُلِّ مَنْ جَاءَ، لَمْ يَكُنْ لِّانْتِصَابِهِمْ لِلتَّعْدِيلِ وَالتَّجْرِيحِ مَعْنًى، مَعَ أَنَّهُمْ قَدْ أَجْمَعُوا عَلٰى ذٰلِك، وَلَا كَانَ لِطَلَبِ الْإِسْنَادِ مَعْنًى يَتَحَصَّلُ، فَلِذٰلِكَ جَعَلُوا الْإِسْنَادَ مِنَ الدِّينِ، وَلَا يَعْنُونَ : حَدَّثَنِي فُلَانٌ عَنْ فُلَانٍ مُجَرَّدًا، بَلْ يُرِيدُونَ ذٰلِكَ لِمَا تَضَمَّنَهٗ مِّنْ مَّعْرِفَةِ الرِّجَالِ الَّذِينَ يُحَدَّثُ عَنْهُمْ، حَتّٰى لَا يُسْنَدَ عَنْ مَّجْهُولٍ، وَلَا مُجَرَّحٍ، وَلَا مُتَّهَمٍ، وَلَا

عَمَّنْ لَّا تَحْصُلُ الثِّقَةُ بِرِوَايَتِهِ، لِأَنَّ رُوحَ الْمَسْأَلَةِ أَنْ يَّغْلِبَ عَلَى الظَّنِّ مِنْ غَيْرِ رِيبَةٍ أَنَّ ذٰلِكَ الْحَدِيثَ قَدْ قَالَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، لِنَعْتَمِدَ عَلَيْهِ فِي الشَّرِيعَةِ، وَنُسْنِدَ إِلَيْهِ الْأَحْكَامَ، وَالْأَحَادِيثُ الضَّعِيفَةُ الْإِسْنَادِ، لَا يَغْلِبُ عَلَى الظَّنِّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَهَا، فَلَا يُمْكِنُ أَنْ يُّسْنَدَ إِلَيْهَا حُكْمٌ، فَمَا ظَنُّكَ بِالْأَحَادِيثِ الْمَعْرُوفَةِ الْكَذِبِ؟ نَعَمْ، الْحَامِلُ عَلَى اعْتِمَادِهَا فِي الْغَالِبِ، إِنَّمَا هُوَ مَا تَقَدَّمَ، مِنَ الْهَوَى الْمُتَّبَعُ .

''اگر دین کا دفاع کرنے والے اہل اسلام یہ رَوش اپناتے کہ ہر شخص کی بیان کردہ ہر شخص کی حدیث قبول کرتے تو ان کی جرح وتعدیل کی طرف اتفاقی نسبت کیا معنیٰ رکھتی؟ نیز سند کا مطالبہ کرنا بھی بے فائدہ ہوتا۔اسی بنا پر محدثین کرام نے سند کو دین کا حصہ قرار دیا اور سند کا مطلب صرف فلاں سے فلاں کی روایت نہیں، بلکہ محدثین کی مراد سند کے ضمن میں راویوں کی معرفت ہوتی ہے تا کہ کسی مجہول و نامعلوم، مجروح، متہم اور ایسے شخص سے حدیث نہ لی جائے جو ناقابل اعتماد ہے۔سند کا مقصد تو یہ ہے کہ بغیر کسی شبہے کے ظن پر یہ چیز غالب ہو جائے کہ یہ حدیث رسولِ اکرم ﷺ کی فرمودہ ہے تا کہ ہم شریعت میں اس پر اعتماد اور احکام میں اس سے استدلال کرسکیں۔اس کے برعکس ضعیف احادیث سے یہ ظن غالب پیدا نہیں ہوتا کہ نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا ہوگا۔لہٰذا ان میں کسی حکم کی بنیاد نہیں رکھی جا سکتی۔ (جب ضعیف حدیث کا یہ حال ہے تو) ان احادیث کا کیا ہوگا جن کا جھوٹا ہونا مشہور ومعروف ہے۔ان پر اعتماد کا سبب تو خواہش نفس کی پیروی ہی ہوسکتا ہے۔''

(الاعتصام: 125,124/1، وفي نسخة: 288,287/1 بتحقيق سليم الهلالي)

سند کا مطالبہ کرنا صدرِ اول سے مسلمانوں کا وطیرہ رہا ہے، جیسا کہ:

مشہور تابعی، امام ہشام بن عروہ رحمہ اللہ (م: 146ھ) فرماتے ہیں:

إِذَا حَدَّثَكَ رَجُلٌ بِحَدِيثٍ، فَقُلْ : عَمَّن هٰذَا ؟

''جب آپ کو کوئی شخص حدیث بیان کرے تو آپ اس سے پوچھیں کہ یہ کس کی بیان کردہ ہے؟'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 34/2، وسندهٗ صحيحٌ)

اگر آج بھی اہل کلام اور اہل باطل سے یہی سوال کیا جائے تو ان کو منہ کی کھانا پڑتی ہے۔اہل حق کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو سند سے مسلح رکھیں۔

سند کے حوالے سے بندر بانٹ!

بعض لوگوں کا حال یہ ہے کہ من کو بھائے تو ایسی باتوں کو دین قرار دے کر اپنے ماتھے کا جھومر بنا لیتے ہیں جن کے بارے میں کسی قسم کی کوئی شرعی دلیل سرے سے نہیں ملتی، دل چاہے تو ''کذاب'' اور ''متروک'' راویوں کی مرویات کو دلیل بنا لیتے ہیں اور دل کو نہ لگے تو صحیح بخاری و مسلم کی اجماعی طور پر صحیح احادیث کو ردّ کر دیتے ہیں۔ہم اس بات کو مثالوں کے ذریعے بیان کرتے ہیں:

فقہ حنفی میں چاٹنے سے نجاست زائل :

فقہ حنفی کا مشہور و معروف مسئلہ ہے کہ نجاستِ غلیظہ، مثلاً دمِ مسفوح (ذبح کے وقت بہنے والا خون)، شراب، پیشاب، پاخانہ، حیض کا خون، کتے کا پاخانہ، درندوں کا پاخانہ، اگر جسم یا کپڑے پر ایک درہم (ہتھیلی بھر) سے کم ہو تو معاف ہے اور اس میں نماز پڑھنا جائز ہے۔

(الجامع الصغير للشيباني، ص : 9، الهداية : 45/1، شرح النقاية : 45/1، الأصل للشيباني : 68/1، المبسوط : 86/1، بدائع الصنائع : 18/1، فتح القدير : 208,202/1، البحر الرائق : 239/1، ردّ المحتار : 213/1)

اس حوالے سے جو دلائل احناف نے ذکر کیے ہیں، وہ تبصرے سمیت ملاحظہ فرمائیں :

① سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

«تُعَادُ الصَّلَاةُ مِنْ قَدَرِ الدِّرْهَمِ مِنَ الدَّمِ» .

''خون کی ایک درہم مقدار سے نماز دوہرائی جائے گی۔''

(سنن الدارقطني : 401/1، الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 138/3، ت : 660، السنن الكبرٰی للبیهقي : 404/2، الضعفاء الكبير للعقيلي : 561/2)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت ہے، اس کو گھڑنے کی کارروائی رَوْح بن غُطَیف جزری نامی راوی نے کی ہے۔اس کے بارے میں :

① امام بخاری رحمہ اللہ نے ''منکر الحدیث'' کا حکم لگایا ہے۔(التاريخ الكبير : 308/3)

② امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَيْسَ بِالْقَوِيِّ، مُنْكَرُ الْحَدِيثِ جِدًّا . ''یہ قوی نہیں، بلکہ اس کی حدیث سخت منکر ہوتی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 495/3)

③ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''متروک'' ہے۔(الضعفاء والمتروكون : 190)

④ امامِ دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی ''متروک الحدیث'' کہا ہے۔(سنن الدارقطني :401/1)

⑤ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

كَانَ يَرْوِي الْمَوْضُوعَاتِ عَنِ الثِّقَاتِ، لَا تَحِلُّ كِتَابَةُ حَدِيثِهٖ وَلَا الرِّوَايَةُ عَنْهُ .

''یہ ثقہ راویوں کی طرف منسوب کر کے بناوٹی احادیث بیان کرتا تھا۔اس کی حدیث کو لکھنا اور اس سے روایت کرنا جائز ہی نہیں۔''(كتاب المجروحين :298/1)

اس پر اور جروح بھی ثابت ہیں،لیکن اس کے بارے میں ادنیٰ کلمۂ توثیق بھی ثابت نہیں۔

اس روایت کی دوسری سند [تاريخ بغداد للخطيب : 300/9، الموضوعات لابن الجوزي : 75/2، نصب الراية للزيلعي :212/1] بھی جھوٹی ہے۔اس میں نوح بن ابو مریم نامی راوی ہے جو باتفاقِ محدثین ''ضعیف''،''متروک''اور کذاب ہے۔اس میں امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے، نیز اس کے راویوں،ابومحمد صالح بن محمد بن نصر بن محمد بن عیسیٰ،قاسم بن عباد ترمذی،ابو عامر اور یزید ہاشمی کے حالات بھی نہیں ملے۔

اس روایت کے جھوٹا ہونے کے متعلق ائمہ حدیث نے واضح طور پر خبردار بھی کیا ہوا ہے، محدثین کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں :

① امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَلَا أَصْلَ لَهٗ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . ''یہ حدیث نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالکل ثابت نہیں۔''

(الضعفاء الصغير : 45/1، ت : 118)

نیز فرماتے ہیں : هٰذَا الْحَدِيثُ بَاطِلٌ . ''یہ حدیث جھوٹی ہے۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 56/2، وسندهٗ صحيحٌ)

② امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : هُوَ مُنْكَرٌ بِهٰذَا الْإِسْنَادِ .

''اس سند کے ساتھ یہ منکر روایت ہے۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 138/3)

③ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وهٰذَا خَبَرٌ مَّوْضُوعٌ، لَا شَكَّ فِيهِ، مَا قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا، وَلَا رَوٰى عَنْهُ أَبُو هُرَيْرَةَ، وَلَا سَعِيدُ بْنُ الْمُسَيِّبِ ذَكَرَهٗ، وَلَا الزُّهْرِيُّ قَالَهٗ، وَإِنَّمَا هٰذَا اخْتِرَاعٌ أَحْدَثَهٗ أَهْلُ الْكُوفَةِ فِي الْإِسْلَامِ، وَكُلُّ شَيْءٍ يَّكُونُ بِخِلَافِ السُّنَّةِ، فَهُوَ مَتْرُوكٌ، وَقَائِلُهٗ مَهْجُورٌ . ''یہ روایت جھوٹی ہے،اس کے جھوٹا ہونے میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں۔نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فرمایا ہے،نہ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے اسے آپ سے روایت کیا ہے،نہ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ نے اسے ذکر کیا،نہ امام زہری رحمہ اللہ نے ایسا کہا۔ یہ اہل کوفہ کی طرف سے اسلام میں ایجاد کی گئی ایک بدعت ہے۔ ہر خلافِ سنت بات کو ترک کر دیا جائے گا اوراس کے کہنے والے کو بھی چھوڑ دیا جائے گا۔''(المجروحين : 299/1)

④ امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فَإِنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ .

''بلاشبہ یہ حدیث ثابت نہیں۔''(معرفة السنن والآثار : 355/2، ح : 4910)

⑤ علامہ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے ''موضوعات'' (من گھڑت روایات) میں ذکر کیا ہے۔

(الموضوعات : 75/2)

⑥ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے [وَاہٍ] (کمزور) قرار دیا ہے۔

(تنقیح التحقیق : 129/1)

⑦ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ حَدِيثٌ بَاطِلٌ، لَا أَصْلَ لَهُ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ . ''یہ من گھڑت حدیث ہے۔محدثین کرام کے نزدیک یہ بے بنیاد ہے۔'' (شرح صحيح مسلم : 97/1)

ایسی روایت جس کو محدثین جھوٹی اور من گھڑت قرار دیں، اس سے دلیل لے کر نجس کپڑوں میں نماز کی اجازت دینا بڑی دیدہ دلیری ہے۔

تنبیہ نمبر ① : علامہ عینی حنفی نے اپنے دلائل میں لکھا ہے:

وَذُكِرَ فِي [الْأَسْرَارِ] عَنْ عَلِيٍّ، وَابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّهُمَا قَدَّرَ النَّجَاسَةَ بِالدِّرْهَمِ . ''[الاسرار] میں سیدنا علی اور سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے مذکور ہے کہ انہوں نے نجاست کو درہم کے ساتھ ماپا۔'' (البناية في شرح الهداية : 726/1)

اس جھوٹی روایت کی سند کہاں ہے اور کیسی ہے؟ کوئی اتا پتا نہیں۔حدیث کی کسی کتاب میں اس کا ذکر تک نہیں۔

لطیفہ : علامہ عینی حنفی نے اپنا دامن دلائل سے خالی پا کر ایک من گھڑت، بے سروپا اور عجیب وغریب دلیل ذکر کی ہے، قارئین کی اطلاع کے لیے پیشِ خدمت ہے:

وَعَنْ عُمَرَ، أَنَّهُ قَدَّرَهَا بِظُفُرِهِ، قَالَ فِي [الْمُحِيطِ] : وَكَانَ ظُفُرُهُ قَرِيبًا مِّنْ كَفِّنَا، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّ مَا دُونَهُ لَا يَمْنَعُ، وَقَوْلُ عُمَرَ يُبْطِلُ قَوْلَ الشَّافِعِيِّ .

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہوں نے اپنے ناخن کے ساتھ نجاست کو ماپا۔

[المحیط] کتاب کے مصنف نے کہا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا ناخن تقریباً ہماری ہتھیلی کے برابر تھا۔اس سے معلوم ہوا کہ اس سے کم نجاست نماز کے لیے رکاوٹ نہیں بنتی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا یہ قول امام شافعی رحمہ اللہ کے نجاست کو نہ ماپنے کے قول کا ردّ کرتا ہے۔''

(البناية في شرح الهداية :726/1)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے ناخن کا ہماری ہتھیلی کے برابر ہونا ایسا جھوٹ ہے،جس کا کوئی قرینہ کتبِ حدیث و تاریخ میں مذکور نہیں۔اگر ایسا ہوتا تو ضرور کتبِ تاریخ وغیرہ میں اس کا ذکر ہوتا،کیونکہ یہ کوئی عام بات نہیں تھی۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ عجیب وغریب جھوٹ تراش کر امام شافعی رحمہ اللہ کا ردّ کیا جا رہا ہے۔یہ تقلیدِ ناسدید ہی ہے جو جھوٹ تراش کر ائمہ حق کا ردّ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے۔

تنبیہ نمبر ② :

امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ سے منقول ہے:

مَوْضِعُ الدِّرْهَمِ فَاحِشٌ . ''ایک درہم کی مقدار نجاست فاحش ہوتی ہے۔''

(مصنف عبد الرزّاق :375/1)

اس کی سند امام عبدالرزاق رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

اسی طرح امام حماد بن ابوسلیمان تابعی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے کہا:

إِذَا كَانَ مَوْضِعَ الدِّرْهَمِ فِي ثَوْبِكَ، فَأَعِدِ الصَّلَاةَ .

''جب تیرے کپڑے میں ایک درہم کی مقدار نجاست ہو تو نماز دہرا لے۔''(أيضًا)

اس کی سند امام عبدالرزاق اور امام سفیان ثوری کی ''تدلیس'' کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ یہ دونوں قول شرعی نصوص کے خلاف ہونے کی بنا پر مردود اور ناقابل التفات ہیں۔

تنبیہ نمبر ③ :

حنفی فقہاء لکھتے ہیں کہ اگر جسم کے کسی حصے پر نجاست لگ جائے تو اسے زبان سے چاٹ لیا جائے۔اس سے جسم پاک ہو جاتا ہے۔

فقہ حنفی کی معتبر ترین کتابوں میں لکھا ہے:

إِذَا أَصَابَ النَّجَاسَةَ بَعْضَ أَعْضَائِهِ، وَلَحَسَهَا بِلِسَانِهِ، حَتّٰى ذَهَبَ أَثَرُهَا، يَطْهُرُ. ''جب اس (حنفی) کے جسم کے کسی حصے کو نجاست لگ جائے اور وہ اسے زبان سے چاٹ لے،حتی کہ اس کا اثر ختم ہو جائے،تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔''

(فتاوی عالمگیری :45/1، فتاوی قاضی خان :11/1، البحر الرائق لابن نجیم :127/1، ردّ المحتار علی الدرّ المختار لابن عابدین :226/1، حاشیۃ الطحطاوي علی الدرّ المختار :157/1، وغیرھم)

دیکھا آپ نے کہ کیسی فقاہت ہے!

جناب احمد رضا خان، بریلوی (1272-1340ھ) اس مسئلے میں یوں برستے ہیں:

''انگلی سے نجاست چاٹ کر پاک کرنا کسی سخت گندی ناپاک روح کا کام ہے اور اسے جائز جاننا شریعت پر افتراء و اتہام اور تحلیلِ حرام اور قاطعِ اسلام ہے۔اور یہ کہنا محض جھوٹ ہے کہ منہ بھی پاک رہے گا۔نجاست چاٹنے سے قطعاً ناپاک ہو جائے گا۔اگرچہ بار بار وہ نجس ناپاک تھوک یہاں تک نگلے کہ اثر نجاست کا منہ سے دھل کر سب پیٹ میں چلا جائے،پاک ہوجائے گا۔مگر اس چاٹنے نگلنے کو وہی جائز رکھے گا جو نجس کھانے والا ہے۔ [اَلْخَبِيثُ لِلْخَبِيثُونَ، وَالْخَبِيثُونَ لِلْخَبِيثِ] (نجاست نجس لوگوں کے لیے ہے اور نجس لوگ نجاست کے لیے ہیں)۔''

(فتاویٰ رضویہ :565/4،نسخہ :134/2، احکامِ شریعت، حصہ سوئم، ص :252)

ہم بھی کہتے ہیں کہ قرآن و حدیث اور فقہ محدثین کو چھوڑنے والوں کے منہ میں نجاست ہی پڑنی چاہیے۔البتہ ''اعلیٰ حضرت'' کو یہ بھول گیا تھا کہ ان کی فقہ میں یہی کچھ لکھا ہوا ہے، بلکہ خود انہوں نے دوسری جگہ یہ بات اپنی کتبِ فقہ سے نقل کر کے اس سے استدلال بھی کیا ہوا ہے اور بتایا ہوا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے۔ملاحظہ فرمائیں،وہ لکھتے ہیں:

''مُنیہ اور حلیہ میں ہے۔۔۔ یوں ہی جب اس کے بعض اعضاء پر نجاست لگی اور اس

نے اس کو اپنی زبان سے پاک کر دیا، یہاں تک کہ اس کا اثر چلا گیا، اسی طرح جب چھری ناپاک ہوگئی، پھر اس نے اسے زبان سے چاٹا یا تھوک سے صاف کیا، یوں ہی جب بچّے نے ماں کے پستان پر قے کی پھر کئی بار پستان کو چُوسا تو وہ پاک ہوجائے گا انتہی۔ دوسری کتب میں بھی اسی طرح ہے۔قواعدِ مذہبیہ اس مقام پر جس کلام کے تحریر کے متقاضی ہیں وہ یہ ہیں کہ جب کسی عضو پر نجاستِ حقیقی لگ جائے تو اگر وہ دکھائی دینے والی ہے اور اس نے یا کسی دوسرے نے اس کو چاٹ لیا یہاں تک کہ اصل نجاست اور اس کا اثر زائل ہوگیا۔ اگر اس کو دُور کرنے میں مشقّت نہ ہو تو پاک ہوجائے گا، اور اگر وہ نجاست دکھائی نہیں دیتی تو تین بار چاٹنے سے پاک ہوجاتی ہے جیسا کہ مصنّف نے اس مسئلہ میں ذکر کیا ہے یا کہ اس وقت جبکہ اس کے زوال کا غالب گمان ہوجائے۔عنقریب مصنّف اس کی تصریح کریں گے کہ فتوٰی اسی پر ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ:4/466,465)

ایک ہتھیلی کی مقدار نجاست کے ساتھ نماز پڑھنے کے حوالے سے احناف کے دلائل ہم نے ذکر کر دیئے ہیں اور ان کا حال بھی آپ نے ملاحظہ کیا۔دنیا جہان کی جھوٹی اور من گھڑت روایات جن کو محدثین کرام نے کوڑے کے ڈھیر میں پھینک دیا تھا،ان کو بغیر جھاڑے پھونکے اٹھا کر ان لوگوں نے سینے سے لگایا ہے۔لیکن دوسری طرف صحیح بخاری و صحیح مسلم کی احادیث کو ردّ کر دیا ہے۔

میت عورت کی تین چوٹیاں اور احناف :

میت عورت کو غسل دیتے وقت اس کے بالوں کی تین چوٹیاں بنانے اور ان کو پشت کی طرف ڈالنے کا ذکر صحیح بخاری و مسلم کی حدیث میں موجود ہے، چنانچہ سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا نے تعلیم و حکمِ نبوی کے مطابق رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر، سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو غسل دیا تو ان کی تین چوٹیاں بنائیں اور انہیں پشت کی طرف ڈال دیا۔اس سلسلے میں وہ فرماتی ہیں:

فَضَفَّرْنَا شَعْرَهَا ثَلَاثَةَ أَثْلَاثٍ، قَرْنَيْهَا، وَنَاصِيَتَهَا .

''ہم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے دونوں اطراف اور ماتھے کے بالوں کی تین الگ الگ چوٹیاں بنا دیں۔''(صحیح البخاري :169/1، ح : 1262، صحیح مسلم :304/1، ح : 939)

صحیح بخاری کی ایک روایت (1263) میں یہ الفاظ ہیں :

وَأَلْقَيْنَاهَا خَلْفَهَا .

''اور ہم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی چوٹیاں ان کے پشت کی طرف ڈال دیں۔''

صحیح بخاری و مسلم کی اس متفق علیہ صحیح حدیث کی دو طرح سے مخالفت کرتے ہوئے احناف مقلدین کا کہنا ہے کہ میت عورت کی تین نہیں، بلکہ دو چوٹیاں بنائی جائیں اور ان کو پشت کی طرف نہیں، بلکہ سینے کی جانب ڈالا جائے، چنانچہ ان کی معتبر ترین کتابوں میں ہے :

يُجْعَلُ شَعْرُهَا ضَفِيرَتَينِ عَلٰى صَدْرِهَا .

''میت عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنائی جائیں اور ان کو سینے پر ڈالا جائے۔''

(الهداية للمرغيناني الحنفي :191/1، طبع مكتبة رحمانية، لاهور، عمدة القاري للعيني الحنفي : 43/8، وغيرها من كتب الفقه الحنفيّة)

احناف نے جہاں اس صحیح و صریح حدیث کی مخالفت کی، وہاں اپنی جہالت کی بنا پر اس بارے میں تعلیم و حکمِ نبوی کو بھی مشکوک قرار دینے کی کوشش کی۔ چنانچہ جناب تقی عثمانی، دیوبندی، حیاتی کہتے ہیں: ''اس کے بارے میں حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ اس میں کہیں یہ ذکر نہیں ہے کہ تین چوٹیاں بنا کر پیچھے ڈالنے کا حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا، اور یہ کہنا کہ حضرت امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا ایسا کرنا آپ کی تعلیم سے تھا، یہ محض ایک امکان ہے، وَالْحُكْمُ لَا يَثْبُتُ بِهٖ . حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کے فعل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یا تقریر پر محمول کرنا تکلف سے خالی نہیں، لہٰذا حنفیہ ہی کا مسلک بہتر ہے۔''

(درس ترمذی :276/3)

سیدہ امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ درجِ ذیل صحیح حدیث کو ملاحظہ فرمائیں اور گنگوہی و تقی

صاحبان سمیت احناف ''اہل علم و مفتیان'' کی حدیث بینی کو داد دیں۔رسولِ اکرم ﷺ نے سیدہ امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنی لختِ جگر کے غسل کے لیے جو تعلیم دی تھی،اس میں صاف مذکور ہے کہ:

اِغْسِلْنَهَا ثَلَاثًا أَوْ خَمْسًا أَوْ سَبْعًا، وَاجْعَلْنَ لَهَا ثَلَاثَةَ قُرُونٍ.

''اسے تین، پانچ یا سات دفعہ غسل دو اور اس کی تین چوٹیاں بناؤ۔''

(المعجم الکبیر للطبراني : 49/25، صحیح ابن حبان : 3033، وسندهٗ صحیحٌ)

گنگوہی و تقی صاحبان کے پیدا ہونے سے کئی صدیاں پہلے اسی اعتراض کا جواب دیتے ہوئے معروف محدث،امام ابن حبان رحمہ اللہ ،جن کی تصنیف حدیث کی معروف و متداول کتاب ہے،اسی حدیث پر یوں تبویب فرما گئے ہیں:

ذِكْرُ الْبَيَانِ بِأَنَّ أُمَّ عَطِيَّةَ إِنَّمَا مَشَّطَتْ قُرُونَهَا بِأَمْرِ الْمُصْطَفٰى صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ، لَا مِنْ تِلْقَاءِ نَفْسِهَا.

''اس بات کا بیان کہ سیدہ امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی تین چوٹیاں بنانا، نبی اکرم ﷺ کے فرمانِ مبارک کی وجہ سے تھا،اپنی ذاتی رائے سے نہیں تھا۔''

یہ ہے حدیث و فقہِ حدیث کے حوالے سے ان لوگوں کا علمی مقام!حدیث صریح طور پر یہ بتا رہی ہے کہ سیدہ امِ عطیہ رضی اللہ عنہا نے یہ عمل رسولِ اکرم ﷺ کے حکمِ مبارک کی تعمیل میں کیا تھا اور فقہاء ائمہ کرام باقاعدہ تبویب میں یہ بتا گئے ہیں کہ یہ سیدہ امِ عطیہ رضی اللہ عنہا کا ذاتی فعل نہیں تھا، بلکہ امر نبوی کی تعمیل تھی۔اس کے برعکس ان لوگوں کے پاس میت عورت کے بالوں کی دو چوٹیاں بنانے اور ان کو سینے کی طرف ڈالنے کی کوئی شرعی دلیل نہیں۔یہ ہے وہ فقہ، جسے قرآن و حدیث کا نچوڑ قرار دیا جاتا ہے!

صحیح مسلم میں دوہری اذان اور احناف:

رسولِ اکرم ﷺ سے اذان اکہری اور دوہری دونوں طرح ثابت ہے۔اذان میں شہادتین کو دو دو دفعہ کہنا بغیر ترجیع کے،یعنی اکہری اذان، جبکہ شہادتیں کو چار چار دفعہ کہنا ترجیع

والی، یعنی دوہری اذان، کہلاتا ہے۔ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ اکہری اذان دیتے تھے، جبکہ سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دوہری اذان سکھائی تھی۔ اس حوالے سے سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کا اپنا بیان، جو صحیح مسلم میں مذکور ہے، ملاحظہ فرمائیں:

إِنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَهٗ هٰذَا الْأَذَانَ : اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، ثُمَّ يَعُودُ، فَيَقُولُ : أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ مَرَّتَيْنِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، مَرَّتَيْنِ، زَادَ إِسْحَاقُ : اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ.

''اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ اذان سکھائی: اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ حَيَّ عَلَى الصَّلَاةِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، حَيَّ عَلَى الْفَلَاحِ، اَللّٰهُ أَكْبَرُ اللّٰهُ أَكْبَرُ، لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ۔'' (صحيح مسلم :164/1، ح : 379)

اس صحیح و صریح حدیث کے خلاف بعض لوگوں کا کہنا ہے کہ:

وَلَا تَرْجِيعَ فِيهِ. ''اذان میں ترجیع (جائز/ثابت) نہیں۔''

(الهداية للمرغيناني الحنفي :85/1، طبع مكتبة رحمانية، لاهور)

قارئین کرام ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ صحیح مسلم میں ثابت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود سیدنا ابو محذورہ رضی اللہ عنہ کو ترجیع والی، یعنی دوہری اذان سکھائی تھی۔ اس کی مخالفت میں بعض لوگ بے دھڑک دوہری اذان کی مخالفت کرتے ہیں۔ افسوس در افسوس یہ کہ وہ اس صحیح

حدیث کو ردّ کرنے کے لیے فہم صحابہ پر بھی طعن کرتے ہیں۔اس سلسلے میں صحیح حدیث کو ’’جواب‘‘ دیتے ہوئے لکھتے ہیں: وَكَانَ مَا رَوَاهُ تَعْلِيمًا، فَظَنَّهُ تَرْجِيعًا .

’’آپ ﷺ نے جو (ترجیع والی کلمات) فرمائے، وہ اذان سکھانے کے لیے تھے، لیکن سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ نے اسے دوہری اذان سمجھ لیا۔‘‘

(الهداية للمرغيناني :85/1، طبع مكتبة رحمانية، لاهور)

اس ’’چوری اور سینہ زوری‘‘ کا اندازہ کریں کہ ایک تو صحیح حدیث کو ردّ کیا، دوسرے صحابیٔ رسول کے متعلق بدگمانی پیدا کرتے ہوئے یہ کہہ دیا کہ وہ مرادِ رسول کو سمجھ ہی نہیں پائے۔ یوں ان لوگوں نے انکارِ حدیث کی راہ ہموار کرتے ہوئے ہر ایک کے لیے دین کی خود ساختہ تعبیر کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اگر صحابہ کرام ہی رسولِ اکرم ﷺ کی مراد کو نہیں سمجھ پائے تو پھر دین کو کس نے سمجھا؟ صحابہ، تابعین اور تبع تابعین، جو بزبانِ نبوی خیرالقرون (علم وعمل اور فہم وشعور ہر اعتبار سے بعد والوں سےبہتر) تھے، میں سے کسی نے نہ دوہری اذان کا انکار کیا ہے، نہ اسے سیدنا ابومحذورہ رضی اللہ عنہ کے فہم کی غلطی قرار دیا ہے۔کئی صدیوں بعد بعض جاہل مقلدین کو یہ اختیار کس نے دے دیا کہ وہ صحابہ کرام کی غلطیاں نکالنے لگیں؟

طلوعِ فجر کے بعد وتر!

سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«مَنْ نَّامَ عَنْ وِتْرِهٖ أَوْ نَسِيَهُ، فَلْيُصَلِّهِ إِذَا أَصْبَحَ أَوْ ذَكَرَهُ» .

’’جو شخص اپنے وتر سے سویا رہ جائے یا بھول جائے تو صبح کے وقت میں یا یاد آنے پر اسے ادا کر لے۔‘‘(سنن أبي داوٗد : 1431، سنن الدارقطني : 22/2، ح : 2621، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 302/1، السنن الكبرٰى للبيهقي : 480/2، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے امام بخاری ومسلم کی شرط پر ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔حافظ نووی رحمہ اللہ (خلاصۃ الاحکام :1905) نے اس کی سند کو ’’صحیح‘‘ کہا ہے۔لہٰذا جو شخص سویا رہ جائے، وہ فجر کی اذان کے بعد وتر پڑھ سکتا ہے۔

قبر والے نہ زندوں کا سلام سنتے نہ انہیں دیکھتے پہچانتے ہیں۔بعض اہل علم کا یہ کہنا کہ مردے زندوں کا سلام سنتے ہیں اور زائرین کو دیکھتے و پہچانتے ہیں،کسی صحیح دلیل پر مبنی نہیں۔اس قسم کے دلائل اور ان پر تحقیقی تبصرہ ملاحظہ فرمائیں:

① سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّمُرُّ بِقَبْرٍ، كَانَ يَعْرِفُهٗ فِي الدُّنْيَا، فَيُسَلِّمُ عَلَيْهِ، إِلَّا عَرَفَهٗ وَرَدَّ عَلَيْهِ . ”قبر والا دنیا میں جس شخص کا واقف تھا،وہ اگر اس کی قبر کے پاس سے گزرتے ہوئے اسے سلام کہتا ہے تو وہ اسے پہچان لیتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔“

(مصنّفات أبي العبّاس الأصمّ : 419 (11)، فوائد أبي القاسم تمّام : 139، المعجم الشيوخ لابن جميع الصيداوي : 333، تاريخ بغداد : 139/7، تاريخ ابن عساكر : 38/10، 65/27، سير أعلام النبلاء للذهبي : 590/13)

تبصرہ: یہ موضوع ومن گھڑت سند ہے،اس کا راوی عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم جمہور کے نزدیک ”ضعیف“ اور ”متروک“ ہے۔اس کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں:

وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ . ”اکثر محدثین اس کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔“

(مجمع الزوائد : 20/2)

علامہ ابن الجوزی فرماتے ہیں: وَقَدْ أَجْمَعُوا عَلٰى تَضْعِيفِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ زَيْدٍ . ”عبدالرحمٰن بن زید کے ضعیف ہونے پر محدثین کرام کا اتفاق ہے۔“(العلل المتناهية : 1523)

اس نے اپنے باپ سے جھوٹا نسخہ راویت کیا ہے۔مذکورہ روایت بھی یہ اپنے باپ سے

کر رہا ہے۔

② اس روایت کا ایک موقوف شاہد سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی یوں مروی ہے:

قَالَ الْإِمَامُ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا : حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ قُدَامَةَ الْجَوْهَرِيُّ : نَا مَعْنُ ابْنُ عِيسَى الْقَزَّازُ : أَنَا هِشَامُ بْنُ سَعْدٍ : نَا زَيْدُ بْنُ أَسْلَمَ، عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، قَالَ : [إِذَا مَرَّ الرَّجُلُ بِقَبْرٍ يَعْرِفُهُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ، وَعَرَفَهُ، وَإِذَا مَرَّ بِقَبْرٍ لَّا يَعْرِفُهُ، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، رَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ].

''جب کوئی شخص کسی جاننے والے کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور اسے پہچان بھی لیتا ہے، لیکن جب وہ ایسے شخص کی قبر کے پاس سے گزرتا ہے جس سے اس کی جان پہچان نہیں تھی اور اسے سلام کہتا ہے تو وہ اسے سلام کا جواب دیتا ہے۔''(شعب الإيمان للبيهقي : 8857، الصارم المنكي في الردّ على السبكي لابن عبد الهادي : 224)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی محمد بن قدامہ جوہری ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ . ''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد :275/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهِ لِينٌ . ''اس میں کمزوری ہے۔''

(تقريب التهذيب : 6234)

② یہ سند ''منقطع'' ہے۔زید بن اسلم کا سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَا عَلِمْنَا زَيْدًا سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ .

''ہمارے علم میں (ایسی کوئی دلیل نہیں) کہ زید نے سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہو۔''

(سير أعلام النبلاء : 590/12)

③ اس کا ایک اور موقوف شاہد یہ ہے:

قَالَ عَبْدُ الرَّزَّاقِ : أَنْبَأَنَا يَحْيَى بْنُ الْعَلَاءِ، عَنِ ابْنِ عَجْلَانَ، عَنْ زَيْدِ ابْنِ أَسْلَمَ، قَالَ : مَرَّ أَبُو هُرَيْرَةَ وَصَاحِبٌ لَّهٗ عَلٰى قَبْرٍ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : سَلِّمْ ! فَقَالَ الرَّجُلُ : أُسَلِّمُ عَلٰى قَبْرٍ، فَقَالَ أَبُو هُرَيْرَةَ : [إِذَا كَانَ رَاٰكَ فِي الدُّنْيَا يَوْمًا قَطُّ، إِنَّهٗ لَيَعْرِفُكَ الْآنَ]. ''سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اپنے ایک ساتھی کے ہمراہ ایک قبر کے پاس سے گزرے۔ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اپنے ساتھی سے فرمایا: سلام کہیں۔ اس نے عرض کیا: کیا میں قبر پر سلام کہوں؟ فرمایا: اگر اس قبر والے نے دنیا میں ایک دن بھی تمہیں دیکھا ہوگا تو وہ اب تمہیں ضرور پہچان لے گا۔'' (الصارم المنكي لابن عبد الهادي، ص : 224)

تبصرہ: یہ بھی موضوع (من گھڑت) سند ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی یحییٰ بن علاء ''کذاب'' اور ''وضاع'' ہے۔

② اس میں محمد بن عجلان کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

③ زید بن اسلم کا سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔

④ اس سلسلہ میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ایک روایت یوں ہے:

قَالَ الْإِمَامُ ابْنُ أَبِي الدُّنْيَا : حَدَّثَنَا مُحْرِزُ بْنُ عَوْنٍ : حَدَّثَنَا يَحْيَى بْنُ يَمَانٍ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زِيَادِ بْنِ سَمْعَانَ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ، عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَا مِنْ رَّجُلٍ يَّزُورُ قَبْرَ أَخِيهِ، وَيَجْلِسُ عِنْدَهٗ، إِلَّا اسْتَأْنَسَ، وَرَدَّ عَلَيْهِ، حَتّٰى يَقُومَ».

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب کوئی بندہ اپنے (مسلمان) بھائی کی قبر پر جاتا ہے اور وہاں بیٹھ جاتا ہے تو قبر والا اس سے مانوس ہو جاتا ہے اور جب تک وہ بیٹھا رہتا ہے، اس کی باتوں کا جواب بھی دیتا رہتا ہے۔'' (الصارم المنكي لابن عبد الهادي، ص : 224)

تبصرہ: یہ من گھڑت روایت ہے، کیونکہ اس کی سند میں عبد اللہ بن زیاد بن سمعان راوی بالاتفاق ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَحَدُ الْمَتْرُوكِينَ فِي الْحَدِيثِ .

''یہ ان لوگوں میں سے ہے جن کی حدیث چھوڑ دی گئی ہے۔'' (الکاشف : 78/2)

⑤ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ایک روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَا مِنْ أَحَدٍ مَرَّ بِقَبْرِ أَخِيهِ الْمُؤْمِنِ، كَانَ يَعْرِفُهُ فِي الدُّنْيَا، فَسَلَّمَ عَلَيْهِ، إِلَّا عَرَفَهُ، وَرَدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ» . ''جو شخص اپنے کسی ایسے مؤمن بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو دنیا میں اسے جانتا تھا اور اسے سلام کہے تو وہ ضرور اسے پہچان لے گا اور سلام کا جواب دے گا۔'' (الاستذکار لابن عبد البرّ : 234/1)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کے دو راویوں، ابو عبد اللہ عبید بن محمد اور فاطمہ بنت ریان کے حالات نہیں مل سکے۔ بعض متاخرین کی جانب سے اس روایت کو صحیح قرار دینا باعثِ تعجب ہے۔

⑥ سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«سَلِّمُوا عَلَىٰ إِخْوَانِكُمْ هٰؤُلَاءِ الشُّهَدَاءِ، فَإِنَّهُمْ يَرُدُّونَ عَلَيْكُمْ» .

''اپنے ان شہید بھائیوں کو سلام کہا کرو، کیونکہ یہ تمہیں جواب دیتے ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 1582/4، وفي نسخة : 270/4)

تبصرہ: یہ جھوٹ کا پلندہ ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی یحییٰ بن عبد الحمید حمانی جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (البدر المنير : 224/3)

② عبد الرحمٰن بن زید بن اسلم بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''متروک'' ہے اور اس نے اپنے باپ سے ایک جھوٹا نسخہ بھی روایت کیا ہے، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان ہو چکا ہے۔ یہ روایت بھی وہ اپنے باپ سے بیان کر رہا ہے۔

⑦ سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ایک روایت اس طرح بھی مروی ہے:

قَالَ أَبُو رَزِينٍ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! إِنَّ طَرِيقِي عَلَى الْمَوْتٰى، فَهَلْ مِنْ كَلَامٍ أَتَكَلَّمُ بِهٖ إِذَا مَرَرْتُ عَلَيْهِمْ ؟ قَالَ : «قُلْ : السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْقُبُورِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ ! أَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ، وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّا، إِنَّ شَاءَ اللّٰهُ، بِكُمْ لَاحِقُونَ»، قَالَ أَبُو رَزِينٍ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! يَسْمَعُونَ ؟ قَالَ : «يَسْمَعُونَ، وَلٰكِنْ لَّا يَسْتَطِيعُونَ أَنْ يُّجِيبُوا»، قَالَ : «يَا أَبَا رَزِينُ ! أَلَا تَرْضٰى أَنْ يَرُدَّ عَلَيْكَ بِعَدَدِهِمْ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ ؟»

''سیدنا ابو رزین رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: اللہ کے رسول! میرے راستے میں قبریں آتی ہیں۔ کیا میں ان کے پاس سے گزرتے ہوئے ان سے کوئی بات کر سکتا ہوں؟ فرمایا: یہ کہا کرو: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْقُبُورِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُؤْمِنِينَ ! أَنْتُمْ لَنَا سَلَفٌ، وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، وَإِنَّا، إِنَّ شَاءَ اللّٰهُ، بِكُمْ لَاحِقُونَ»(اہل قبرستان میں سے مسلمانو اور مومنو! تم پر سلامتی ہو۔ تم ہمارے پیش رو ہو اور ہم تمہارے پیچھے آنے والے ہیں، اللہ نے چاہا تو ہم بھی تمہارے ساتھ آ ملنے والے ہیں)۔ سیدنا ابو رزین رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا وہ سنتے ہیں؟ فرمایا: سنتے تو ہیں، لیکن ان میں جواب دینے کی سکت نہیں۔ پھر فرمایا: اے ابو رزین! کیا تمہیں یہ پسند نہیں کہ ان کے بدلے میں اتنے ہی فرشتے تمہیں سلام کا جواب دیں؟'' (الضعفاء الكبير للعقيلي : 4/19، ت : 1573)

تبصرہ : یہ روایت سخت ترین "ضعیف" ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی محمد بن عمار بن عطیہ رازی "مجہول" ہے۔کسی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی۔

② نجم بن بشیر راوی بھی "مجہول" ہے۔

③ محمد بن اشعث راوی کے بارے میں خود امام عقیلی رحمہ اللہ، جو اس روایت کو نقل کرنے والے ہیں،فرماتے ہیں: مَجْهُولُ النَّسَبِ وَالرِّوَايَةِ، وَحَدِيثُهُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ . "اس کا نسب بھی مجہول ہے اور روایت بھی۔اس کی حدیث غیرمحفوظ،یعنی شاذ ہے۔" (الضعفاء الكبير : 4/18)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يُعْرَفُ . "یہ مجہول راوی ہے۔"

(ميزان الاعتدال : 3/486، ت : 7248)

⑧ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منسوب ایک روایت یوں ہے :

«أنسُ مَا يَكُونُ الْمَيِّتُ فِي قَبْرِهِ، إِذَا زَارَهُ مَنْ كَانَ يُحِبُّهُ فِي دَارِ الدُّنْيَا» .

"قبر میں میت کو سب سے زیادہ مانوسیت اس وقت ہوتی ہے،جب قبر پر وہ شخص آتا ہے جس سے وہ اپنی زندگی میں محبت کرتا تھا۔" (الأربعين الطائيّة، لأبي الفتوح الطائي، ص : 129)

تبصرہ : یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے،کیونکہ دنیا جہان میں اس کی کوئی سند موجود نہیں۔بے سند روایات پر اعتماد کرنا دین اسلام سے وفاداری نہیں۔

⑨ عبد اللہ بن ابوفروہ مدنی کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شہدائے احد کے قبرستان میں تشریف لے گئے اور یوں دُعا فرمائی : «اَللّٰهُمَّ ! إِنَّ عَبْدَكَ وَنَبِيَّكَ يَشْهَدُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ، وَأَنَّهُ مَنْ زَارَهُمْ وَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، رَدُّوا عَلَيْهِ» . "اے اللہ! میں تیرا بندہ اور تیرا نبی یہ گواہی دیتا ہوں کہ یہ

لوگ شہید ہیں۔قیامت تک جو بھی ان کی قبروں پر آئے گا اور ان کو سلام کہے گا، یہ اس کو جواب دیں گے۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : 29/3، ح : 4320، دلائل النبوّة للبيهقي : 307/3)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کے راوی عبد اللہ بن ابو فروہ کی توثیق نہیں مل سکی۔اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

لَيْسَ بِمَشْهُورٍ . ''یہ راوی معروف نہیں ہے۔''

(تعجيل المنفعة، ص : 269، ت : 576)

دوسری بات یہ ہے کہ عبد اللہ بن ابوفروہ ڈائریکٹ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کر رہا ہے،اس لیے یہ سند ''مرسل'' ہونے کی بنا پر بھی ''ضعیف'' ہے۔یہی وجہ ہے کہ مستدرک حاکم کی تعلیق میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''مرسل'' قرار دیا ہے۔یوں امام حاکم رحمہ اللہ کا اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دینا صحیح نہیں۔

⑩ مذکورہ روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں :

قَالَ الْعَطَّافُ : وَحَدَّثَتْنِي خَالَتِي أَنَّهَا زَارَتْ قُبُورَ الشُّهَدَاءِ، قَالَتْ : وَلَيْسَ مَعِيَ إِلَّا غُلَامَانِ، يَحْفَظَانِ عَلَيَّ الدَّابَّةَ، قَالَتْ : فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِمْ، فَسَمِعْتُ رَدَّ السَّلَامِ، قَالُوا : وَاللّٰهِ ! إِنَّا نَعْرِفُكُمْ كَمَا يَعْرِفُ بَعْضُنَا بَعْضًا، قَالَتْ : فَاقْشَعْرَرْتُ، فَقُلْتُ : يَا غُلَامُ ! اُدْنُ بَغْلَتِي، فَرَكِبْتُ .

''عطاف بن خالد کہتے ہیں : مجھے میری خالہ نے بیان کیا کہ وہ شہداء کی قبروں کی زیارت کے لیے گئیں۔وہ بیان کرتی ہیں: میرے ساتھ صرف دو غلام تھے، جو میری سواری کی حفاظت کر رہے تھے۔میں نے شہداء کو سلام کہا تو مجھے سلام کا جواب سنائی دیا اور شہداء کی طرف سے یہ آواز آئی : اللہ کی قسم ! ہم تمہیں اس طرح پہچان لیتے ہیں، جیسے ایک دوسرے کو پہچانتے ہیں۔یہ سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں نے آواز دی : اے غلام !

سواری میرے قریب کرو۔ پھر میں سوار ہو(کر وہاں سے چلی) گئی۔''

تبصرہ : اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عطاف بن خالد کی خالہ ایک نامعلوم خاتون ہے۔اس کا کردار وعمل کیسا تھا؟ کچھ معلوم نہیں،لہٰذا اس کی بیان کردہ کہانی کا کوئی اعتبار نہیں۔

(11) عطاف بن خالد کی خالہ کی بیان کردہ کہانی اس طرح بھی مروی ہے:

رَكِبْتُ يَوْمًا إِلٰى قُبُورِ الشُّهَدَاءِ، وَكَانَتْ لَا تَزَالُ تَأْتِيهِمْ، قَالَتْ: فَنَزَلْتُ عِنْدَ قَبْرِ حَمْزَةَ، فَصَلَّيْتُ مَا شَاءَ اللّٰهُ أَنْ أُصَلِّيَ، وَمَا فِي الْوَادِي دَاعٍ وَّلَا مُجِيبٌ، إِلَّا غُلَامٌ قَائِمٌ آخِذٌ بِرَأْسِ دَابَّتِي، فَلَمَّا فَرَغْتُ مِنْ صَلَاتِي، قُلْتُ هٰكَذَا بِيَدِي: السَّلَامُ عَلَيْكُمْ، فَسَمِعْتُ رَدَّ السَّلَامِ عَلَيَّ، يَخْرُجُ مِنْ تَحْتِ الْأَرْضِ، أَعْرِفُهٗ كَمَا أَعْرِفُ أَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ خَلَقَنِي، وَكَمَا أَعْرِفُ اللَّيْلَ مِنَ النَّهَارِ، فَاقْشَعَرَّتْ كُلُّ شَعْرَةٍ مِنِّي.

''ایک دن میں شہداء کی قبروں پر گئی اور یہ میرا ہمیشہ کا معمول تھا۔میں سیدنا حمزہ رضی اللہ عنہ کی قبر کے پاس گئی اور جتنی مقدر میں تھی، نماز پڑھی،وہاں قریب قریب کوئی پکارنے والا اور کوئی جواب دینے والا نہ تھا،صرف ایک لڑکا تھا جو میری سواری کی لگام پکڑے ہوئے تھا۔جب میں اپنی نماز سے فارغ ہوئی تو میں نے اپنے ہاتھ کے اشارے سے سلام کہا۔پھر زمین کے نیچے سے میں نے سلام کا جواب سنا اور میں اس جواب کو یوں پہچان رہی تھی جیسے یہ جانتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پیدا کیا ہے اور جیسے دن رات کو پہچانتی ہوں۔اس کے بعد میرے تمام رونگٹے کھڑے ہو گئے۔''

(من عاش بعد الموت لابن أبي الدنيا : 41، دلائل النبوة للبيهقي : 308/3، والسياق لهٗ، البداية والنهاية لابن كثير : 45/4)

تبصرہ : اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ عطاف بن خالد کی خالہ

نامعلوم عورت ہے، جیسا کہ بیان کیا جا چکا ہے۔

⑫ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا::

«أَشْهَدُ أَنَّ هٰؤُلَاءِ شُهَدَاءُ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأْتُوهُمْ وَزُورُوهُمْ، وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ، لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا رُدُّوا عَلَيْهِ» .

''میں گواہی دیتا ہوں کہ یہ لوگ روزِ قیامت اللہ کے ہاں شہید شمار ہوں گے۔تم ان کے پاس آیا کرو اور ان کی قبروں کی زیارت کیا کرو۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! قیامت کے دن تک جو بھی ان کو سلام کہے گا، یہ اس کا جواب دیں گے۔''

(المستدرك على الصحيحين للحاكم : 271/2، الرقم : 2977)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ امام حاکم رحمہ اللہ کے استاذ ابوالحسین، عبیداللہ/عبداللہ بن محمد، قطیعی کو ہم نہیں جان سکے۔

معجم کبیر طبرانی (364/20) میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی روایت سخت ترین ''ضعیف'' ہے، اس میں یحییٰ بن علاء راوی ''متروک'' ہے۔نیز اس کے ایک راوی ابوبلال اشعری کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''ضعیف'' کہا ہے۔(سنن الدارقطني :220/1)

اس روایت میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ذکر وہم یا تصحیف ہے، کیونکہ طبرانی کی سند سے یہی روایت حلیۃ الاولیاء (108/1) میں موجود ہے، جسے عبید بن عمیر ''مرسل'' بیان کرتے ہیں، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا واسطہ ذکر نہیں کرتے۔اسی طرح طبقات ابن سعد (121/3) میں بھی عبید بن عمیر یہ روایت ''مرسل'' ہی بیان کرتے ہیں۔

⑬ ہاشم بن محمد عمری کا بیان ہے : مجھے میرے والد مدینہ منورہ سے شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کو لے گئے، یہ جمعہ کا دن تھا، ابھی سورج نہیں نکلا تھا، میں اپنے والد کے پیچھے پیچھے تھا، جب ہم قبرستان کے پاس پہنچے تو میرے والد نے بآواز بلند کہا:

اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ، فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ .

’’تم نے جو صبر کیا،اس کے بدلے تم پر سلامتی ہے،آخرت کا گھر بہت اچھا ہے۔‘‘

اس پر جواب آیا: وَعَلَيْكَ السَّلَامُ يَا أَبَا عَبْدِ اللّٰهِ !

’’ابوعبداللہ! آپ پر بھی سلامتی ہو۔‘‘

میرے والد نے میری طرف دیکھا اور پوچھا: بیٹا! آپ نے جواب دیا ہے؟ میں نے کہا: نہیں، تو انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر اپنی دائیں طرف کر لیا اور دوبارہ اسی طرح سلام کہا تو دوبارہ بھی ایسا ہی ہوا۔ تیسری مرتبہ بھی اسی طرح مکالمہ ہوا۔ اس پر میرے والد اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدۂ شکر میں پڑ گئے۔(دلائل النبوة للبيهقي : 3/125، 308)

تبصرہ : اس کی سند ’’مجہول‘‘ راویوں کی ساختہ پرداختہ ہے۔

① ابویعلیٰ حمزہ بن محمد بن حمزہ علوی کی توثیق نہیں مل سکی۔

② ہاشم بن محمد عمری کون ہے؟ یہ بھی معلوم نہیں ہو سکا۔

⑭ محمد بن واسع تابعی (م : 123ھ) سے منقول ہے:

بَلَغَنِي أَنَّ الْمَوْتٰى يَعْلَمُونَ بِزُوَّارِهِمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، وَيَوْمًا قَبْلَهٗ، وَيَوْمًا بَعْدَهٗ .

’’مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ مردے ان لوگوں کو جانتے ہیں جو جمعرات، جمعہ اور ہفتہ کو ان کی قبروں پر آتے ہیں۔‘‘(شعب الإيمان للبيهقي :11/375، ح : 8862)

تبصرہ : یہ قول بھی باطل ہے، کیونکہ :

① اس کی سند میں جبیر قصاب نامی راوی ’’مجہول‘‘ ہے۔

② محمد بن واسع کو یہ بات پہنچانے والا شخص بھی نامعلوم ہے۔

⑮ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْمَيِّتُ يَعْرِفُ مَنْ يَّغْسِلُهٗ، وَيَحْمِلُهٗ، وَيُكَفِّنُهٗ، وَمَنْ يُّدَلِّيهِ فِي حُفْرَتِهٖ» .

’’میت اپنے غسل دینے والے، کفن دینے والے اور قبر میں اتارنے والے کو پہچان

رہی ہوتی ہے۔''(مسند الإمام أحمد : 3/3، المنامات لابن أبي الدنيا : 6، تاریخ بغداد للخطیب : 212/12)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں ایک ''مبہم'' و ''مجہول'' راوی موجود ہے۔حافظ ہیثمی اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَفِيهِ رَجُلٌ لَّمْ أَجِدْ مَنْ تَرَجَّمَهٗ . ''اس کی سند میں ایک ایسا راوی ہے جس کے حالات درج کرنے والا کوئی بھی میرے علم میں نہیں۔''(مجمع الزوائد : 21/3)

یہی روایت امام طبرانی رحمہ اللہ کی معجم اوسط(257/7، ح : 7438)اور امام ابو نعیم اصبہانی رحمہ اللہ کی تاریخ اصبہان(208/1)میں بھی مذکور ہے،لیکن اس کی سند بھی ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں :

① عطیہ عوفی راوی موجود ہے، جو جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے، نیز یہ ''مدلس'' بھی ہے۔

② اسماعیل بن عمرو بجلی راوی بھی ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد :248/1، ح : 1782)

⑯ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ)نقل کرتے ہیں:

خَرَّجَ ابْنُ الْبَرَاءِ، فِي كِتَابِ الرَّوْضَةِ، مِنْ حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ شِمْرٍ، وَهُوَ ضَعِيفٌ جِدًّا، عَنْ جَابِرٍ الْجُعْفِيِّ، عَنْ تَمِيمِ بْنِ حَذْلَكَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَا مِنْ مَّيِّتٍ يَّمُوتُ، إِلَّا وَهُوَ يَعْرِفُ غَاسِلَهٗ، وَيُنَاشِدُ حَامِلَهٗ، إِنْ بُشِّرَ بِرَوْحٍ وَّرَيْحَانٍ وَّجَنَّةِ نَعِيمٍ، أَنْ يُّعَجِّلَهٗ، وَإِنْ بُشِّرَ بِنُزُلٍ مِّنْ حَمِيمٍ وَّتَصْلِيَةِ جَحِيمٍ، أَنْ يَّحْبِسَهٗ» .

''ابن البراء نے اپنی کتاب [الروضہ] میں عمرو بن شمر، جو کہ سخت ضعیف راوی ہے، سے جابر جعفی اور تمیم بن حذلک کے واسطے سے سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مرنے والا انسان اپنے غسل دینے والے کو پہچان رہا ہوتا ہے اور کندھوں پر اٹھانے والے کو پکار رہا ہوتا ہے۔ اگر تو اسے رحمت، پاکیزہ رزق اور نعمتوں والی جنت کی خوشخبری سنا دی گئی ہو تو کہتا ہے کہ کندھا دینے والے اسے جلدی لے جائیں اور اگر اسے گرم پانی کی مہمانی اور جہنم میں ڈالنے کی بشارت دی گئی ہو تو وہ کہتا ہے کہ اسے نہ لے کر جائیں۔'' (أهوال القبور وأحوال أهلها إلى النشور، ص: 45,44)

تبصرہ: یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس کو بیان کرنے والا ایک راوی عمرو بن شمر ''متروک'' اور ''کذاب'' ہے۔

② جابر جعفی بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''متروک'' راوی ہے۔ یہ دونوں راوی رافضی ہیں۔

③ تمیم بن حذلک راوی کون ہے؟ اس کا تعارف نہیں ہو سکا۔

حافظ سیوطی (شرح الصدور: 100) اور ان کے استاذ سفیری (شرح صحیح البخاری: 75/2) کا اس کی سند کو ''ضعیف'' کہنا استاذ و شاگرد کے تساہل پر مبنی ہے۔ عمرو بن شمر اور جابر جعفی جیسے دو رافضی راویوں کی بیان کردہ سند کو صرف ''ضعیف'' کہنا انصاف نہیں، بلکہ یہ یقینی طور پر جھوٹی اور باطل روایت ہے۔

⑰ حبان بن ابو جبلہ تابعی رحمہ اللہ سے منقول ہے:

بَلَغَنِي أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: «إِنَّ الشُّهَدَاءَ إِذَا اسْتُشْهِدُوا، أَنْزَلَ اللّٰهُ جَسَدًا، كَأَحْسَنِ جَسَدٍ، ثُمَّ يُقَالُ لِرُوحِهِ: ادْخُلِي فِيهِ، فَيَنْظُرُ إِلٰى جَسَدِهِ الْأَوَّلِ مَا يُفْعَلُ بِهِ، وَيَتَكَلَّمُ فَيَظُنُّ أَنَّهُمْ يَسْمَعُونَ

كَلَامَهٗ، وَيَنْظُرُ فَيَظُنُّ أَنَّهُمْ يَرَوْنَهٗ، حَتّٰى تَأْتِيَهٗ أَزْوَاجُهٗ، يَعْنِي الْحُورَ الْعِينَ، فَيَذْهَبْنَ بِهٖ» .

''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ جب شہداء کو شہید کیا جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایک خوبصورت ترین جسم نازل کرتا ہے، پھر اس کی روح کو اس میں داخل ہونے کا حکم دیا جاتا ہے۔روح اپنے پہلے جسم کو دیکھ رہی ہوتی ہے کہ اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے، وہ باتیں بھی کرتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ لوگ اس کی باتیں سن رہے ہیں اور وہ دیکھ بھی رہی ہوتی ہے اور سمجھ رہی ہوتی ہے کہ لوگ اسے دیکھ رہے ہیں۔اسی اثنا میں اس کی بیویاں، یعنی موٹی آنکھوں والی حوریں، آ جاتی ہیں اور اسے لے جاتی ہیں۔''(أخرجه ابن مندة كما في أهوال القبور لابن رجب : 98، الجهاد للإمام عبد الله بن المبارك : 63)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کی سند میں عبد الرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی راوی ہے، جو جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں :

✿ علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ ضَعِيفٌ بِالِاتِّفَاقِ .

''یہ راوی باتفاقِ محدثین ضعیف ہے۔''(خلاصة الأحكام : 449/1)

✿ حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(تخريج أحاديث الإحياء : 1901)

✿ علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: وَالْجُمْهُورُ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''جمہور محدثین اسے ضعیف کہتے ہیں۔''(مجمع الزوائد : 250/1)

✿ علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالْأَكْثَرُ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''اکثر محدثین کرام اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔''(تنقيح التحقيق : 381/2، ح : 1008)

② حبان بن ابو جبلہ تابعی کہتے ہیں کہ مجھے یہ روایت پہنچی ہے۔ پہنچانے والا کوئی نامعلوم و مجہول شخص ہے، لہٰذا یہ روایت اس شخص کی جہالت کی بنا پر بھی ''ضعیف'' ہے۔

⑱ عاصم جحدری (م: 129ھ) کی اولاد میں سے ایک شخص کا بیان ہے:

رَأَیْتُ عَاصِمًا الْجَحْدَرِيَّ فِي مَنَامِي، بَعْدَ مَوْتِہٖ بِسَنَتَیْنِ، فَقُلْتُ: أَلَسْتَ قَدْ مُتَّ؟ قَالَ: بَلٰی، قُلْتُ: فَأَیْنَ أَنْتَ؟ قَالَ: أَنَا، وَاللّٰہِ! فِي رَوْضَۃٍ مِّنْ رِّیَاضِ الْجَنَّۃِ، أَنَا وَنَفَرٌ مِّنْ أَصْحَابِي نَجْتَمِعُ کُلَّ لَیْلَۃِ جُمُعَۃٍ وَّصَبِیحَتِھَا إِلٰی بَکْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْمُزَنِيِّ، فَنَتَلَقّٰی أَخْبَارَکُمْ، قَالَ: قُلْتُ: أَجْسَادُکُمْ أَمْ أَرْوَاحُکُمْ؟ قَالَ: ھَیْھَاتَ، بَلِیَتِ الْأَجْسَادُ، وَإِنَّمَا تَتَلَاقَی الْأَرْوَاحُ.

''میں نے عاصم جحدری کو ان کی وفات کے دو سال بعد خواب میں دیکھا۔ میں نے پوچھا: کیا آپ فوت نہیں ہو گئے تھے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں! میں نے کہا: تو اب آپ کہاں ہیں؟ انہوں نے کہا: اللہ کی قسم! میں جنت کے ایک باغ میں ہوں۔ میں اور میرے ساتھی ہر جمعہ کی رات اور صبح کو بکر بن عبداللہ مزنی کے پاس جمع ہوتے ہیں اور تمہاری خبریں سنتے ہیں۔ میں نے کہا: تمہارے جسم یا تمہاری روحیں؟ انہوں نے کہا: جسم تو بوسیدہ ہو چکے ہیں، صرف روحیں ملاقات کرتی ہیں۔'' (المنامات لابن أبي الدنیا: 58، المنتظم لابن الجوزي: 74/7، تفسیر ابن کثیر: 95/5 بتحقیق عبد الرزّاق المھدي، أھوال القبور لابن رجب: 130)

تبصرہ: یہ خودساختہ خواب ہے، کیونکہ:

① یحییٰ بن بسطام راوی غیر معتبر اور غیر ثقہ ہے۔

② مسمع بن عاصم راوی کو اگرچہ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے [الثقات: 198/9] میں ذکر کیا ہے، لیکن امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا یُتَابَعُ عَلٰی حَدِیثِہٖ، وَلَیْسَ بِمَشْھُورٍ بِالنَّقْلِ. ''اس کی حدیث منکر ہوتی ہے اور یہ روایت کرنے

میں معروف بھی نہیں۔''(الضعفاء الکبیر : 264/4)

لہٰذا یہ راوی ''مجہول'' ہے۔

③ عاصم بجدری کی اولاد میں سے جو شخص یہ قصہ بیان کر رہا ہے، وہ ''مبہم'' (جس کا نام تک معلوم نہ ہو) ہے۔

ایک تو ان تین علتوں کی بنا پر یہ قصہ ہی ثابت نہیں ہو سکا، دوسری بات یہ ہے کہ کسی نامعلوم و مجہول شخص کا خواب دین میں کیسے دلیل بن سکتا ہے؟

⑲ جلیل القدر امام، سفیان ثوری رحمہ اللہ (97-161ھ) سے منقول ہے :

بَلَغَنِي عَنِ الضَّحَّاكِ، أَنَّهُ قَالَ : مَنْ زَارَ قَبْرًا يَوْمَ السَّبْتِ، قَبْلَ طُلُوعِ الشَّمْسِ، عَلِمَ الْمَيِّتُ بِزِيَارَتِهٖ، قِيلَ لَهٗ : وَكَيْفَ ذَاكَ ؟ قَالَ : لِمَكَانِ يَوْمِ الْجُمُعَةِ . ''مجھے ضحاک رحمہ اللہ سے ان کا یہ قول پہنچا ہے کہ اگر کوئی ہفتے کے دن طلوعِ آفتاب سے پہلے کسی قبر پر جائے تو میت کو اس کے آنے کا علم ہو جاتا ہے۔ ان سے پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہوتا ہے؟ فرمایا : جمعہ کے دن کی برکت سے۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 476/11، ح : 8863)

تبصرہ : یہ جھوٹ کا پلندا ہے، کیونکہ اس کا راوی عبد العزیز بن ابان ''کذاب'' اور خبیث ہے۔ اس کے بارے میں :

❀ امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ کہتے ہیں : وَضَعَ أَحَادِيثَ عَنْ سُفْيَانَ الثَّوْرِيِّ، لَمْ تَكُنْ . ''اس نے سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منسوب کر کے ایسی احادیث گھڑ لی ہیں، جن کا کوئی وجود ہی نہ تھا۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 377/5)

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : كُلُّ مَنْ حَدَّثَ بِهٖ عَنْ سُفْيَانَ، فَهُوَ كِذْبٌ . ''جس نے بھی اس کے واسطے سے امام سفیان ثوری رحمہ اللہ

کی روایت بیان کی ہیں، وہ جھوٹا ہے۔'' (الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 377/5)

دوسری بات یہ ہے کہ امام سفیان ثوری رحمہ اللہ کو یہ بات پہنچانے والا نامعلوم ہے، کسی جھوٹے شخص کی نامعلوم شخص سے بیان کردہ بات کا کیا اعتبار؟

⑳ امام مجاہد بن جبر تابعی رحمہ اللہ (م:101-104ھ) سے منقول ہے:

إِذَا مَاتَ الْمَيِّتُ، فَمَلَكٌ قَابِضٌ نَفْسَهٗ، فَمَا مِنْ شَيْءٍ إِلَّا وَهُوَ يَرَاهُ عِنْدَ غُسْلِهٖ، وَعِنْدَ حَمْلِهٖ، حَتّٰى يَصِيرَ إِلٰى قَبْرِهٖ .

''جب مرنے والا مرتا ہے اور فرشتہ اس کی جان قبض کر لیتا ہے تو وہ اپنے غسل اور اپنے اٹھا کر قبر تک لے جائے جانے تک ہر چیز کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔''

(المنامات لابن أبي الدنيا : 9)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کے راوی محمد بن عثمان بن صفوان جُمَحی کے بارے میں:

❀ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هُوَ مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، ضَعِيفُ الْحَدِيثِ .

''اس کی بیان کردہ حدیث منکر اور ضعیف ہوتی ہے۔'' (الجرح والتعدیل : 24/8)

❀ امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَيْسَ بِالْقَوِيِّ .

''یہ قوی نہیں ہے۔'' (أسئلة البرقاني للدارقطني : 473)

لہٰذا امام ابن حبان رحمہ اللہ کا اسے [الثقات (424/7)] میں ذکر کرنا صحیح نہیں۔

㉑ بکر بن عبد اللہ بن عمرو مزنی (م:106ھ) کا بیان ہے:

بَلَغَنِي أَنَّهٗ مَا مِنْ مَيِّتٍ إِلَّا وَرُوحُهٗ بِيَدِ مَلَكِ الْمَوْتِ، فَهُمْ يُغَسِّلُونَهٗ، وَيُكَفِّنُونَهٗ، وَهُوَ يَرٰى مَا يَصْنَعُ أَهْلُهٗ، فَلَوْ أَنَّهٗ يَقْدِرُ عَلَى الْكَلَامِ، لَنَهَاهُمْ عَنِ

الرَّنَّةِ، وَالْعَوِيلِ . ''مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ جو بھی مرنے والا مرتا ہے تو اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے۔گھر والے اسے نہلا رہے ہوتے ہیں اور کفن دے رہے ہوتے ہیں تو وہ انہیں دیکھ رہا ہوتا ہے۔اگر وہ بولنے پر قادر ہو تو ضرور انہیں شور اور چیخ وپکار سے منع کرے۔''(المنامات لابن أبي الدنیا : 10)

تبصرہ : بکر بن عبد اللہ مزنی کو یہ بات کس نے پہنچائی اور کس کی طرف سے پہنچائی، کچھ بھی معلوم نہیں،لہٰذا یہ نا قابل التفات ہے۔

(22) عمرو بن دینار رحمہ اللہ (م : 126ھ) سے منقول ہے :

مَا مِنْ مَّیِّتٍ، إِلَّا وَهُوَ يَعْلَمُ مَا يَكُونُ فِي أَهْلِهِ بَعْدَهٗ، وَإِنَّهُمْ لَيُغَسِّلُونَهٗ، وَيُكَفِّنُونَهٗ، وَإِنَّهٗ لَيَنْظُرُ إِلَيْهِمْ . ''ہر مرنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد اس کے گھر والوں پر کیا بیتے گی؟ گھر والے اسے غسل و کفن دے رہے ہوتے ہیں تو وہ ان کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے۔''(إحیاء علوم الدین للغزالي : 4/497، أهوال القبور لابن رجب، ص : 149، شرح الصدور بشرح حال الموتٰی والقبور للسوطي، ص : 103)

تبصرہ : کسی بھی کتاب میں اس کی کوئی سند مذکور نہیں۔ایسے بے سروپا اقوال کا کوئی اعتبار نہیں۔

(23) جلیل القدر تابعی،امام سفیان ثوری رحمہ اللہ سے منقول ہے :

إِنَّ الْمَيِّتَ لَيَعْرِفُ كُلَّ شَيْءٍ، حَتّٰى إِنَّهٗ لَيُنَاشِدُ بِاللّٰهِ غَاسِلَهٗ : إِلَّا خَفَّفْتَ عَلَيَّ، قَالَ : وَيُقَالُ لَهٗ، وَهُوَ عَلٰى سَرِيرِهٖ : اسْمَعْ ثَنَاءَ النَّاسِ عَلَيْكَ .

''بے شک مردہ ہر چیز کو جانتا ہے،یہاں تک کہ اپنے نہلانے والے کو بھی جانتا ہے، اللہ کی قسم دے کر کہتا ہے کہ مجھے بآسانی نہلانا۔(امام سفیان نے فرمایا:) کہ اس کے جنازے پر کہا جاتا ہے کہ آپ اپنے متعلق لوگوں کی تعریف سنیں۔''

(روحوں کی دنیا از احمد رضا خان بریلوی،ص:44)

تبصرہ : اس کا کوئی حوالہ نہیں مل سکا، البتہ اس کے آخری الفاظ [حلیۃ الاولیاء (54/7)] میں موجود ہیں اور ان کی سند "ضعیف" ہے۔ سہل بن مغیرہ، ابوعلی، بزار کی توثیق نہیں مل سکی۔ حافظ ابونعیم اصبہانی کے استاذ محمد بن علی کا تعین اور توثیق بھی مطلوب ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ (150-204ھ) فرماتے ہیں: وَلَمْ يُكَلِّفِ اللّٰهُ أَحَدًا أَنْ يَّأْخُذَ عَمَّنْ لَّا يُعْرَفُ. "اللہ تعالیٰ نے کسی کو مجہول راویوں کی روایات لینے کا مکلّف نہیں بنایا۔" (الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي: 116/1، وفي نسخة: 270/1، وسندهٗ صحيحٌ)

(24) عبدالرحمٰن بن ابولیلیٰ (م: 83ھ) کی طرف یہ قول منسوب ہے:

اَلرُّوحُ بِيَدِ مَلَكٍ، يَمْشِي مَعَ الْجَنَازَةِ، يَقُولُ: اسْمَعْ مَا يُقَالُ لَكَ، فَإِذَا بَلَغَ حُفْرَتَهٗ، دَفَنَهٗ مَعَهٗ. "روح فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ جنازے کے ساتھ چل رہا ہوتا ہے اور روح سے کہہ رہا ہوتا ہے: جو کچھ تیرے بارے میں کہا جا رہا ہے، اسے سن! جب قبر تک پہنچتا ہے تو اسے جسم کے ساتھ ہی دفن کر دیتا ہے۔"

(المنامات لابن أبي الدنيا: 8)

تبصرہ : اس قول کی سند "ضعیف" ہے، کیونکہ امام سفیان ثوری اور اعمش دونوں "مدلس" ہیں اور بصیغۂ عن روایت بیان کر رہے ہیں، لہٰذا اصولِ حدیث کے مطابق یہ روایت ناقابل اعتماد و اعتبار ہے۔

(25) ابن ابونجیح (م: 131ھ) کا یہ قول نقل کیا گیا ہے:

مَا مِنْ مَّيِّتٍ يَّمُوتُ، إِلَّا وَرُوحُهٗ فِي يَدِ مَلَكٍ، يَنْظُرُ إِلٰى جَسَدِهٖ، كَيْفَ يُغْسَلُ، وَكَيْفَ يُكَفَّنُ، وَكَيْفَ يُمْشٰى بِهٖ إِلٰى قَبْرِهٖ.

"جو بھی مرنے والا مرتا ہے، اس کی روح فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے اور وہ اپنے جسم کو نہلائے جانے، کفن دیئے جانے اور قبر کی طرف لے جانے کے مناظر دیکھ رہا ہوتا ہے۔"

(أهوال القبور لابن رجب، ص: 149، شرح الصدور للسيوطي، ص: 104)

تبصرہ : اس روایت کی کوئی سند نہیں مل سکی، لہٰذا مردود ہے۔

(26) ابو عبد اللہ، بکر، مزنی سے منقول ہے:

حُدِّثْتُ أَنَّ الْمَيِّتَ لَيَسْتَبْشِرُ بِتَعْجِيلِهِ إِلَى الْمَقَابِرِ .

''مجھے یہ بات بتائی گئی ہے کہ میت جلد قبرستان کی طرف لے جانے پر خوش ہوتی ہے۔''

تبصرہ : اس کی بھی کوئی سند نہیں مل سکی، لہٰذا باطل ہے۔

(27) عظیم تابعی، امام سعید بن مسیّب رحمہ اللہ (م بعد: 90ھ) سے منقول ہے:

إِنَّ سَلْمَانَ، وَعَبْدَ اللّٰهِ بْنَ سَلَامٍ، الْتَقَيَا، فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ : إِنْ لَقِيتَ رَبَّكَ قَبْلِي، فَأَخْبِرْنِي مَاذَا لَقِيتَ مِنْهُ ؟ فَقَالَ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهِ : أَيَلْقَى الْأَحْيَاءَ الْأَمْوَاتُ، قَالَ : نَعَمْ، أَمَّا الْمُؤْمِنُونَ، فَإِنَّ أَرْوَاحَهُمْ فِي الْجَنَّةِ، وَهِيَ تَذْهَبُ حَيْثُ شَاءَ تْ، قَالَ : فَتُوُفِّيَ أَحَدُهُمَا قَبْلَ صَاحِبِهِ، فَلَقِيَهُ الْحَيُّ فِي الْمَنَامِ، فَكَأَنَّهُ سَأَلَهُ، فَقَالَ الْمَيِّتُ : تَوَكَّلْ وَأَبْشِرْ، فَإِنِّي لَمْ أَرَ مِثْلَ التَّوَكُّلِ قَطُّ .

''سیدنا سلمان فارسی اور سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما کی ملاقات ہوئی تو ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا: اگر آپ مجھ سے پہلے اپنے رب سے جا ملیں تو مجھے بتانا کہ ملاقات کیسی رہی؟ اس پر دوسرے نے کہا: کیا مردے زندہ لوگوں سے ملاقات کرتے ہیں؟ پہلے نے کہا: جی ہاں، مؤمنوں کی روحیں تو جنت میں ہوتی ہیں اور وہ جہاں چاہیں جا سکتی ہیں۔ان میں سے ایک پہلے فوت ہو گیا اور زندہ خواب میں اس کو ملا اور پوچھا تو مرنے والے نے کہا: توکل کریں اور مطمئن رہیں، کیونکہ میں نے توکل جیسی کوئی چیز کبھی نہیں دیکھی۔'' (مصنف ابن أبي شيبة : 120/7، الزهد لعبد الله بن المبارك : 428، الزهد لأبي داوٗد : 258، التاريخ الأوسط للبخاري : 276، المنامات لابن أبي الدنيا : 21، شعب الإيمان للبيهقي : 489/2، ح : 1293، والسياق لهٗ، تاريخ دمشق لابن عساكر : 460/21)

تبصرہ: اس کی سند ''منقطع'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

سعید بن مسیّب تابعی کا سیدنا سلمان فارسی اور سیدنا عبد اللہ بن سلام رضی اللہ عنہما سے سماع ثابت نہیں ہو سکا۔

حلیۃ الاولیاء (205/1) میں اس کی ایک اور سند مذکور ہے، اس میں ابو معشر نجیح بن عبد الرحمٰن ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے۔ اس کے بارے میں :

حافظ ابن القطان فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : أَبُو مَعْشَرٍ هٰذَا، مَنْ ضَعَّفَهٗ أَكْثَرُ مِمَّنْ وَّثَّقَهٗ . ''ابو معشر کو ضعیف کہنے والے اس کی توثیق کرنے والوں سے زیادہ ہیں۔'' (بيان الوهم والإيهام : 234/3، الرقم : 964)

حافظ ابن العراقی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

وَهُوَ ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ . ''یہ راوی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔''

(طرح التثريب : 4/3)

حافظ بوصیری کہتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (اتّحاف المهرة : 511/6)

㉘ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے : إِنَّهَا كَانَتْ تَسْمَعُ صَوْتَ الْوَتَدِ يُوتَدُ، وَالْمِسْمَارِ يُضْرَبُ، فِي بَعْضِ الدُّورِ الْمُطِيفَةِ بِمَسْجِدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ، فَتُرْسِلُ إِلَيْهِمْ : لَا تُؤْذُوا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''وہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کے ساتھ ملحق گھروں میں کیل یا میخ ٹھونکنے کی آواز سنتیں تو ان اہل خانہ کے پاس پیغام بھیجتیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف نہ دو۔''

(الدرّة الثمينة في أخبار المدينة لابن النجّار : 197)

تبصرہ: یہ انتہائی جھوٹی روایت ہے، اس کا راوی محمد بن حسن بن زبالہ

مخزومی ''کذاب''، اور جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا شیدائی تھا۔

اس کے بارے میں :

① امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَيْسَ بِثِقَةٍ، كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ، كَانَ كَذَّابًا، وَلَمْ يَكُنْ بِشَيْءٍ .

''یہ قابل اعتماد نہیں تھا، حدیثوں کا سرقہ کرتا تھا، جھوٹا اور فضول شخص تھا۔''

(تاریخ ابن معین بروایة العباس الدوري : 511,510/2)

② امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَاهِي الْحَدِيثِ، ضَعِيفُ الْحَدِيثِ، مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، عِنْدَهُ مَنَاكِيرُ، وَلَيْسَ بِمَتْرُوكِ الْحَدِيثِ .

''اس کی بیان کردہ حدیث کمزور، ضعیف اور منکر ہوتی ہے۔ اس کے پاس عجیب وغریب قسم کی روایات ہیں، البتہ یہ متروک الحدیث نہیں۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 228/7)

③ امام نسائی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ .

''محدثین نے اس کی روایات چھوڑ دی ہیں۔'' (كتاب الضعفاء والمتروكين : 535)

④ امام ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ وَاهِي الْحَدِيثِ .

''اس کی بیان کردہ حدیث کمزور ہوتی ہے۔'' (الجرح والتعديل : 228/7)

⑤ امام دارقطنی رحمہ اللہ نے بھی اسے ''متروک'' قرار دیا ہے۔

(سؤالات البرقاني للدارقطني : 427)

⑥ امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَانَ يَسْرِقُ الْحَدِيثَ، وَيَرْوِي عَنِ الثِّقَاتِ مَا لَمْ يَسْمَعْ مِنْهُمْ، مِنْ غَيْرِ تَدْلِيسٍ مِّنْهُمْ .

''یہ حدیثوں کا سرقہ کرتا تھا اور ثقہ راویوں سے بغیر تدلیس کے وہ روایات بیان کرتا تھا، جو اس نے ان سے نہیں سنی ہوتی تھیں۔'' (المجروحين : 275/2)

⑦ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: كَذَّبُوهُ.

''محدثین کے نزدیک یہ شخص جھوٹا تھا۔'' (تقريب التهذيب : 8515)

نیز فرماتے ہیں: مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ.

''اس کے ضعیف ہونے پر سب محدثین کا اتفاق ہے۔'' (فتح الباري : 298/11)

یہ جروح میں لتھڑا ہوا راوی ہے، اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

اس روایت میں ''انقطاع'' بھی ہے، عبد العزیز بن ابو حازم کا سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے لقاء و سماع نہیں ہے۔ اس کے متابع راوی نوفل بن عمارہ کا کتبِ رجال میں کہیں ذکر نہیں۔

㉙ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: لَمَّا مَرِضَ أَبِي أَوْصٰى أَنْ يُّؤْتٰى بِهٖ إِلٰى قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُسْتَأْذَنَ لَهٗ، وَيُقَالَ : هٰذَا أَبُو بَكْرٍ يُّدْفَنُ عِنْدَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَإِنْ أَذِنَ لَكُمْ فَادْفَعُونِي، وَإِنْ لَّم يُؤْذَنْ لَّكُمْ فَاذْهَبُوا بِي إِلَى الْبَقِيعِ، فَأُتِيَ بِهٖ إِلَى الْبَابِ، فَقِيلَ : هٰذَا أَبُو بَكْرٍ قَدِ اشْتَهٰى أَنْ يُّدْفَنَ عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَدْ أَوْصَانَا، فَإِنْ أُذِنَ لَنَا دَخَلْنَا، وَإِنْ لَّمْ يُؤْذَنْ لَّنَا انْصَرَفْنَا، فَنُودِينَا أَنِ ادْخُلُوا وَكَرَامَةً، وَسَمِعْنَا كَلَامًا وَّلَمْ نَرَ أَحَدًا.

''جب میرے والد بیمار ہوئے تو انہوں نے وصیت فرمائی کہ انہیں (وفات کے بعد) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر لے جایا جائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کرتے ہوئے کہا جائے: اللہ کے رسول! یہ ابوبکر ہیں اور انہیں آپ کے قریب دفن کیا جا رہا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں تو مجھے وہاں دفن کر دینا اور اگر تمہیں اجازت نہ ملے تو مجھے بقیع میں لے جانا۔ (جب سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ فوت ہوئے تو) انہیں دروازے پر لایا گیا اور کہا گیا: یہ ابوبکر ہیں جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دفن ہونے کی خواہش رکھتے تھے اور اس حوالے سے ہمیں وصیت کر چکے ہیں۔ اگر ہمیں اجازت ملے گی تو

ہم داخل ہوں گے، ورنہ لوٹ جائیں گے۔ہمیں آواز آئی کہ عزت کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ ہمیں آواز دینے والا سنائی نہیں دیا۔“(الخصائص الکبریٰ للسیوطي : 492/2)

تبصرہ : یہ بے سند اور باطل روایت ہے۔علامہ سیوطی نے اسے امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی کتاب [رُوَاۃ مالک] کے حوالے سے ذکر کیا ہے، جو کہ مفقود ہو چکی ہے، نیز علامہ سیوطی نے خطیب بغدادی رحمہ اللہ کی طرف سے اس روایت کو”غریب جدا“ کہنا بھی نقل کیا ہے۔

امام ابن عساکر رحمہ اللہ (تاریخ دمشق : 436/30) نے اس سے ملتی جلتی ایک روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے حوالے سے ذکر کی ہے،اس میں یہ الفاظ ہیں :

وَكُنْتُ أَوَّلَ مَنْ يُّؤْذَنُ إِلَى الْبَابِ، فَقُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هٰذَا أَبُو بَكْرٍ مُّسْتَأْذِنٌ، فَرَأَيْتُ الْبَابَ قَدْ تُفْتَحُ، وَسَمِعْتُ قَائِلًا يَّقُولُ : أَدْخِلُوا الْحَبِيبَ إِلٰى حَبِيبِهٖ، فَإِنَّ الْحَبِيبَ إِلَى الْحَبِيبِ مُشْتَاقٌ .

”میں سب سے پہلا شخص تھا،جس نے دروازے سے اندر جانے کی اجازت ملی۔ میں نے عرض کیا : اے اللہ کے رسول! یہ ابو بکر ہیں اور اجازت طلب کر رہے ہیں۔میں نے دیکھا کہ دروازہ کھلا اور میں نے ایک کہنے والے کو یہ کہتے ہوئے سنا : حبیب کو حبیب کے پاس لے آؤ، کیونکہ حبیب اپنے حبیب سے ملاقات کا مشتاق ہے۔“

لیکن یہ روایت بھی باطل ہے۔اسے ذکر کرنے کے بعد امام ابن عساکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هٰذَا مُنْكَرٌ، وَرَاوِيهِ أَبُو الطَّاهِرِ مُوسَى بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَطَاءٍ الْمَقْدِسِيُّ [كَذَّابٌ]، وَعَبْدُ الْجَلِيلِ مَجْهُولٌ .

”یہ منکر روایت ہے۔اس کا راوی ابو طاہر موسیٰ بن محمد بن عطاء مقدسی کذاب ہے اور عبد الجلیل مجہول ہے۔“

نیز دیکھیں (لسان المیزان لابن حجر : 391/3، الخصائص الکبریٰ للسیوطي : 492/2)

اس کے راوی ابو طاہر مقدسی کے بارے میں امام ابوحاتم رازی، موسیٰ بن سہل رملی اور ابوزرعہ رازی رحمہم اللہ فرماتے ہیں: وَكَانَ يَكْذِبُ .

''یہ جھوٹ بولتا تھا۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 161/8)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، وَيَسْرِقُ الْحَدِيثَ .

''یہ منکر الحدیث ہے اور یہ حدیث کا سرقہ کرتا تھا۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 347/6)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَيَضَعُ الْحَدِيثَ عَلَى الثِّقَاتِ .

''یہ ثقہ راویوں سے منسوب کر کے حدیثیں گھڑتا تھا۔''(كتاب المجروحين : 243/2)

امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ .

''یہ متروک الحدیث راوی ہے۔''(العلل : 179/1)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ اسے ''کذاب'' اور ''متہم'' قرار دیا ہے۔(المغني في الضعفاء : 686/2)

نیز اس میں حبہ عرنی راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس روایت کو باطل قرار دیا ہے۔(لسان الميزان : 391/3)

تنبیہ نمبر ① : سیدنا سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اِشْهَدُوا لِهٰؤُلَاءِ الشُّهَدَاءِ، عِنْدَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَأْتُوهُمْ، وَزُورُوهُمْ، وَسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ، فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ ! لَا يُسَلِّمُ عَلَيْهِمْ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا رَجَوْتُ لَهٗ، أَوْ قَالَ : إِلَّا رَدُّوا عَلَيْهِ» .

''تم قیامت کے روز اللہ کے ہاں ان شہداء کے لیے گواہ بن جانا۔ان (کی قبروں) کے پاس آیا کرو،ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کہا کرو۔اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے،قیامت تک جو شخص بھی ان کو سلام کہے گا،میں اس کے لیے

(مغفرت کی) امید رکھتا ہوں۔ یا فرمایا کہ وہ سلام کا جواب دیں گے۔''

(مسند عليّ بن الجعد، ص : 433، ح : 2945، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث میں شہداء کی طرف سے سلام کا جواب دیئے جانے کی بات راوی نے بطورِ شک بیان کی ہے۔جن سندوں میں بطورِ جزم جواب دینے کا ذکر ہے،وہ ساری کی ساری ''ضعیف'' ہیں۔شک کے طور پر بیان کی گئی بات قابل حجت نہیں ہوسکتی۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس حدیث میں مردوں کے سننے اور دیکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔ بصورتِ صحت ِحدیث اللہ تعالیٰ ان کو باخبر کر دیتا ہوگا۔

تنبیہ نمبر ② : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

كُنْتُ أَدْخُلُ بَيْتِيَ الَّذِي دُفِنَ فِيهِ رَسُولُ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَبِي، فَأَضَعُ ثَوْبِي، وَأَقُولُ : إِنَّمَا هُوَ زَوْجِي وَأَبِي، فَلَمَّا دُفِنَ عُمَرُ مَعَهُمْ، فَوَاللّٰهِ ! مَا دَخَلْتُهٗ، إِلَّا وَأَنَا مَشْدُودَةٌ عَلَيَّ ثِيَابِي، حَيَاءً مِّنْ عُمَرَ .

''میں اپنے اس حجرے میں،جس میں رسول اللہ ﷺ اور میرے والد (سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) مدفون تھے،داخل ہوتی تو (سر کا) کپڑا اتار دیا کرتی تھی اور (دل میں) یہ کہتی کہ یہاں میرے خاوند اور میرے والد ہی تو ہیں۔لیکن جب ان کے ساتھ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ بھی دفن ہو گئے تو اللہ کی قسم! میں اس حجرے میں صرف اسی حالت میں داخل ہوئی کہ میں اپنا (سر کا) کپڑا سختی سے باندھ لیتی تھی۔میں یہ کام سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے حیاء کرتے ہوئے کرتی تھی۔''

(مسند الإمام أحمد : 202/6، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 62/3، ح : 4402، 8/4، ح :6721، وسندهٗ صحيحٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح بخاری و مسلم کی شرط پر ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ ہیثمی لکھتے ہیں: وَرِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيحِ .

''اس کے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔'' (مجمع الزوائد : 26/8)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: مَا زِلْتُ أَضَعُ خِمَارِي، وَأَتَفَضَّلُ فِي ثِيَابِي فِي بَيْتِي، حَتّٰى دُفِنَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فِيهِ، فَلَمْ أَزَلْ مُتَحَفِّظَةً فِي ثِيَابِي، حَتّٰى بَنَيْتُ بَيْنِي وَبَيْنِ الْقُبُورِ جِدَارًا، فَتَفَضَّلْتُ بَعْدُ.

''میں ہمیشہ اپنے حجرے میں اپنا دوپٹہ اتار دیتی اور کام کاج کے معمولی کپڑے پہن لیتی تھی، حتی کہ اس میں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ دفن کر دیئے گئے۔ اس وقت سے میں اپنے کپڑوں میں لپٹی ہوئی رہتی تھی، یہاں تک کہ میں نے قبروں کے سامنے ایک دیوار بنا دی، اس کے بعد میں نے گھر میں کام کاج کے معمولی کپڑے پہننا شروع کر دیئے۔''

(الطبقات الکبرٰی لابن سعد : 277/3، تاریخ مدینة لابن شبة : 945/3، وسندہٗ حسنٌ)

کچھ کام انسان طبعی طور پر بے ساختہ کرتا ہے اور ان کے پیچھے کوئی عقیدہ ونظریہ کارفرما نہیں ہوتا، جیسا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو چومتے ہوئے سنت کی محبت میں بے ساختہ اسے مخاطب کیا اور فرمایا:

«أَمَا وَاللّٰهِ، إِنِّي لَأَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ، وَلَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْتَلَمَكَ مَا اسْتَلَمْتُكَ».

''اللہ کی قسم! میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، تُو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ اگر میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تجھے چومتے نہ دیکھا ہوتا تو تجھے نہ چومتا۔''

(صحیح البخاري : 1605، صحیح مسلم : 1270)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس عمل کو بھی اسی پر محمول کیا جائے گا، ورنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یا کسی بھی صحابی سے مردوں کے زندوں کو دیکھنے یا ان کی باتیں سننے کا عقیدہ ونظریہ ثابت نہیں، نہ خیر القرون یا بعد کے ائمہ اہل سنت نے اس روایت سے یہ مسئلہ اخذ ہی کیا۔ مردوں سے پردہ کرنے کا کوئی بھی قائل نہیں۔

تنبیہ نمبر ③: سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے وصیت فرمائی:

ثُمَّ أَقِيمُوا حَوْلَ قَبْرِي قَدَرَ مَا تُنْحَرُ جَزُورٌ وَيُقْسَمُ لَحْمُهَا، حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ، وَأَنْظُرَ مَاذَا أُرَاجِعُ بِهٖ رُسُلَ رَبِّي .

''تم میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں ایک اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔یوں میں تمہاری (دُعا کی وجہ سے) وجہ سے وحشت سے بچ جاؤں گا اور مجھے اپنے ربّ کے بھیجے ہوئے فرشتوں کے سوالات کے جوابات یاد آ جائیں گے۔''

(صحیح مسلم : 121)

اس روایت میں مردے کے سننے یا دیکھنے کا کوئی ذکر نہیں۔سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ تھا کہ قبر پر کھڑے ہو کر دُعا کرنے سے مُردہ وحشت اور سوال و جواب میں پریشانی سے بچ جاتا ہے۔

ویسے بھی یہ بات تو مسلم ہے کہ مردہ دفن کر کے واپس جانے والوں کے قدموں کی آہٹ سنتا ہے (صحیح بخاری :1/178، ح : 1378، صحیح مسلم :2/379، ح : 2870) اور اس سے مردے کو وحشت ہوتی ہے،لہٰذا جب تک لوگ واپس نہیں لوٹتے مردے کو ایک قسم کی مانوسیت رہتی ہے۔سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کا ارادہ غالباً یہی تھا کہ لوگ زیادہ دیر تک کھڑے دُعا و استغفار کرتے رہیں اور سوال و جواب کا مرحلہ طے ہو جائے۔

حافظ،عبد الرحمٰن بن علی،ابن الجوزی (508-597ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ سَبَقَ فِي مُسْنَدِ أَنَسٍ وَّغَيْرِهٖ أَنَّ الْمَيِّتَ يَسْمَعُ خَفْقَ النِّعَالِ إِذَا وَلَّوْا، وَإِذَا كَانَ كَذٰلِكَ، حَسَنٌ أَنْ يَّقُولَ : حَتّٰى أَسْتَأْنِسَ بِكُمْ .

''سیدنا انس رضی اللہ عنہ وغیرہ کی مسند میں یہ بات گزر چکی ہے کہ دفن کر کے واپس جاتے وقت مردہ لوگوں کے قدموں کی چاپ سنتا ہے۔جب ایسا ہے تو یہ کہنا درست ہے کہ (تم میری قبر پر ٹھہرے رہنا) تا کہ میں تمہاری وجہ سے مانوس رہوں۔''

(كشف المشكل من حديث الصحيحين : 4/111)

تنبیہ نمبر ④ : عمرو بن دینار رحمہ اللہ کہتے ہیں:

مَا مِنْ مَّيِّتٍ يَّمُوتُ، إِلَّا وَرُوحُهٗ فِي يَدِ مَلَكٍ، يَّنْظُرُ إِلٰى جَسَدِهٖ، كَيْفَ يُغَسَّلُ، وَكَيْفَ يُكَفَّنُ، وَكَيْفَ يُمْشٰى بِهٖ، فَيُجْلَسُ فِي قَبْرِهٖ، يُقَالُ لَهٗ، وَهُوَ عَلٰى سَرِيرِهٖ، : اسْمَعْ ثَنَاءَ النَّاسِ عَلَيْكَ.

''جو بھی بندہ مرتا ہے،اس کی روح فرشتے کے ہاتھ میں ہوتی ہے،وہ اپنے جسم کی طرف دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اسے کیسے غسل وکفن دیا جا رہا ہے اور کیسے قبرستان کی طرف لے جایا جا رہا ہے۔پھر اسے قبر میں بٹھا دیا جاتا ہے۔جب وہ چارپائی پر ہوتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے: اپنے بارے میں لوگوں کی تعریف سن۔''

(حلية الأولياء وطبقات الأصفياء لأبي نعيم الأصبهاني : 349/3، وسندهٗ صحيحٌ)

عمرو بن دینار رحمہ اللہ کی اس رائے کا تعلق عالمِ برزخ سے ہے، ہماری نظر میں اس پر قرآن وسنت کی کوئی دلیل نہیں۔

❀❀❀❀❀❀❀

بچے کے بال اور چاندی کا صدقہ!

بچے کی ولادت کے ساتویں دن اس کے جو بال اتارے جاتے ہیں،ان کے ہم وزن چاندی صدقہ کرنا ثابت نہیں۔اس بارے میں ایک روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدنا حسن رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت پر سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بالوں کے برابر چاندی صدقہ کرنے کا حکم دیا تھا۔

(مصنف ابن أبي شيبة : 235/8، مسند الإمام أحمد : 391,390/6، العيال لابن أبي الدنيا : 53)

لیکن اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی عبداللہ بن محمد بن عقیل جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

وضو میں پاؤں دھونا واجب ہے۔ یہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی و اتفاقی مسئلہ ہے اور اسی پر امت کا عمل ہے۔ قرآن وسنت کے دلائل اسی پر شاہد ہیں۔ آیئے اس بارے میں اجماعِ امت اور قرآن وسنت کے دلائل فہم سلف کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں:

اجماعِ امت

① عبدالملک بن ابوسلیمان نے تابعی امام عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ سے پوچھا: هَلْ عَلِمْتَ أَحَدًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْسَحُ قَدَمَيْهِ ؟ ''کیا آپ نبی اکرم ﷺ کے صحابہ میں سے کسی کو جانتے ہیں کہ وہ (ننگے) پاؤں پر مسح کرتا ہو؟'' تو انہوں نے فرمایا: لَا، وَاللّٰهِ ! مَا أَعْلَمُهُ . ''اللہ کی قسم! میں کسی ایسے صحابی کو نہیں جانتا۔'' (الطهور لأبي عبيد القاسم بن سلّام : 357، وسندهٗ حسنٌ، شرح معاني الآثار للطحاوي :34/1، وسندهٗ صحيحٌ)

ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں: أَدْرَكْتَ أَحَدًا مِّنْهُمْ يَمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ ؟ ''کیا آپ نے کسی صحابی کو پاؤں پر مسح کرتے دیکھا ہے؟'' اس پر انہوں نے فرمایا: مُحْدَثٌ . ''یہ صحابہ کرام کے بعد والوں کی ایجاد کردہ بدعت ہے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة :19/1، وسندهٗ حسنٌ)

② امام حکم بن عُتَیبہ تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَضَتِ السُّنَّةُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالْمُسْلِمِينَ، يَعْنِي بِغَسْلِ الْقَدَمَيْنِ .

''وضو میں پاؤں دھونا رسول اللہ ﷺ اور مسلمانوں کی متواتر سنت ہے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة :19,18/1، وسندهٗ حسنٌ)

③ امام ابن منذر رحمہ اللہ (242-319ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ أَجْمَعَ عَوَامُّ أَهْلِ الْعِلْمِ عَلٰى أَنَّ الَّذِي يَجِبُ عَلٰى مَنْ لَّا خُفَّ عَلَيْهِ غَسْلُ الْقَدَمَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَقَدْ ثَبَتَتِ الْأَخْبَارُ بِذٰلِكَ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَعَنْ أَصْحَابِهٖ.

''عام اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس شخص نے موزے نہ پہن رکھے ہوں، اس پر ٹخنوں تک پاؤں کو دھونا فرض ہے۔اس بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اور آپ کے صحابہ کرام کے آثار ثابت ہیں۔''(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف :413/1)

④ ابن ہُبَیرہ (م : 560ھ) فرماتے ہیں: وَاتَّفَقُوا (أَيِ الْإِمَامُ أَحْمَدُ وَالشَّافِعِيُّ وَمَالِكٌ وَأَبُو حَنِيفَةَ) عَلٰى وُجُوبِ غَسْلِ الْوَجْهِ كُلِّهٖ، وَغَسْلِ الْيَدَيْنِ مَعَ الْمِرْفَقَيْنِ، وغَسْلِ الرِّجْلَيْنِ مَعَ الْكَعْبَيْنِ، وَمَسْحِ الرَّأْسِ.

''امام احمد، امام شافعی، امام مالک اور امام ابوحنیفہ سب کا اتفاق ہے کہ وضو میں پورے چہرے، کہنیوں سمیت ہاتھوں، ٹخنوں سمیت پاؤں کو دھونا اور سر کا مسح کرنا فرض ہے۔''

(الإفصاح :72/1)

⑤ ابوبکر، ابن العربی، مالکی رحمہ اللہ (م :543ھ) فرماتے ہیں:

هٰذِهٖ سُنَّةٌ، اتَّفَقَ الْمُسْلِمُونَ عَلَيْهَا، وَرَوٰى أَئِمَّةُ الْأَحَادِيثَ الصِّحَاحَ فِيهَا.

''یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ ہے اور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے۔محدثین کرام نے اس بارے میں صحیح احادیث روایت کی ہیں۔''(عارضة الأحوذي :58/1)

⑥ حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَأَجْمَعَ الْعُلَمَاءُ عَلٰى وُجُوبِ غَسْلِ الْوَجْهِ، وَالْيَدَيْنِ، وَالرِّجْلَيْنِ، وَاسْتِيعَابِ جَمِيعِهِمَا بِالْغَسْلِ، وَانْفَرَدَتِ الرَّافِضَةُ عَنِ الْعُلَمَاءِ، فَقَالُوا : الْوَاجِبُ فِي الرِّجْلَيْنِ الْمَسْحُ، وَهٰذَا خَطَأٌ مِّنْهُمْ.

''وضو میں چہرے، دونوں ہاتھوں اور دونوں پاؤں کو مکمل دھونا واجب ہے، اس پر

علمائے کرام کا اجماع ہے، لیکن رافضی اس مسئلے میں اہل علم سے جدا ہو گئے ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ وضو میں دونوں پاؤں کا مسح واجب ہے۔ یہ ان کی خطا ہے۔''

(شرح صحیح مسلم : 107/3)

❀ نیز فرماتے ہیں: فَذَهَبَ جَمْعٌ مِّنَ الْفُقَهَاءِ، مِنْ أَهْلِ الْفَتْوٰى فِي الْأَعْصَارِ وَالْأَمْصَارِ، إِلٰى أَنَّ الْوَاجِبَ غَسْلُ الْقَدَمَيْنِ مَعَ الْكَعْبَيْنِ، وَلَا يُجْزِئُ مَسْحُهُمَا، وَلَا يَجِبُ الْمَسْحُ مَعَ الْغَسْلِ، وَلَمْ يَثْبُتْ خِلَافُ هٰذَا عَنْ أَحَدٍ يُّعْتَدُّ بِهٖ فِي الْإِجْمَاعِ، وَقَالَتِ الشِّيعَةُ : الْوَاجِبُ مَسْحُهُمَا، وَقَالَ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ وَالْجُبَّائِيُّ، رَأْسُ الْمُعْتَزِلَةِ: يَتَخَيَّرُ بَيْنَ الْمَسْحِ وَالْغَسْلِ .

''ہر دور اور ہر علاقے کے اہل فتویٰ فقہائے کرام کے ایک جم غفیر کا مذہب ہے کہ وضو میں ٹخنوں سمیت پاؤں کو دھونا فرض ہے، ان کا مسح کافی نہیں ہو گا، نیز مسح اور غسل بیک وقت فرض نہیں۔ اس کے خلاف کوئی بات کسی بھی ایسے عالم سے ثابت نہیں جس کو اجماع کے انعقاد میں کوئی حیثیت دی جاتی ہو۔ اس کے برعکس شیعہ کا کہنا ہے کہ دونوں پاؤں کا مسح کرنا فرض ہے، جبکہ محمد بن جریر اور معتزلہ کے سرغنہ جبائی کا کہنا ہے کہ وضو کرنے والے کو اختیار ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کر لے یا ان کو دھو لے۔''(شرح صحیح مسلم : 129/3)

تنبیہ بلیغ : اس عبارت میں مذکور محمد بن جریر سے مراد سنی مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ نہیں، بلکہ ابن جریر شیعہ ہے، کیونکہ سنی مفسر ابن جریر طبری رحمہ اللہ تو وضو میں پاؤں کو دھونا فرض سمجھتے تھے اور اسے فرض نہ سمجھنے والوں کا خوب ردّ بھی کرتے تھے، جیسا کہ آئندہ سطور میں ہم ان سے نقل بھی کریں گے۔ جبکہ علامہ نووی رحمہ اللہ نے اس ابن جریر کا ذکر کیا ہے، جو وضو میں پاؤں دھونے یا مسح کرنے میں اختیار کا قائل تھا۔

بعض لوگوں کو ابن جریر طبری رحمہ اللہ کی ایک عبارت سے دھوکا لگ گیا اور انہوں نے پاؤں پر مسح یا ان کو دھونے کا اختیار دینے والے ابن جریر کو سنی مفسر، ابن جریر طبری رحمہ اللہ خیال کر لیا۔

اس کا ردّ کرتے ہوئے سنی مفسر، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں:

فَمِنَ الْعُلَمَاءِ مَنْ يَزْعُمُ أَنَّ ابْنَ جَرِيرٍ اثْنَانِ ؛ أَحَدُهُمَا شِيعِيٌّ، وَإِلَيْهِ يُنْسَبُ ذٰلِكَ، وَيُنَزِّهُونَ أَبَا جَعْفَرٍ مِّنْ هٰذِهِ الصِّفَاتِ، وَالَّذِي عُوِّلَ عَلَيْهِ كَلَامُهُ فِي التَّفْسِيرِ أَنَّهُ يُوجِبُ غَسْلَ الْقَدَمَيْنِ، وَيُوجِبُ مَعَ الْغَسْلِ دَلْكَهُمَا، وَلَكِنَّهُ عَبَّرَ عَنِ الدَّلْكِ بِالْمَسْحِ، فَلَمْ يَفْهَمْ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ مُرَادَهُ جَيِّدًا، فَنَقَلُوا عَنْهُ أَنَّهُ يُوجِبُ الْجَمْعَ بَيْنَ الْغَسْلِ وَالْمَسْحِ .

''بعض علمائے کرام یہ بتا دیا ہے کہ ابن جریر دو ہیں؛ ایک شیعہ ہے اور اسی کی طرف ایسی باتیں منسوب ہیں۔ یہ اہل علم ابوجعفر (طبری رحمہ اللہ) کو ان صفات سے پاک قرار دیتے ہیں۔ وضو میں بیک وقت پاؤں دھونے اور مسح کرنے کی فرضیت کے بارے میں ان کی تفسیر کی جس عبارت کو دلیل بنایا گیا ہے، اس میں [دَلْك] (دھوتے وقت پاؤں کو) ملنے کو مسح سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اکثر لوگ ان کی اس مراد کو اچھی طرح سمجھ نہیں پائے اور ان سے یہ نقل کرنا شروع کر دیا کہ وہ وضو میں بیک وقت پاؤں کو دھونا اور ان پر مسح کرنا واجب قرار دیتے ہیں۔'' (البداية والنهاية :167/11)

ہندوستان کے مشہور عالم، علامہ، ابوالحسن، عبیداللہ، مبارکپوری رحمہ اللہ (1327-1414ھ) وضو کے سلسلے میں اہل علم کی طرف غلط باتوں کی نسبت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَمِثْلُهُ نِسْبَةُ التَّخْيِيرِ إِلٰى مُحَمَّدِ بْنِ جَرِيرٍ الطَّبَرِيِّ، صَاحِبِ التَّارِيخِ الْكَبِيرِ وَالتَّفْسِيرِ الشَّهِيرِ، وَقَدْ نَشَرَ رُوَاةُ الشِّيعَةِ هٰذِهِ الْأَكَاذِيبَ الْمُخْتَلَقَةَ، وَرَوَاهَا بَعْضُ أَهْلِ السُّنَّةِ، مِمَّنْ لَّمْ يُمَيِّزِ الصَّحِيحَ وَالسَّقِيمَ مِنَ الْأَخْبَارِ، بِلَا تَحَقُّقٍ وَّلَا سَنَدٍ، وَاتَّسَعَ الْخَرْقُ عَلَى الرَّاقِعِ، وَلَعَلَّ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرٍ الْقَائِلُ بِالتَّخْيِيرِ، هُوَ مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ رُسْتَمِ الشِّيعِيِّ، صَاحِبُ الْإِيضَاحِ لِلْمُتَرَشِّدِ فِي الْإِمَامَةِ، لَا أَبُوجَعْفَرٍ، مُحَمَّدُ بْنُ جَرِيرِ بْنِ غَالِبٍ، الطَّبَرِيُّ الشَّافِعِيُّ، الَّذِي هُوَ مِنْ أَعْلَامِ أَهْلِ السُّنَّةِ، وَالْمَذْكُورُ فِي تَفْسِيرِ هٰذَا، هُوَ

الْغَسْلُ فَقَطْ، لَا الْمَسْحُ، وَلَا الْجَمْعُ، وَلَا التَّخْيِيرُ الَّذِي نَسَبَهُ الشِّيعَةِ إِلَيْهِ .

''اسی طرح کا معاملہ امام محمد بن جریر طبری رحمہ اللہ، جو کہ تاریخ کبیر اور مشہور تفسیر کے مصنف ہیں، کی طرف اس بات کی نسبت کا ہے کہ وضو میں پاؤں دھونے اور مسح کرنے میں اختیار ہے۔ یہ خود تراشیدہ جھوٹ شیعہ راویوں نے پھیلائے ہوئے ہیں اور صحت و سقم کی تمیز نہ رکھنے والے بعض سنی لوگوں نے ان جھوٹی باتوں کو بلا تحقیق و سند نقل کر کے بے گناہ کو مجرم قرار دے دیا ہے۔ جو محمد بن جریر وضو میں پاؤں کو دھونے یا مسح کرنے کے اختیار کا قائل ہے، وہ غالباً محمد بن جریر بن رستم شیعہ ہے، جو کہ [اَلْإِيْضَاحُ لِلْمُتَرَشِّدِ فِي الْإِمَامَةِ] نامی کتاب کا مصنف ہے، نہ کہ ابوجعفر، محمد بن جریر بن غالب، طبری، شافعی، جو کہ اہل سنت کے کبار علماء میں سے ایک ہیں۔ ان کی تفسیر میں صرف پاؤں کو دھونے کا ذکر ہے، مسح کرنے کا نہیں، نہ ہی بیک وقت دونوں کام کرنے کا۔ شیعہ نے خواہ مخواہ ان کے ذمے یہ بات لگائی ہے۔'' (مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : 102/2)

❀ علامہ نووی رحمہ اللہ ایک مقام پر فرماتے ہیں:

فَقَدْ أَجْمَعَ الْمُسْلِمُونَ عَلٰى وُجُوبِ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَلَمْ يُخَالِفْ فِي ذٰلِكَ مَنْ يُّعْتَدُّ بِهٖ .

''مسلمانوں کا وضو میں پاؤں دھونے کی فرضیت پر اجماع ہے۔ اس حوالے سے کسی ایسے عالم نے مخالفت نہیں کی، جس کی کوئی علمی حیثیت ہو۔''

(المجموع شرح المهذّب : 417/1)

⑦ ابن نُجَیم حنفی (م : 970ھ) لکھتے ہیں:

فَإِنَّ الْإِجْمَاعَ انْعَقَدَ عَلٰى غَسْلِهِمَا، وَلَا اعْتِبَارَ بِخِلَافِ الرَّوَافِضِ .

''وضو میں پاؤں کو دھونے پر اجماع ہو چکا ہے۔ رافضیوں کی مخالفت کا کوئی اعتبار نہیں۔''

(البحر الرائق : 14/1)

فائدہ : ابو المحاسن، مفضل بن محمد، تنوخی، حنفی، معتزلی، شیعی (م : 442ھ) نے وضو میں پاؤں دھونے کے وجوب پر ایک رسالہ [وُجُوبُ غَسْلِ الْقَدَمَيْنِ] بھی لکھا ہے۔

(تاريخ دمشق لابن عساكر : 92/60، وسندهٗ صحيحٌ)

مشہور فقیہ وادیب، سُلَیم بن ایوب، ابو الفتح، رازی (م : 447ھ) نے بھی "غسل الرجلین" کے عنوان سے کتاب لکھی ہے۔(سیر أعلام النبلاء للذهبي : 647/17)

معروف فقیہ، علامہ، ابو الولید، باجی، مالکی (403-474ھ) نے بھی "غسل الرجلین" نامی کتاب تصنیف کی ہے۔(طبقات المفسّرين للداودي : 210/1)

قرآنی دلیل

فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾

(المائدة 5 : 6)

"اے ایمان والو! جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں، کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں کو دھولو اور اپنے سروں کا مسح کرلو۔"

قرآنِ کریم کی اس آیتِ کریمہ میں پاؤں کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔اس سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔اس آیت کی صحیح تفسیر یہی ہے، کیونکہ :

① نبی اکرم ﷺ جو سب سے معتبر مفسر قرآن ہیں اور جو وحیٔ الٰہی کی روشنی میں قرآنی آیات کی تفسیر اپنے قول و فعل اور تقریر سے فرماتے ہیں، انہوں نے وضو میں ننگے پاؤں کو دھونے ہی کی تعلیم دی ہے، ان پر مسح کرنے کی نہیں، جیسا کہ :

صحابیٔ رسول، سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

قُلْتُ : يَا نَبِيَّ اللّٰهِ ! أَخبِرْنِي عَنِ الْوُضُوءِ، قَالَ : «مَا مِنْكُمْ مِّنْ أَحَدٍ يُّقَرِّبُ وَضُوءَهٗ، ثُمَّ يَتَمَضْمَضُ وَيَسْتَنْشِقُ وَيَنْتَثِرُ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَاهُ مِنْ فَمِهٖ وَخَيَاشِيمِهٖ مَعَ الْمَاءِ، حِينَ يَنْتَثِرُ، ثُمَّ يَغْسِلُ وَجْهَهٗ، كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ أَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ، ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ أَطْرَافِ أَنَامِلِهٖ، ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ، إِلَّا

خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ أَطْرَافِ شَعَرِهٖ مَعَ الْمَاءِ، ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، إِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا قَدَمَيْهِ مِنْ أَطْرَافِ أَصَابِعِهٖ مَعَ الْمَاءِ، ثُمَّ يَقُومُ، فَيَحْمَدُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ، وَيُثْنِي عَلَيْهِ بِالَّذِي هُوَ لَهٗ أَهْلٌ، ثُمَّ يَرْكَعُ رَكْعَتَيْنِ، إِلَّا خَرَجَ مِنْ ذُنُوبِهٖ، كَهَيْئَتِهٖ يَوْمَ وَلَدَتْهُ أُمُّهٗ» .

''میں نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! مجھے وضو کے بارے میں خبر دیجیے۔آپ ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی جب وضوشروع کرتا ہے اور کلی کرتے ہوئے اپنے ناک میں پانی ڈالتا ہے اور جھاڑتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے منہ اور اس کے ناک سے گناہ جھڑ جاتے ہیں۔پھر وہ اللہ کے حکم کے مطابق چہرہ دھوتا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ پانی کے ساتھ اس کی ڈاڑھی کے اطراف سے گر جاتے ہیں۔پھر وہ کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو اس کی انگلیوں کے کناروں سے اس کے ہاتھوں کے گناہ گر جاتے ہیں۔پھر وہ سر کا مسح کرتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے سر کے گناہ بالوں کے کناروں سے گر جاتے ہیں۔ پھر جب وہ اللہ کے حکم کے مطابق ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں دھوتا ہے تو اس کے پاؤں کے گناہ پانی کے ساتھ پاؤں کی انگلیوں کے کناروں سے گر جاتے ہیں۔پھر وہ کھڑا ہوتا ہے، اللہ کی شان کے لائق اس کی حمد و ثنا کرتا ہے، پھر دو رکعتیں ادا کرتا ہے تو اس کے (باقی ماندہ) گناہ (بھی) نکل جاتے ہیں، بالکل اس دن کی طرح، جس دن اس کی ماں نے اسے جنم دیا تھا۔''(مسند الإمام أحمد : 112/4، صحيح مسلم : 832، صحيح ابن خزيمة : 165)

اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں کے دھونے کا حکم دیا ہے۔وہ حکم کہاں ہے؟اسی آیتِ کریمہ ہی میں تو ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَفِي ذٰلِكَ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى أَمَرَ بِغَسْلِهِمَا .

''یہ حدیث بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وضو میں پاؤں کو دھونے کا حکم فرمایا ہے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي :68/1)

خاتمۃ المفسرین، حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں:

وَفِيهِ : «ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ، كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ»، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّ الْقُرْآنَ يَأْمُرُ بِالْغَسْلِ . ''اس حدیث میں مذکور ہے کہ پھر وضو کرنے والا اللہ کے حکم کے مطابق اپنے پاؤں کو دھوئے۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ کریم پاؤں کو دھونے کا حکم دیتا ہے۔''

(تفسیر القرآن العظیم : 495/2)

نبی اکرم ﷺ نے اپنے عمل مبارک سے بھی پاؤں کو دھونے ہی کی تعلیم دی ہے اور زندگی میں کبھی بھی ننگے پاؤں پر مسح نہیں فرمایا۔اس پر تفصیلی بات آئندہ صفحات میں ہوگی۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ ﴿وَارْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ میں ﴿وَارْجُلَكُمْ﴾ کو زبر کی بجائے زیر سے پڑھتے ہوئے اس کا عطف ﴿بِرُءُ وْسِكُمْ﴾ پر کریں گے اور جس طرح سر کا مسح کیا جاتا ہے، اسی طرح پاؤں پر بھی مسح کیا جائے گا، ان کا ردّ اس حدیث سے ہو جاتا ہے۔

زبر پڑھیں یا زیر، دونوں قراءتیں صحیح ہیں، لیکن دونوں صورتوں میں معنیٰ پاؤں کو دھونے ہی کا ہوگا، کیونکہ نبی اکرم ﷺ نے امت کے لیے یہ بیان کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پاؤں کو دھونے کا حکم فرمایا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے اپنے فعل مبارک سے بھی یہی ثابت کیا ہے۔حدیث ہی قرآن کی سب سے معتبر تفسیر وتشریح ہے۔

علامہ ماوردی (364-450ھ) لکھتے ہیں:

غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ فِي الْوُضُوءِ مُجْمَعٌ عَلَيْهِ بِنَصِّ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ، وَفَرْضُهَا عِنْدَ كَافَّةِ الْفُقَهَاءِ الْغَسْلُ دُونَ الْمَسْحِ .

''وضو میں پاؤں کو دھونا کتاب وسنت کی نصوص سے ثابت ہے اور اس پر اجماع ہے۔ تمام فقہاء کرام کے نزدیک پاؤں کا فرض ان کو دھونا ہے، نہ کہ ان کا مسح کرنا۔''

(الحاوي الكبير : 148/1)

علامہ کاسانی، حنفی (م : 587ھ) لکھتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غَسَلَ رِجْلَيْهِ فِي

الْوُضُوءِ، لَا يَجْحَدُهُ مُسْلِمٌ، فَكَانَ قَوْلُهُ وَفِعْلُهُ بَيَانَ الْمُرَادِ بِالْآيَةِ .

''یہ بات تواتر سے ثابت ہو چکی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے وضو میں اپنے پاؤں مبارک دھوئے۔کوئی مسلمان اس کا انکار نہیں کرسکتا۔چنانچہ نبی اکرم ﷺ کا قول وفعل،قرآنِ کریم کی آیت مبارکہ کی تفسیر ہے۔''(بدائع الصنائع :6/1)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں :

هٰذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ دَالَّةٌ عَلٰى وُجُوبِ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، مَعَ مَا ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ مِنْ فِعْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، عَلٰى وَفْقِ مَا دَلَّتْ هٰذِهِ الْآيَةُ الْكَرِيمَةُ، وَهُمْ مُّخَالِفُونَ لِذٰلِكَ كُلِّهِ، وَلَيْسَ لَهُمْ دَلِيلٌ صَحِيحٌ فِي نَفْسِ الْأَمْرِ، وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ . ''یہ آیتِ کریمہ وضو میں پاؤں دھونے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، پھر تواتر کے ساتھ اس آیتِ کریمہ کے موافق رسولِ اکرم ﷺ کا فعل مبارک بھی ثابت ہو گیا ہے۔رافضی لوگ ان سب دلائل کی مخالفت کرتے ہیں، حالانکہ ان کے پاس اس مسئلے میں کوئی بھی صحیح دلیل نہیں، وللہ الحمد!۔''(تفسير ابن كثير : 497/2)

شارحِ صحیح بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْأَخْبَارُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي صِفَةِ وُضُوئِهٖ، أَنَّهٗ غَسَلَ رِجْلَيْهِ، وَهُوَ الْمُبَيِّنُ لِأَمْرِ اللّٰهِ، وَقَدْ قَالَ فِي حَدِيثِ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ، الَّذِي رَوَاهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ وَغَيْرُهٗ مُطَوَّلًا فِي فَضْلِ الْوُضُوءِ : «ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ، كَمَا أَمَرَهُ اللّٰهُ» . ''وضو کے بیان میں نبی اکرم ﷺ سے متواتر احادیث مروی ہیں کہ آپ ﷺ نے اپنے دونوں پاؤں دھوئے۔آپ ﷺ ہی حکم الٰہی کی وضاحت کرتے ہیں۔سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ لمبی حدیث، جسے امام ابن خزیمہ وغیرہ نے وضو کی فضیلت میں بیان کیا ہے،اس میں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوئے، جیسا کہ اسے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔''(فتح الباري :266/1)

زبر والی قراءت!

عکرمہ رحمہ اللہ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّهُ قَرَأَ : ﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ ، يَعْنِي : رَجَعَ الْأَمْرُ إِلَى الْغَسْلِ .

''انہوں نے زبر کے ساتھ پڑھا،یعنی اس آیت میں پاؤں کو دھونے کا حکم ہے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 19/1 ، وسندهٗ صحيحٌ)

امام مجاہد تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: رَجَعَ الْقُرْآنُ إِلَى الْغَسْلِ ، وَقَرَأَ : ﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ ، وَنَصَبَهَا . ''قرآنِ کریم کا حکم دھونے کی طرف لوٹتا ہے، انہوں نے نصب کے ساتھ پڑھا۔''(شرح معاني الآثار للطحاوي : 40/1 ، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ضحاک بن مزاحم تابعی رحمہ اللہ نے اس آیتِ کریمہ کو زبر کے ساتھ پڑھا اور فرمایا:

اِغْسِلُوهَا غَسْلًا . ''پاؤں کو اچھی طرح دھوؤ۔''

(تفسير الطبري : 194/8 ، وسندهٗ صحيحٌ)

عروہ بن زبیر تابعی رحمہ اللہ سے مروی ہے:

إِنَّهُ قَرَأَهَا بِذٰلِكَ ﴿وَأَرْجُلَكُمْ﴾ ، وَقَالَ : عَادَ إِلَى الْغَسْلِ .

''انہوں نے زبر کے ساتھ پڑھا اور فرمایا: اس کا عطف دھونے پر ہے۔''

(الطهور للإمام القاسم بن سلّام : 359 ، وسندهٗ صحيحٌ)

امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اسے زبر کے ساتھ پڑھنا ہے یا زیر کے ساتھ؟ تو فرمایا:

إِنَّمَا هُوَ الْغَسْلُ ، وَلَيْسَ بِالْمَسْحِ ، لَا تُمْسَحُ الْأَرْجُلُ ، إِنَّمَا تُغْسَلُ .

''جیسے بھی پڑھا جائے، مراد دھونا ہی ہے، مسح کرنا نہیں۔ پاؤں پر مسح نہیں ہوگا، بلکہ ان کو دھویا ہی جائے گا۔'' پھر آپ سے پوچھا گیا کہ جو پاؤں پر مسح کر لے، کیا اس کا وضو ہو جائے گا؟ تو فرمایا: نہیں۔(تفسير الطبري : 194/8 ، وسندهٗ صحيحٌ)

مقرئ مدینہ، تلمیذ نافع، مشہور مجود و نحوی، عیسیٰ بن میناء، قالون رحمہ اللہ کہتے ہیں:

قَرَأْتُ عَلٰى نَافِعِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ أَبِي نُعَيْمٍ الْقَارِئِ هٰذِهِ الْقِرَاءَ ةَ

غَيْرَ مَرَّةٍ، نَذْكُرُ فِيهَا : ﴿بِرُءُ وسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ﴾ مَفْتُوحَةً .

''میں نے امام و قاری، نافع بن عبد الرحمٰن بن ابونعیم کے پاس کئی مرتبہ یہ قراءت پڑھی۔ہم اس میں زبر کے ساتھ یوں پڑھتے تھے: ﴿بِرُءُ وسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ﴾ .

(السنن الكبرٰی للبیھقي :71/1، وسندہٗ حسنٌ)

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَنَحْنُ نَقْرَأُهَا : ﴿بِرُءُ وسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ﴾ عَلٰى مَعْنٰى : اغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ، وَأَيْدِيَكُمْ، وَأَرْجُلَكُمْ، وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ .

''ہم اسے زبر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور معنیٰ یہ ہوتا ہے کہ اپنے چہروں، ہاتھوں اور پاؤں کو دھوؤ اور سروں کا مسح کرو۔'' (کتاب الأمّ :42/1)

امام، اسماعیل بن عبدالرحمٰن، سدی کبیر رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فَيَقُولُ : اغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ، وَاغْسِلُوا أَرْجُلَكُمْ، وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ، فَهٰذَا مِنَ التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ . ''اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اپنے چہروں اور پاؤں کو دھوؤ اور اپنے سروں کا مسح کرو۔ یہ تقدیم و تاخیر کے قبیل سے ہے۔''

(تفسير الطبري : 192/8، وسندہٗ حسنٌ)

امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَبِالْقِرَاءَ ةِ الْأُولٰى نَقْرَأُهَا ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾، وَالدَّلِيلُ عَلٰى صِحَّةِ هٰذِهِ الْقِرَاءَ ةِ الْأَخْبَارُ الثَّابِتَةُ عَنْ نَّبِيِّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، الدَّالَّةُ عَلٰى ذٰلِكَ، وَهُوَ أَنَّهٗ غَسَلَ رِجْلَيْهِ، وَفِي غَسْلِهِ رِجْلَيْهِ دَلِيلٌ عَلٰى صِحَّةِ مَا قُلْنَا، لِأَنَّهُ الْمُبِينُ عَنِ اللّٰهِ، وَعَنْ مَعْنٰى مَا أَرَادَ بِقَوْلِهِ : ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ . ''ہم پہلی (زبر والی) قراءت کے ساتھ ہی پڑھتے ہیں۔اس قراءت کے صحیح ہونے کی دلیل اللہ کے نبی ﷺ سے ثابت شدہ وہ احادیث ہیں، جن میں آپ ﷺ کے پاؤں دھونے کا ذکر ہے۔آپ ﷺ کا پاؤں دھونا ہمارے موقف کے صحیح ہونے کی بھی دلیل ہے، کیونکہ آپ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے وضاحت کرنے والے ہیں اور آپ ﷺ ہی اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کی مراد بتانے والے ہیں۔''

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف :412/1)

سنی امام، ابوجعفر، محمد بن جریر، طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) فرماتے ہیں:

اِخْتَلَفَتِ الْقُرَّاءُ فِي قِرَاءَ ةِ ذٰلِكَ، فَقَرَأَهُ جَمَاعَةٌ مِّنْ قُرَّاءِ الْحِجَازِ وَالْعِرَاقِ : ﴿وَاَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ نَصْبًا، فَتَأْوِيلُهُ : إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ، فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ، وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ، وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَامْسَحُوا بِرُءُ وسِكُمْ، وَإِذَا قُرِئَ كَذٰلِكَ، كَانَ مِنَ الْمُؤَخَّرِ الَّذِي مَعْنَاهُ التَّقْدِيمُ، وَتَكُونُ الْأَرْجُلُ مَنْصُوبَةً عَطْفًا عَلَى الْأَيْدِي، وَتَأَوَّلَ قَارِءُ وا ذٰلِكَ كَذٰلِكَ : أَنَّ اللّٰهَ جَلَّ ثَنَاؤُهُ إِنَّمَا أَمَرَ عِبَادَهُ بِغُسْلِ الْأَرْجُلِ، دُونَ الْمَسْحِ بِهَا .

''قراءِ کرام اس مقام کی قراءت میں مختلف ہوئے ہیں۔ حجاز اور عراق کے قرائے کرام کی ایک جماعت نے اسے نصب کے ساتھ پڑھا ہے۔ اس کی تفسیر یہ ہوگی کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو پہلے اپنے چہروں، کہنیوں سمیت ہاتھوں اور ٹخنوں سمیت پاؤں کو دھولو، نیز اپنے سروں کا مسح کرلو۔ جب اسے نصب کے ساتھ پڑھا جائے گا تو یہ لفظاً مؤخر اور معناً مقدم ہوگا۔ [أَيْدِي] (ہاتھوں) پر عطف کی بنا پر [أَرْجُل] (پاؤں) کو منصوب پڑھا جائے گا۔ زبر کے ساتھ پڑھنے والوں نے تفسیر یہ کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وضو میں پاؤں کو دھونے کا حکم فرمایا ہے، مسح کا نہیں۔'' (تفسير الطبري : 188/8)

زیر والی قراءت اور اس کی صحیح تفسیر

زیر والی قراءت بھی اگرچہ ثابت ہے، لیکن اس سے بھی پاؤں دھونے کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ اس کی صحیح تفسیر بھی پاؤں کو دھونے ہی کی ہے، جیسا کہ:

صحابیٔ رسول، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نَزَلَ الْقُرْآنُ بِالْمَسْحِ، وَالسُّنَّةُ الْغُسْلُ . ''قرآن تو مسح کے الفاظ میں نازل ہوا اور سنت پاؤں کو دھونا ہے۔'' (تفسير الطبري : 195/8، وسندهٗ حسنٌ)

مراد یہ ہے کہ قرآنِ کریم میں سر کے مسح پر عطف کرتے ہوئے ﴿وَاَرْجُلِكُمْ﴾ کہا گیا، یعنی پاؤں پر مسح کا حکم دیا گیا، لیکن اس مسح کا صحیح معنیٰ دھونا ہے، جیسا کہ قولی و فعلی

صورت میں نبی اکرم ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔

مسح کا معنیٰ دھونا کیسے ہوسکتا ہے؟ عربی زبان میں مسح دھونے کے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے۔ عربی دان لوگ اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ نزّال بن سبرہ تابعی رحمہ اللہ کی بیان کردہ ایک صحیح حدیث، جو ہم آئندہ صفحات میں ذکر کریں گے، میں مسح دھونے کے معنیٰ میں مستعمل ہے، نیز خود اس قول کے قائل، سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا عمل یہی بتاتا ہے، جیسا کہ:

❀ مشہور تابعی، حُمَید طویل بیان کرتے ہیں: إِنَّ أَنَسًا كَانَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ وَرِجْلَيْهِ، حَتّٰى يَسِيلَ الْمَاءُ. ''سیدنا انس رضی اللہ عنہ اپنے پاؤں کو اتنا دھوتے کہ پانی بہنے لگتا۔'' (مصنف ابن أبي شيبة: 18/1، الأوسط لابن المنذر: 414/1، وسندهٗ صحيحٌ)

❀ نیز حمید طویل یہ بھی بیان کرتے ہیں:

قَالَ مُوسَى بْنُ أَنَسٍ لِّأَنَسٍ، وَنَحْنُ عِنْدَهٗ: يَا أَبَا حَمْزَةَ! إِنَّ الْحَجَّاجَ خَطَبَنَا بِالْأَهْوَازِ، وَنَحْنُ مَعَهٗ، فَذَكَرَ الطُّهُورَ، فَقَالَ: اغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلِكُمْ، وَإِنَّهٗ لَيْسَ شَيْءٌ مِّنِ ابْنِ آدَمَ أَقْرَبَ إِلٰى خَبَثِهٖ مِنْ قَدَمَيْهِ، فَاغْسِلُوا بُطُونَهُمَا وَظُهُورَهُمَا وَعَرَاقِيبَهُمَا، فَقَالَ أَنَسٌ: صَدَقَ اللّٰهُ، وَكَذَبَ الْحَجَّاجُ، قَالَ اللّٰهُ: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾، قَالَ: وَكَانَ أَنَسٌ إِذَا مَسَحَ قَدَمَيْهِ بَلَّهُمَا.

''ہم سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے پاس تھے تو ان کے بیٹے موسیٰ بن انس نے ان سے کہا: اے ابوحمزہ! ہم حجاج کے ساتھ اہواز میں تھے، اس نے ہمیں خطبہ دیا اور طہارت کا ذکر کرتے ہوئے کہا: تم اپنے چہروں اور ہاتھوں کو دھوؤ اور اپنے سروں اور پاؤں کا مسح کرو۔ ابن آدم کے پاؤں سے زیادہ اس کی کوئی چیز اس کی خباثت کے قریب نہیں، لہٰذا تم اپنے پاؤں کی نچلی طرف، اوپر والی جانب اور ان کی ایڑھیاں اچھی طرح دھوؤ۔ یہ سن کر سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے، جبکہ حجاج نے جھوٹ بولا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو اتنا فرمایا ہے کہ: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾ (تم اپنے سروں اور پاؤں کا مسح

کرو)۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ جب بھی اپنے پاؤں پر مسح کرتے تو انہیں بھگو لیتے۔''

(تفسير الطبري : 195/8، وسندهٗ صحيحٌ)

معلوم ہوا کہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک مسح والے قرآنی حکم سے مراد دھونا ہے،اسی لیے تو وہ خود اللہ کے حکم کو سنتِ نبوی کی روشنی میں بجا لاتے ہوئے اپنے پاؤں کو دھوتے تھے۔

رہی بات حجاج کو جھوٹا کہنے کی تو سیدنا انس رضی اللہ عنہ نے اسے پاؤں دھونے کا حکم دینے کی بنا پر جھوٹا نہیں کہا، بلکہ اس کی اس خود ساختہ دلیل کو جھوٹ قرار دیا کہ انسان کے پاؤں اس کی نجاست کے زیادہ قریب ہوتے ہیں۔۔۔اگر سیدنا انس رضی اللہ عنہ کے نزدیک پاؤں کو دھونا جھوٹ ہوتا تو وہ خود پاؤں کو کیوں دھوتے؟اور اسے سنتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کیوں کہتے؟

امام ابن منذر رحمہ اللہ زیر والی قراءت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَقَدْ زَعَمَ بَعْضُ أَهْلِ الْعِلْمِ أَنْ لَّيْسَ فِي قِرَاءَةِ مَنْ قَرَأَ ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ عَلَى الْخَفْضِ، مَا يُوجِبُ الْمَسْحَ دُونَ الْغَسْلِ، لِأَنَّ الْعَرَبَ رُبَّمَا نَسَقَتِ الْحَرْفَ عَلٰى طَرِيقَةِ الْمُجَاوِرِ لَهٗ، قَالَ الْأَعْشٰى :

لَقَدْ كَانَ فِي حَوْلٍ ثَوَاءٍ ثَوَيْتُهٗ .... تُقَضِّي لُبَانَاتٍ وَّيَسْأَمُ سَائِمُ

قَالَ : فَخَفَضَ الثَّوَاءَ لِمُجَاوَرَتِهِ الْحَوْلَ، وَهُوَ فِي مَوْضِعِ رَفْعٍ، قَالَ : وَلُغَةٌ مَّعْرُوفَةٌ لِتَمِيمٍ قَوْلُهُمْ [جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ]، قَالَ : وَالْخَرِبُ صِفَةٌ لِلْجُحْرِ، فَخَفَضُوهُ لِمُجَاوَرَتِهِ الضَّبَّ، قَالَ أَبُو بَكْرٍ : وَغَسْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجْلَيْهِ، وَقَوْلُهٗ : «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»، كِفَايَةٌ لِّمَنْ وَفَّقَهُ اللّٰهُ لِلصَّوَابِ، وَدَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الَّذِي يَجِبُ غَسْلُ الْقَدَمَيْنِ، لَا الْمَسْحُ عَلَيْهِمَا، لِأَنَّهُ الْمُبِينُ عَنِ اللّٰهِ مَعْنٰى مَا أَرَادَ مِمَّا فَرَضَ فِي كِتَابِهٖ .

''بعض اہل علم نے بتایا ہے کہ جر(زیر) کے ساتھ پڑھنے میں بھی کوئی ایسی دلیل نہیں جو دھونے کی بجائے مسح کو ضروری قرار دے، کیونکہ عرب لوگ کبھی کبھی قریبی لفظ کی بنا پر اعراب دے دیتے ہیں، جیسے شاعر اعشیٰ نے کہا ہے:

لَقَدْ كَانَ فِي حَوْلٍ ثَوَاءٍ ثَوَيْتُهُ .... تُقَضِّي لُبَانَاتٍ وَّيَسْأَمُ سَائِمُ

یہاں شاعر نے ثواء کو حول کے قریب ہونے کی بنا پر جر(زیر) دے دی، حالانکہ وہ محل رفع میں تھا۔اسی طرح بنوتمیم کی معروف لغت ہے کہ: [جُحْرُ ضَبٍّ خَرِبٍ] اس جملے میں لفظ [خرب] لفظ [جُحر] کی صفت ہے، لیکن انہوں نے اسے لفظ [ضبّ] کے قریب ہونے کی بنا پر جر(زیر) دے دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اپنے پاؤں مبارک دھوئے اور فرمایا کہ خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی 'ویل' نامی وادی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے کی توفیق دی ہے، اس کے لیے یہی بات کافی ہے۔ یہ احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ وضو میں پاؤں کو دھونا ہی واجب ہے، مسح کرنا نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآنِ کریم میں فرض کی گئی چیز کی حقیقت بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئے تھے۔''

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف: 414/1)

محدثِ اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَإِنْ كَانَتْ قَدْ قُرِئَتْ: ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾، بِالْجَرِّ، فَذٰلِكَ مَعْطُوفٌ عَلَى اللَّفْظِ، دُونَ الْمَعْنٰى، وَالْمَعْنٰى فِيهِ الْغَسْلُ، عَلَى التَّقْدِيمِ وَالتَّأْخِيرِ، فَكَأَنَّهُ قَالَ عَزَّ وَجَلَّ: إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَامْسَحُوا بِرُؤُوسِكُمْ، وَالْقِرَائَتَانِ بِالنَّصْبِ وَالْجَرِّ صَحِيحَتَانِ مُسْتَفِيضَتَانِ، وَالْمَسْحُ ضِدُّ الْغَسْلِ، وَمُخَالِفٌ لَّهُ، وَغَيْرُ أَنْ تُبْطَلَ إِحْدَى الْقِرَاءَتَيْنِ بِالْأُخْرٰى، مَا وُجِدَ إِلٰى تَخْرِيجِ الْجَمْعِ بَيْنَهُمَا سَبِيلٌ، وَقَدْ وَجَدْنَا الْعَرَبَ تَخْفِضُ بِالْجِوَارِ،---، فَعَلٰى مَا ذَكَرْنَا تَكُونُ مَعْنَى الْقِرَائَةِ بِالْجَرِّ النَّصْبُ، وَيَكُونُ الْخَفْضُ عَلَى اللَّفْظِ لِلْمُجَاوِرَةِ، وَالْمَعْنَى الْغَسْلُ، وَقَدْ يُرَادُ بِلَفْظِ الْمَسْحِ الْغَسْلُ عِنْدَ الْعَرَبِ، مِنْ قَوْلِهِمْ: تَمَسَّحْتُ لِلصَّلَاةِ، وَالْمُرَادُ الْغَسْلُ، وَيُشِيرُ إِلٰى هٰذَا التَّأْوِيلِ كُلِّهٖ قَوْلُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ».

''اگرچہ اسے زیر کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے،لیکن یہ لفظ پر عطف ہے، معنیٰ پر نہیں۔ یہ تقدیم و تاخیر کے قبیل سے ہے اور اس کا معنیٰ دھونا ہی ہے۔اللہ تعالیٰ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں، کہنیوں سمیت اپنے ہاتھوں اور ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں کو دھو لو اور اپنے سروں کا مسح کر لو۔نصب (زبر) اور جر (زیر) کے ساتھ دونوں قراءتیں صحیح اور مشہور ہیں۔(ظاہری طور پر اگرچہ) مسح دھونے کی ضد اور اس کے خلاف ہے،لیکن دونوں قراءتوں میں ایک کو باطل کہنا اس وقت تک جائز نہیں، جب تک دونوں کی مطابقت و موافقت کا کوئی راستہ ہو۔ہم نے دیکھا ہے کہ عرب لوگ قرب کی بنا پر جر (زیر) دے دیتے ہیں۔۔۔ہمارے بیان کے مطابق جر (زیر) والی قراءت کا معنیٰ نصب (زبر) والا ہی ہے، جبکہ جر (زیر) صرف قرب کی وجہ سے لفظی طور پر ہے، چنانچہ اس کا معنیٰ دھونا ہی ہے۔پھر کبھی عرب لوگ مسح کا لفظ دھونے پر بول دیتے ہیں، جیسا کہ عرب کہتے ہیں :[تَمَسَّحْتُ لِلصَّلَاةِ] (میں نے نماز کے لیے مسح کیا) اور مراد (وضو میں اعضاء کو) دھونا ہوتا ہے۔اسی معنیٰ کی طرف نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان اشارہ کرتا ہے: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» (خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے)۔''

(التمهيد لما في المؤطّإ من المعاني والأسانيد : 255,254/24)

علامہ، محمد بن علی بن محمد، ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں :

وَلَفْظُ الْآيَةِ لَا يُخَالِفُ مَا تَوَاتَرَ مِنَ السُّنَّةِ، فَإِنَّ الْمَسْحَ كَمَا يُطْلَقُ وَيُرَادُ بِهِ الْإِصَابَةُ، كَذٰلِكَ يُطْلَقُ وَيُرَادُ بِهِ الْإِسَالَةُ، كَمَا تَقُولُ (الْعَرَبُ) : تَمَسَّحْتُ لِلصَّلَاةِ، وَفِي الْآيَةِ مَا يَدُلُّ عَلٰى أَنَّهٗ لَمْ يُرِدْ بِمَسْحِ الرِّجْلَيْنِ الْمَسْحَ الَّذِي هُوَ قَسِيمُ الْغَسْلِ، بَلِ الْمَسْحَ الَّذِي الْغَسْلُ قِسْمٌ مِّنْهُ، فَإِنَّهٗ قَالَ : ﴿إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾، وَلَمْ يَقُلْ : إِلَى الْكِعَابِ، كَمَا قَالَ : ﴿إِلَى الْمَرَافِقِ﴾، فَدَلَّ عَلٰى أَنَّهٗ لَيْسَ فِي كُلِّ رِجْلٍ كَعْبٌ وَّاحِدٌ، كَمَا فِي كُلِّ يَدٍ مِّرْفَقٌ وَّاحِدٌ، بَلْ فِي كُلِّ رِجْلٍ كَعْبَانِ، فَيَكُونُ تَعَالٰى قَدْ أَمَرَ بِالْمَسْحِ إِلَى

الْعَظْمَيْنِ النَّاتِئَيْنِ، وَهٰذَا هُوَ الْغَسْلُ، فَإِنَّ مَنْ يَّمْسَحُ الْمَسْحَ الْخَاصَّ يَجْعَلُ الْمَسْحَ لِظُهُورِ الْقَدَمَيْنِ، وَجَعْلُ الْكَعْبَيْنِ فِي الْآيَةِ غَايَةً يَّرُدُّ قَوْلَهُمْ، فَدَعْوَاهُمْ أَنَّ الْفَرْضَ مَسْحُ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، اللَّذَيْنِ هُمَا مُجْتَمَعُ السَّاقِ وَالْقَدَمِ، عِنْدَ مَعْقِدِ الشِّرَاكِ، مَرْدُودٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ،۔۔۔، فَالسُّنَّةُ الْمُتَوَاتِرَةُ تَقْضِي عَلٰى مَا يَفْهَمُهٗ بَعْضُ النَّاسِ مِنْ ظَاهِرِ الْقُرْآنِ، فَإِنَّ الرَّسُولَ بَيَّنَ لِلنَّاسِ لَفْظَ الْقُرْآنِ وَمَعْنَاهُ‌رضی اللہ عنہ

''(زیر والی قراءت کے ساتھ بھی) آیتِ کریمہ کے الفاظ متواتر سنت (وضو میں پاؤں کو دھونے) کے خلاف نہیں، کیونکہ جس طرح مسح سے مراد ہاتھ لگانا ہے،اسی طرح مسح سے مراد پانی بہانا بھی ہے۔اس سلسلے میں عربوں کا یہ قول دلیل ہے کہ [تَمَسَّحْتُ لِلصَّلَاةِ] میں نے نماز کے لیے وضو کیا۔اس آیتِ کریمہ میں وہ قرینہ موجود ہیں جو بتاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مراد وہ مسح نہیں جو دھونے کے برعکس ہے، بلکہ وہ مسح مراد ہے جس کی ایک قسم دھونا ہے۔اللہ تعالیٰ نے﴿إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾([تثنیہ کے صیغے کے ساتھ] دونوں ٹخنوں تک)فرمایا ہے،إِلَى الْكِعَابِ([جمع کے صیغے کے ساتھ]ٹخنوں تک)نہیں فرمایا۔جبکہ ہاتھوں کے بارے میں ([جمع کے صیغے کے ساتھ] کہنیوں تک)فرمایا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح ہر ہاتھ میں ایک کہنی ہوتی ہے،اس طرح ہر پاؤں میں ایک ٹخنہ نہیں ہوتا، بلکہ ہر پاؤں میں دو ٹخنے ہوتے ہیں۔یوں اللہ تعالیٰ نے دو ابھری ہوئی ہڈیوں تک مسح کا حکم دیا ہے اور یہ دھونے ہی سے ممکن ہے،کیونکہ خاص (خشک) مسح تو پاؤں کی اوپر والی جانب ہی ہوتا ہے۔اس آیت میں دونوں ٹخنوں تک مسح کا حکم رافضیوں کے دعوے کا ردّ کرتا ہے۔ان کا دعویٰ یہ ہے کہ ان دوٹخنوں تک پاؤں کا مسح فرض ہے جوتسمہ باندھنے کے مقام کے پاس پاؤں اور پنڈلی کے ملنے کی جگہ پر ہوتے ہیں،لیکن ان کا یہ دعویٰ کتاب و سنت کے دلائل کی روشنی میں مردود ہے۔۔۔ یوں سنتِ متواترہ اس مفہوم کو غلط قرار دیتی ہے جسے بعض لوگ قرآنِ کریم کے ظاہری الفاظ سے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

نے لوگوں کو قرآنِ کریم کے الفاظ بھی بتائے ہیں اور ان کا معنیٰ بھی بیان فرمایا ہے۔''

(شرح العقيدة الطحاويّة، ص : 387,386)

مشہور امامِ لغت و ادب، محمد بن احمد بن ازہری (282-370ھ) لکھتے ہیں :

وَهِيَ أَجْوَدُ الْقِرَاءَ تَيْنِ، لِمُوَافَقَتِهَا الْأَخْبَارَ الصَّحِيحَةَ عَنِ النَّبِيِّ، عَلَيْهِ السَّلَامُ، فِي غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَمَنْ قَرَأَ ﴿وَارْجُلِكُمْ﴾ عَطَفَهَا عَلٰى قَوْلِهٖ : ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ﴾، وَبَيَّنَتِ السُّنَّةُ أَنَّ الْمُرَادَ بِمَسْحِ الْأَرْجُلِ غَسْلُهَا، وَذٰلِكَ أَنَّ الْمَسْحَ فِي كَلَامِ الْعَرَبِ يَكُونُ غَسْلًا، وَيَكُونُ مَسْحًا بِالْيَدِ، وَالْأَخْبَارُ جَاءَ تْ بِغَسْلِ الْأَرْجُلِ وَمَسْحِ الرُّؤُوسِ، وَمَنْ جَعَلَ مَسْحَ الْأَرْجُلِ كَمَسْحِ الرُّؤُوسِ، خُطُوطًا بِالْأَصَابِعِ، فَقَدْ خَالَفَ مَا صَحَّ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ، صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَنَّهٗ قَالَ : «وَيلٌ لِّلْعَرَاقِيبِ مِنَ النَّارِ» .

''یہ (فتح والی قراءت) عمدہ ترین قراءت ہے، کیونکہ یہ نبی اکرم ﷺ سے وضو میں پاؤں دھونے کے بارے میں مروی صحیح روایات کے موافق ہے۔جس نے اسے زیر کے ساتھ پڑھا ہے،اس نے اسے سر کے مسح پر عطف کیا ہے۔سنتِ نبوی میں اس کی مراد پاؤں کو دھونے سے بیان کی گئی ہے، کیونکہ کلامِ عرب میں جس طرح مسح ہاتھ پھیرنے کے معنیٰ میں آتا ہے،اسی طرح دھونے کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہے۔نبی اکرم ﷺ سے سر پر مسح کرنے اور پاؤں کو دھونے کی احادیث ثابت ہیں۔لہٰذا جو شخص پاؤں پر بھی سر کی طرح انگلیوں سے خطوط کھینچ کر مسح کرتا ہے،وہ رسولِ اکرم ﷺ کے اس صحیح فرمانِ مبارک کی مخالفت کرتا ہے کہ : خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے۔''

(معاني القراء ات : 326/1)

حافظ، اسماعیل بن عمر، ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں :

وَهٰذِهٖ قِرَائَةٌ ظَاهِرَةٌ فِي وُجُوبِ الْغَسْلِ، كَمَا قَالَ السَّلَفُ .

''سلف کے مطابق یہ قراءت پاؤں دھونے کے وجوب میں بالکل واضح ہے۔''

(تفسير القرآن العظيم : 490/2)

مشہور شارحِ حدیث، علامہ طیبی رحمہ اللہ (م:743ھ) فرماتے ہیں:

ذَهَبَ الشِّيعَةُ إِلٰى أَنَّهٗ يُمْسَحُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ، لِقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾ عَلٰى قِرَاءَةِ الْجَرِّ، فَإِنَّهٗ تَعَالٰى عَطَفَ الرِّجْلَ عَلَى الرَّأْسِ، وَالرَّأْسُ يُمْسَحُ، فَكَذَا الرِّجْلُ، قُلْنَا: وَقَدْ قُرِئَ بِالنَّصْبِ، عَطْفًا عَلٰى قَوْلِهٖ: ﴿وَاَيْدِيَكُمْ﴾، وَإِذَا ذُهِبَ إِلَى الْمَسْحِ يَبْقٰى مُقْتَضَى النَّصِّ غَيْرَ مَعْمُولٍ بِهٖ، بِخِلَافِ الْعَكْسِ، فَإِنَّ الْمَسْحَ مَغْمُورٌ بِالْغَسْلِ، عَلٰى أَنَّ الْأَحَادِيثَ الصَّحِيحَةَ تَوَاتَرَتْ، مُعَاضِدَةً لِّقِرَاءَةِ النَّصْبِ، فَوَجَبَ تَأْوِيلُ الْقِرَاءَةِ بِالْكَسْرِ، وَفِيهِ وُجُوهٌ؛ أَحَدُهَا الْعَطْفُ عَلَى الْجِوَارِ، كَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴾(ھود 11 : 26)، وَالْأَلِيمُ صِفَةُ الْعَذَابِ، فَأَخَذَ إِعْرَابَ الْيَوْمِ لِلْمُجَاوَرَةِ، وَقَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾(ھود 11: 84)، -----، وَالثَّانِي الِاسْتِغْنَاءُ بِأَحَدِ الْفِعْلَيْنِ عَنِ الْآخَرِ، وَالْعَرَبُ إِذَا اجْتَمَعَ فِعْلَانِ مُتَقَارِبَانِ فِي الْمَعْنٰى، وَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مُتَعَلِّقٌ، جَوَّزَتْ ذِكْرَ أَحَدِ الْفِعْلَيْنِ، وَعَطْفَ مُتَعَلِّقِ الْمَحْذُوفِ عَلٰى مُتَعَلِّقِ الْمَذْكُورِ، عَلٰى حَسَبِ مَا يَقْتَضِيهِ لَفْظُهٗ، حَتّٰى كَأَنَّهٗ شَرِيكُهٗ فِي أَصْلِ الْفِعْلِ، كَمَا قَالَ الشَّاعِرُ:

يَا لَيْتَ! بَعْلُكَ قَدْ غَدَا .... مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّرُمْحًا

وَكَقَوْلِ الْآخَرِ: ....، عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءًا بَارِدًا، تَقْدِيرُهٗ: عَلَّفْتُهَا تِبْنًا، وَسَقَيْتُهَا مَاءًا بَارِدًا، وَمُتَقَلِّدًا سَيْفًا، وَحَامِلًا رُمْحًا، وَالثَّالِثُ قَوْلُ الزَّجَّاجِ: يَجُوزُ ﴿اَرْجُلِكُمْ﴾ بِالْخَفْضِ، عَلٰى مَعْنٰى: فَاغْسِلُوا، لِأَنَّ قَوْلَهٗ تَعَالٰى: ﴿اِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ قَدْ دَلَّ عَلَيْهِ، لِأَنَّ التَّحْدِيدَ يُفِيدُ الْغَسْلَ، كَمَا فِي قَوْلِهٖ تَعَالٰى: ﴿اِلَى الْمَرَافِقِ﴾، وَلَوْ أُرِيدَ الْمَسْحُ لَمْ يَحْتَجْ إِلَى التَّحْدِيدِ، كَمَا فِي قَوْلِهٖ: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ﴾ مِنْ غَيْرِ تَحْدِيدٍ، وَيُطْلَقُ الْمَسْحُ عَلَى الْغَسْلِ.

''رافضی شیعوں کا مذہب ہے کہ وضو میں پاؤں پر مسح کیا جائے گا۔دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے : ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلِكُمْ﴾۔ان کا کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے [رجل](پاؤں) کا عطف [راس](سر) پر کیا ہے۔لہٰذا جس طرح سر کا مسح کیا جاتا ہے، اسی طرح پاؤں کا بھی مسح کیا جائے گا۔ہم کہتے ہیں کہ اسے [ایدی](ہاتھوں)پر عطف کرتے ہوئے نصب (زبر)کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے۔جب مسح کرنے کا مذہب اپنایا جائے گا تو فرمانِ باری تعالیٰ کا تقاضا پورا نہیں ہو سکے گا۔اس کے برعکس اگر دھویا جائے گا تو مسح پر بھی عمل ہو جائے گا۔پھر متواتر صحیح احادیث بھی نصب (زبر)والی قراءت کی تائید کرتی ہیں۔لہٰذا کسرہ(زیر)والی قراءت کی تاویل کرنا ضروری ہے۔اس کی کئی صورتیں ہیں: ایک تو یہ کہ زیر کو جوار(قریبی لفظ) کی بنا پر تسلیم کیا جائے،جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ﴾(هود 11 : 26)، یہاں پر لفظ [الیم]،لفظ[عذاب] کی صفت ہے،لیکن قرب کی بنا پر اس نے [الیم] کا اعراب لے لیا۔اسی طرح فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴾(هود 11: 84) ،اس میں لفظ [محیط]،لفظ[عذاب] کی صفت ہے،(لیکن اس نے قرب کی وجہ سے [یوم] کا اعراب قبول کر لیا)۔۔۔دوسری صورت یہ ہے کہ دو فعلوں میں سے ایک کو حذف مان کر دوسرے پر اکتفا تسلیم کیا جائے۔عرب لوگ ایسا کرتے رہتے ہیں کہ جب دو فعل قریب المعنیٰ ہوں اور دونوں کے متعلق موجود ہوں تو الفاظ کے تقاضے کے مطابق وہ ان میں سے ایک کو حذف کر کے محذوف کے متعلق کو مذکور کے متعلق پر عطف کرنا جائز قرار دیتے ہیں۔ایسی صورتوں میں یوں محسوس ہوتا ہے کہ دوسرا متعلق بھی پہلے متعلق کے ساتھ اصل فعل میں شریک تھا۔اس کی مثال شاعر کا یہ قول ہے :

يَا لَيْتَ ! بَعْلُكَ قَدْ غَدَا .... مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّرُمْحًا

ایک دوسرے شاعر نے کہا ہے: عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّمَاءًا بَارِدًا .

دوسری عبارت اصل میں یوں تھی : عَلَّفْتُهَا تِبْنًا وَّسَقَيْتُهَا مَاءًا بَارِدًا . جبکہ پہلی عبارت اصل میں یوں تھی :مُتَقَلِّدًا سَيْفًا وَّحَامِلًا رُمْحًا ۔(اسی طرح اس آیتِ کریمہ

کی اصل عبارت یوں ہو گی کہ اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ)۔
تیسری صورت علامہ زجّاج نے بیان کی ہے کہ زیر کے ساتھ پڑھنے پر یہاں دھونے کا معنیٰ ہو گا، کیونکہ 'ٹخنوں سمیت' کی قید اس پر دلالت کرتی ہے۔جس طرح ہاتھوں میں 'کہنیوں سمیت' کی قید ہے اور وہ دھوئے جاتے ہیں، اسی طرح پاؤں میں بھی 'ٹخنوں سمیت' کی قید ہے، لہٰذا انہیں بھی دھویا جائے گا۔اگر پاؤں کا مسح ہی مراد ہوتا تو کسی قید کی ضرورت نہیں تھی، جیسا کہ سر پر مسح کرنے میں کوئی قید ذکر نہیں کی گئی۔دوسری بات یہ ہے کہ مسح کا لفظ دھونے پر بھی بولا جاتا ہے۔''(مرعاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح : 97/2)

حدیثی دلائل

ہم قرآنی دلیل کے ضمن میں صحابیٔ رسول سیدنا عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ یہ حدیث بیان کر چکے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں کو دھونے کا حکم دیا اور اسے اللہ تعالیٰ کا حکم قرار دیا۔

آیئے اس حوالے سے مزید احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ملاحظہ فرمائیں :

① سیدنا عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

تَخَلَّفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنَّا فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا وَقَدْ أَرْهَقْنَا الْعَصْرَ، فَجَعَلْنَا نَتَوَضَّأُ وَنَمْسَحُ عَلٰى أَرْجُلِنَا، فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهِ : «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا .

''ایک سفر میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے۔عین عصر کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے آ ملے۔ہم وضو کرنے اور اپنے پاؤں پر مسح کرنے لگے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ پکارا: خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی 'ویل' نامی وادی ہے۔''

(صحيح البخاري : 163، صحيح مسلم : 241)

② سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا، لَمْ يَغْسِلْ عَقِبَيْهِ، فَقَالَ : «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ اس

نے اپنی ایڑھیاں نہیں دھوئی تھیں تو آپ ﷺ نے فرمایا: خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی 'ویل' نامی وادی ہے۔'' (صحیح البخاري: 165، صحیح مسلم: 242)

صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں: «وَيْلٌ لِّلْعَرَاقِيبِ مِنَ النَّارِ» .

''خشک کونچوں کے لیے جہنم کی 'ویل' نامی وادی ہے۔''

③ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابوبکر سے فرمایا:

أَسْبِغِ الْوُضُوءَ، فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» . ''وضو اچھی طرح کیا کرو، کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی 'ویل' نامی وادی ہے۔''

(صحیح مسلم: 240)

④ سیدنا عبداللہ بن حارث بن جزء زبیدی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ، وَبُطُونِ الْأَقْدَامِ مِنَ النَّارِ» . ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خشک ایڑھیوں اور پاؤں کی خشک نچلی اطراف کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے۔''

(مسند الإمام أحمد: 191/4، المستدرك على الصحيحين للحاكم: 162/1، السنن الكبرٰى للبيهقي: 70/1، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (163) اور امام حاکم رحمہ اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (تفسیر ابن کثیر: 493/2) نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

⑤ سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے۔'' (تفسير الطبري: 205/8، وسندهٗ صحيحٌ)

فائدہ: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«وَيْلٌ وَادٍ فِي جَهَنَّمَ، يَهْوِي بِهِ الْكَافِرُ أَرْبَعِينَ خَرِيفًا، قَبْلَ أَنْ يَبْلُغَ

قَعْرَهَا» . ”ویل، جہنم کی ایک وادی ہے، جس میں گرنے کے بعد پیندے تک پہنچے میں کافر کو چالیس سال لگیں گے۔“ (صحیح ابن حبان : 7467، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 57/2، 596/4، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام حاکم رحمہ اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔ درّاج کی ابوالہیثم سے روایت کم از کم ”حسن“ ہوتی ہے۔

خشک ایڑھیوں والی حدیث اور فقہائے کرام

ان الفاظ پر امام بخاری رحمہ اللہ نے یوں تبویب فرمائی ہے :

بَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَلَا يُمْسَحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ .

”اس بات کا بیان کہ پاؤں کو دھویا جائے گا، ان پر مسح نہیں کیا جائے گا۔“

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَفِقْهُ هٰذَا الْحَدِيثِ أَنَّهٗ لَا يَجُوزُ الْمَسْحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ، إِذْ لَمْ يَكُنْ عَلَيْهِمَا خُفَّانِ أَوْ جَوْرَبَانِ .

”اس حدیث سے یہ بات سمجھ میں آ جاتی ہے کہ جب پاؤں پر موزے یا جرابیں نہ ہوں تو ان پر مسح کرنا جائز نہیں۔“ (سنن الترمذي، تحت الحديث : 41)

امام ابن منذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَغَسْلُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رِجْلَيْهِ، وَقَوْلُهٗ : «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»، كِفَايَةٌ لِّمَنْ وَفَّقَهُ اللّٰهُ لِلصَّوَابِ، وَدَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الَّذِي يَجِبُ غَسْلُ الْقَدَمَيْنِ، لَا الْمَسْحُ عَلَيْهِمَا، لِأَنَّهُ الْمُبِينُ عَنِ اللّٰهِ مَعْنٰى مَا أَرَادَ مِمَّا فَرَضَ فِي كِتَابِهٖ .

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو میں اپنے پاؤں مبارک دھوئے اور فرمایا کہ خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی 'ویل' نامی وادی ہے۔ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے کی توفیق دی ہے، اس کے لیے یہی بات کافی ہے۔ یہ احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ وضو میں پاؤں کو دھونا ہی واجب ہے، مسح کرنا نہیں، کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی قرآنِ کریم میں فرض کی گئی چیز کی

حقیقت بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوئے تھے۔"

(الأوسط في السنن والإجماع والاختلاف :1/415)

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی تبویب یہ ہے: بَابُ التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ غَسْلِ بُطُونِ الْأَقْدَامِ فِي الْوُضُوءِ، فِيهِ أَيْضًا دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ الْمَاسِحَ عَلٰى ظَهْرِ الْقَدَمَيْنِ غَيْرُ مُؤَدٍّ لِّلْفَرْضِ، لَا كَمَا زَعَمَتِ الرَّوَافِضُ أَنَّ الْفَرْضَ مَسْحُ ظُهُورِهِمَا، لَا غَسْلُ جَمِيعِ الْقَدَمَيْنِ.

"وضو میں پاؤں کے اندرونی حصوں کو نہ دھونے پر وعید کا بیان۔اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنے والا فرض کو ادا نہیں کرتا۔رافضیوں کا یہ خیال باطل ہے کہ وضو میں پاؤں کے اوپر مسح کرنا فرض ہے، پورے پاؤں کو دھونا فرض نہیں۔"

(صحيح ابن خزيمة :1/84)

نیز مذکورہ حدیث پر ایک جگہ یوں تبویب کی ہے:

بَابُ التَّغْلِيظِ فِي تَرْكِ غَسْلِ الْعَقِبَيْنِ فِي الْوُضُوءِ، وَالدَّلِيلُ عَلٰى أَنَّ الْفَرْضَ غَسْلُ الْقَدَمَيْنِ لَا مَسْحُهُمَا، إِذَا كَانَتَا بَادِيَتَيْنِ غَيْرَ مُغَطَّيَتَيْنِ بِالْخُفِّ، أَوْ مَا يَقُومُ مَقَامَ الْخُفِّ، لَا عَلٰى مَا زَعَمَتِ الرَّوَافِضُ أَنَّ الْفَرْضَ مَسْحُ الْقَدَمَيْنِ لَا غَسْلُهُمَا، إِذْ لَوْ كَانَ الْمَاسِحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ مُؤَدِّيًا لِّلْفَرْضِ، لَمَا جَازَ أَنَّ يُّقَالَ لِتَارِكِ فَضِيلَةٍ : وَيْلٌ لَّهٗ، وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» ، إِذَا تَرَكَ الْمُتَوَضِّئُ غَسْلَ عَقِبَيْهِ.

"وضو میں ایڑھیوں کو نہ دھونے پر وعید کا بیان۔یہ حدیث اس بات پر دلیل ہے کہ جب پاؤں ننگے ہوں اور وہ موزوں وغیرہ سے ڈھکے ہوئے نہ ہوں تو وضو میں ان کو دھونا فرض ہے، نہ کہ ان پر مسح کرنا۔اگر ان پر مسح کرنے والا فرض کی ادائیگی کر لیتا ہوتا تو (پاؤں دھونا صرف) ایک فضیلت والا عمل (ہوتا اور اس) کے تارک کو جہنم کی وادی کی وعید دینا جائز نہ ہوتا، جبکہ ایک وضو کرنے والے نے اپنی ایڑھیاں نہ دھوئیں تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما

دیا کہ خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے۔'' (صحیح ابن خزیمۃ :83/1)

حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مِنَ الْفِقْهِ إِيجَابُ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَفِي ذٰلِكَ تَفْسِيرٌ لِّقَوْلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ: ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾، وَبَيَانُ أَنَّهٗ أَرَادَ الْغَسْلَ، لَا الْمَسْحَ.

''اس حدیث میں یہ فقہ ہے کہ وضو میں پاؤں دھونا فرض ہے۔ یہ حدیث فرمانِ الٰہی: ﴿وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ﴾ کی تفسیر ہے اور واضح طور پر بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی مراد پاؤں کو دھونا ہے، نہ کہ مسح کرنا۔'' (التمهيد لما في المؤطّإ من المعاني والأسانيد : 254/14)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ شَرْعٌ لَّازِمٌ، بَيَّنَهٗ لَنَا الرَّسُولُ، اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ، وَقَالَ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»، وَعَلَيْهِ الْأُمَّةُ، وَلَا اعْتِبَارَ لِمَنْ شَذَّ. ''وضو میں پاؤں کو دھونا فرض ہے۔ یہ بات ہمیں ہمارے رسول ﷺ نے یہ کہہ کر بیان فرما دی ہے: خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے۔ پوری امت کا اسی پر عمل ہے۔ امت سے بچھڑ جانے والوں کا کوئی اعتبار نہیں۔''

(سير أعلام النبلاء : 127/4)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَوَجْهُ الدَّلَالَةِ مِنْ هٰذِهِ الْأَحَادِيثِ ظَاهِرَةٌ، وَذٰلِكَ أَنَّهٗ لَوْ كَانَ فَرْضُ الرِّجْلَيْنِ مَسْحُهُمَا، أَوْ أَنَّهٗ يَجُوزُ ذٰلِكَ فِيهِمَا، لَمَا تَوَعَّدَ عَلٰى تَرْكِهٖ. ''ان احادیث سے استدلال بہت واضح ہے، کیونکہ اگر پاؤں پر مسح کرنا فرض ہوتا یا یہ وضو میں کافی ہوتا تو نبی اکرم ﷺ نہ دھونے پر وعید نہ فرماتے۔'' (تفسير القرآن العظيم : 494/2)

شیخ الاسلام، ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728) فرماتے ہیں:

وَمَا تَقَوَّلَهُ الْإِمَامِيَّةُ مِنْ أَنَّ الْفَرْضَ مَسْحُ الرِّجْلَيْنِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، اللَّذَيْنِ هُمَا مُجْتَمَعُ السَّاقِ وَالْقَدَمِ، عِنْدَ مَعْقِدِ الشِّرَاكِ، أَمْرٌ لَا يَدُلُّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوهِ، وَلَا فِيهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَدِيثٌ يُّعْرَفُ، وَلَا هُوَ مَعْرُوفٌ عَنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ، بَلْ هُمْ مُخَالِفُونَ لِلْقُرْآنِ

وَالسُّنَّةِ الْمُتَوَاتِرَةِ، وَلِإِجْمَاعِ السَّابِقِينَ الْأَوَّلِينَ وَالتَّابِعِينَ لَهُمْ بِإِحْسَانٍ.

''امامیہ رافضیوں نے یہ جو بات گھڑ لی ہے کہ پاؤں کا مسح کرنا فرض ہے اور وہ بھی ان ٹخنوں تک جو ان کے نزدیک پنڈلی اور پاؤں کے جوڑ کے قریب تسمیہ باندھنے والی جگہ واقع ہیں، یہ ایسی بات ہے جس پر قرآنِ کریم کسی بھی طرح دلالت نہیں کرتا، نہ اس بارے میں نبی اکرم ﷺ سے کوئی حدیث معروف ہے، نہ یہ بات سلفِ امت سے جانی گئی ہے۔ بلکہ اس سلسلے میں رافضی لوگ قرآنِ کریم، سنتِ متواترہ اور سابقون اولون اور تابعین کرام کے اجماع کے مخالف ہیں۔''(منهاج السنّة النبويّة : 177/4)

⑥ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَجُلًا تَوَضَّأَ، فَتَرَكَ مَوْضِعَ ظُفُرٍ عَلٰى قَدَمِهٖ، فَأَبْصَرَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: «ارْجِعْ، فَأَحْسِنْ وُضُوئَكَ»، فَرَجَعَ، ثُمَّ صَلّٰى.

''ایک آدمی نے وضو کیا، لیکن اپنے پاؤں پر ایک ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑ دی۔ نبی اکرم ﷺ نے اسے دیکھا تو فرمایا: واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔ وہ آدمی واپس گیا (دوبارہ وضو کیا)، پھر نماز پڑھی۔''(صحيح مسلم : 243)

⑦ سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

إِنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَدْ تَوَضَّأَ، وَتَرَكَ عَلٰى قَدَمِهٖ مَوْضِعَ الظُّفُرِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «ارْجِعْ، فَأَحْسِنْ وُضُوئَكَ».

''ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس نے وضو کیا تھا لیکن اپنے پاؤں پر ایک ناخن کے برابر جگہ خشک چھوڑی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ نے اسے فرمایا: واپس جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔''

(مسند الإمام أحمد : 146/3، مسند أبي يعلى : 2944، سنن أبي داوٗد : 173، سنن ابن ماجه : 665، وسندهٗ صحيحٌ)

⑧ نبی اکرم ﷺ کی ایک زوجہ مطہرہ بیان فرماتی ہیں:

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى رَجُلًا يُّصَلِّي، وَفِي ظَهْرِ قَدَمِهٖ لُمْعَةٌ قَدْرَ الدِّرْهَمِ، لَمْ يُصِبْهَا الْمَاءُ، فَأَمَرَهٗ رَسُولُ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يُّعِيدَ الْوُضُوءَ . ''رسول اللہ ﷺ نے ایک آدمی کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا، اس کے پاؤں میں ایک درہم کے برابر خشک جگہ تھی، جہاں پانی نہیں پہنچا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسے حکم فرمایا کہ وہ دوبارہ وضو کرے۔''

(مسند الإمام أحمد : 424/3، سنن أبي داوٗد : 175، وسندهٗ حسنٌ)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَهٰذَا إِسْنَادٌ جَيِّدٌ قَوِيٌّ صَحِيحٌ .
''یہ سند عمدہ، قوی اور صحیح ہے۔''(تفسير القرآن العظيم : 495/2)

⑨ سیدنا عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ کے وضو کے بیان میں فرماتے ہیں: ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ . ''پھر آپ ﷺ نے ٹخنوں سمیت اپنے پاؤں مبارک دھوئے۔''(صحيح البخاري : 186، صحيح مسلم : 235)

⑩ عبد خیر تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : أَتَانَا عَلِيٌّ، وَقَدْ صَلّٰى، فَدَعَا بِطَهُورٍ، فَقُلْنَا : مَا يَصْنَعُ بِالطَّهُورِ وَقَدْ صَلَّى، مَا يُرِيدُ إِلَّا لِيُعَلِّمَنَا، فَأُتِيَ بِإِنَاءٍ فِيهِ مَاءٌ وَطَسْتٍ، فَأَفْرَغَ مِنَ الْإِنَاءِ عَلٰى يَمِينِهٖ، فَغَسَلَ يَدَيْهِ ثَلَاثًا،۔۔۔، فَمَسَحَ بِرَأْسِهٖ مَرَّةً وَّاحِدَةً، ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَهُ الْيُمْنٰى ثَلَاثًا، وَرِجْلَهُ الشِّمَالَ ثَلَاثًا، ثُمَّ قَالَ : [مَنْ سَرَّهٗ أَنْ يَّعْلَمَ وُضُوءَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ هٰذَا] . ''سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہمارے پاس تشریف لائے، آپ نے نماز پڑھی ہوئی تھی۔ آپ نے وضو کے لیے پانی منگوایا۔ ہم نے سوچا : آپ پانی کو کیا کریں گے؟ حالانکہ نماز تو آپ نے پڑھ رکھی ہے۔ آپ صرف ہمیں وضو سکھانا چاہتے ہیں۔ آپ کے پاس ایک پانی والا برتن اور ایک تشتری لائی گئی۔ آپ نے اپنے دائیں ہاتھ پر پانی انڈیلا اور تین مرتبہ ہاتھ دھوئے۔۔۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا، پھر اپنے دائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا، پھر اپنے بائیں پاؤں کو تین مرتبہ دھویا۔ پھر فرمایا : جو شخص رسول اللہ ﷺ کا

وضو جاننا چاہے، وہ یہ وضو دیکھ لے۔'' (سنن أبي داوٗد : 111، سنن النسائي : 92، وسندہٗ صحيحٌ)

⑪ جُبَیر بن نُفَیر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں :

إِنَّ أَبَا جُبَيْرٍ الْكِنْدِيَّ قَدِمَ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَمَرَ لَهٗ بِوَضُوءٍ، فَقَالَ : «تَوَضَّأْ يَا أَبَا جُبَيْرٍ!»، فَبَدَأَ بِفِيهِ، فَقَالَ لَهٗ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَا تَبْدَأْ بِفِيكَ، فَإِنَّ الْكَافِرَ يَبْدَأُ بِفِيهِ»، وَدَعَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَاءٍ، فَتَوَضَّأَ ثَلَاثًا ثَلَاثًا، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ، وَغَسَلَ رِجْلَيْهِ .

''ابوجُبَیر کندی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے لیے وضو کا پانی منگوایا اور فرمایا : ابوجبیر! وضو کرو۔ انہوں نے اپنے منہ سے شروع کیا۔اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا : منہ سے شروع نہ کرو، کیونکہ کافر منہ سے شروع کرتے ہیں۔پھر رسول اللہ ﷺ نے پانی منگوا کر تین تین دفعہ وضو کیا، پھر سر کا مسح فرمایا، پھر اپنے دونوں پاؤں مبارک دھوئے۔''

(شرح معاني الآثار للطحاوي : 37/1، السنن الكبرٰى للبيهقي : 47,46/1، وصحّحه ابن حبّان : 1089، وسندہٗ حسنٌ)

⑫ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے وضو کے بارے میں ہے :

ثُمَّ غَسَلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، ثُمَّ قَالَ : هٰكَذَا كَانَ وُضُوءُ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ .

''پھر آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھویا، پھر فرمایا : رسول اللہ ﷺ کا وضو اسی طرح تھا۔'' (صحيح البخاري : 185، صحيح مسلم : 235)

⑬ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وضو کے بارے میں روایت ہے :

.........، ثُمَّ مَسَحَ بِرَأْسِهٖ، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً مِّنْ مَّاءٍ، فَرَشَّ عَلٰى رِجْلِهِ الْيُمْنٰى، حَتّٰى غَسَلَهَا، ثُمَّ أَخَذَ غَرْفَةً أُخْرٰى، فَغَسَلَ بِهَا رِجْلَهٗ، يَعْنِي الْيُسْرٰى، ثُمَّ قَالَ : هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَوَضَّأُ .

''آپ نے اپنے سر کا مسح کیا، پھر ایک چُلّو میں پانی لیا اور اسے اپنے دائیں پاؤں پر

بہایا، حتی کہ اسے دھولیا، پھر ایک اور چُلّو پانی کا لیا اور اس سے بایاں پاؤں دھویا۔ پھر فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو ایسے ہی وضو کرتے ہوئے دیکھا ہے۔''

(مسند الإمام أحمد :268/1، صحيح البخاري : 140)

⑭ قرشی صحابی، سیدنا مستورد بن شداد رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْلُكُ بِخِنْصَرِهِ مَا بَيْنَ أَصَابِعِ رِجْلَيْهِ . ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ آپ (وضو میں) اپنی چھنگلی کے ساتھ اپنے پاؤں کی انگلیوں کی درمیانی جگہ کو مل رہے تھے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي :47,46/1، وسندهٗ حسنٌ)

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِنَّ هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ .

''بلاشبہ یہ حدیث حسن ہے۔''(أيضًا)

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَهٰذَا لَا يَكُونُ إِلَّا فِي الْغَسْلِ، لِأَنَّ الْمَسْحَ لَا يَبْلُغُ فِيهِ ذٰلِكَ، إِنَّمَا هُوَ عَلٰى ظُهُورِ الْقَدَمَيْنِ خَاصَّةً .

''ایسا (پاؤں کی انگلیوں کی درمیانی جگہ کو ملنا) صرف دھونے میں ہوسکتا ہے، کیونکہ مسح میں ایسی نوبت نہیں آتی، وہ تو صرف پاؤں کی اوپر والی جانب ہوتا ہے۔''

(شرح معاني الآثار :37/1)

⑮ سیدنا لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: مجھے وضو کا طریقہ بتائیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: أَسْبِغِ الْوُضُوءَ، وَخَلِّلْ بَيْنَ الْأَصَابِعِ، وَبَالِغْ فِي الِاسْتِنْشَاقِ، إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَائِمًا .

''وضو کو اچھی طرح مکمل کرو، انگلیوں کے درمیان خلال کرو، اگر روزہ نہ رکھا ہو تو ناک میں اچھی طرح پانی ڈالو۔''(سنن أبي داوٗد : 142، سنن الترمذي : 38، وقال : حسنٌ صحيحٌ، سنن ابن ماجه : 407، وسندهٗ حسنٌ، وأخرجه أحمد : 211/4، وأبو داوٗد : 143، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (150)، امام ابن حبان (1054) اور امام حاکم (148,147/1) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' کہا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے امام حاکم رحمہ اللہ کی موافقت کی ہے۔

وضو میں پاؤں دھونے کے بارے میں اور بھی صحیح احادیث موجود ہیں۔مذکورہ بالا احادیث کے بارے میں امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (238-321ھ) فرماتے ہیں:

فَهٰذِهِ الْآثَارُ قَدْ تَوَاتَرَتْ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهٗ غَسَلَ قَدَمَيْهِ فِي وُضُوئِهٖ لِلصَّلَاةِ . ''یہ احادیث رسول اللہ ﷺ سے متواتر ثابت ہیں کہ آپ نے نماز کے لیے وضو میں اپنے پاؤں مبارک دھوئے ہیں۔''

(شرح معاني الآثار :37/1)

ان احادیث کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ (384-458ھ) فرماتے ہیں:

فَهٰذِهِ الرِّوَايَاتُ اتَّفَقَتْ عَلٰى أَنَّهٗ غَسَلَهَا . ''یہ ساری احادیث اتفاقی طور پر بتا رہی ہیں کہ آپ ﷺ نے وضو میں پاؤں کو دھویا ہے۔''

(السنن الكبرٰى للبيهقي :73/1)

صحابہ وتابعین

صحابہ کرام میں سے کوئی بھی وضو میں پاؤں کو دھونے کے وجوب کی نفی نہیں کرتا تھا۔ اس کے برعکس ہم گزشتہ صفحات میں کئی ایک صحابہ کرام و تابعین عظام سے وضو میں پاؤں دھونے کا وجوب ثابت کر چکے ہیں۔مزید ملاحظہ فرمائیں:

امام مجاہد بن جبر تابعی رحمہ اللہ، سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنْ كُنْتُ لَأَسْكُبُ عَلَيْهِ الْمَاءَ، فَيَغْسِلُ رِجْلَيْهِ .

''میں (وضو کے لیے) پانی انڈیلتا اور آپ رضی اللہ عنہما اپنے دونوں پاؤں کو دھوتے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة :18/1، وسندهٗ صحيحٌ)

مشہور فقیہ تابعی، ابومجلز، لاحق بن حُمَید رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

إِنَّهٗ كَانَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ . ''وہ (وضو میں) اپنے پاؤں دھوتے تھے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة :19/1، وسندهٗ صحيحٌ)

سیدنا سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے غلام، یزید بن ابوعبید رحمہ اللہ کے بارے میں ہے:

كَانَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ . ”وہ اپنے پاؤں کو دھوتے تھے۔“

(مصنف ابن أبي شيبة :19/1، وسندهٗ صحيحٌ)

شبہات کا ازالہ

شبہ نمبر ① : نزال بن سبرہ تابعی رحمہ اللہ سے روایت ہے:

صَلَّيْنَا مَعَ عَلِيٍّ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، الظُّهْرَ، ثُمَّ خَرَجْنَا إِلَى الرَّحَبَةِ، قَالَ : فَدَعَا بِإِنَاءٍ، فِيهِ شَرَابٌ، فَأَخَذَهٗ، فَمَضْمَضَ، وَاسْتَنْشَقَ، وَمَسَحَ وَجْهَهٗ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهٗ وَقَدَمَيْهِ، ثُمَّ شَرِبَ فَضْلَهٗ، وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ نَاسًا يَّكْرَهُونَ أَنْ يَّشْرَبُوا، وَهُمْ قِيَامٌ، إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ، وَقَالَ : هٰذَا وُضُوءُ مَنْ لَّمْ يُحْدِثْ .

”ہم نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ ظہر کی نماز ادا کی، پھر ہم رحبہ کی طرف نکلے۔آپ نے ایک پانی والا برتن منگوایا، اس کو پکڑ کر کلی کی، ناک میں پانی ڈالا، اپنے چہرے، ہاتھوں، سر اور پاؤں کا مسح کیا، پھر وضو سے باقی بچنے والا پانی کھڑے کھڑے نوش کیا اور فرمایا: کچھ لوگ کھڑے ہو کر پانی پینے کو مکروہ سمجھتے ہیں۔جس طرح میں نے کر کے دکھایا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل ایسے ہی کیا تھا اور فرمایا: یہ اس شخص کا وضو ہے، جو بے وضو نہ ہوا ہو۔“

(مسند الطيالسي :22/1، ح : 148، مسند الإمام أحمد :153/1، صحيح البخاري : 5615، سنن النسائي : 130، صحيح ابن خزيمة : 202/2، صحيح ابن حبان : 1057، والسياق لهٗ، السنن الكبرٰى للبيهقي :75/1، وسندهٗ صحيحٌ)

یہ حدیث پاؤں پر مسح کرنے کی دلیل نہیں بن سکتی، بلکہ اس حدیث سے تو صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہاں مسح، غسلِ خفیف، یعنی ہلکا سا دھونے کے معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، کیونکہ اس حدیث کے جو الفاظ ہم نے ذکر کیے ہیں، ان میں پاؤں کے ساتھ ساتھ چہرے اور دونوں ہاتھوں پر بھی مسح کرنے کا بیان ہوا ہے، جبکہ اسی حدیث میں چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھونے کے الفاظ بھی آئے ہیں، اسی حدیث کی ایک روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

مسند طیالسی کے الفاظ یہ ہیں: فَغَسَلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ ـــ .

''آپ نے اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو دھویا۔''

دوسری بات اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ غسل خفیف والی یہ صورت اس وقت اپنائی جا سکتی ہے، جب وضو کرنے والا پہلے ہی سے باوضو ہو اور کسی کو تعلیم دینے یا سستی ختم کرنے جیسے کسی دوسرے مقصد کے لیے دوبارہ وضو کر رہا ہو۔

اس حدیث پر امام نسائی رحمہ اللہ نے یوں تبویب کی ہے:

صِفَةُ الْوُضُوءِ مِنْ غَيْرِ حَدَثٍ. ''بے وضو ہوئے بغیر وضو کرنے کا طریقہ۔''

امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ نے اس حدیث پر یہ باب قائم کیا ہے:

بَابُ ذِكْرِ الدَّلِيلِ عَلٰى أَنَّ مَسْحَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى الْقَدَمَيْنِ كَانَ، وَهُوَ طَاهِرٌ، لَا مُحْدِثٌ.

''اس بات کی دلیل کا بیان کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پاؤں پر مسح اس وقت کیا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم باوضو تھے، بے وضو نہیں تھے۔''

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس حدیث پر ان الفاظ میں تبویب کی ہے:

ذِكْرُ الْعِلَّةِ الَّتِي مِنْ أَجْلِهَا كَانَ يَمْسَحُ عَلِيُّ بْنُ أَبِي طَالِبٍ، رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِ، رِجْلَيْهِ فِي وُضُوئِهٖ. ''اس سبب (باوضو ہونے کی حالت میں وضو کرنے) کا بیان جس کی بنا پر سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ وضو میں پاؤں پر مسح کرتے تھے۔''

امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَفِي هٰذَا الْحَدِيثِ الثَّابِتِ دَلَالَةٌ عَلٰى أَنَّ الْحَدِيثَ الَّذِي رُوِيَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْحِ عَلَى الرِّجْلَيْنِ، إِنْ صَحَّ، عَنٰى بِهٖ: وَهُوَ طَاهِرٌ، غَيْرُ مُحْدِثٍ، إِلَّا أَنَّ بَعْضَ الرُّوَاةِ كَأَنَّهُ اخْتَصَرَ الْحَدِيثَ، فَلَمْ يَنْقُلْ قَوْلَهٗ: «هٰذَا وُضُوءُ مَنْ لَّمْ يُحْدِثْ».

''اس ثابت حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پاؤں پر مسح کرنا مروی ہے، اگر وہ ثابت ہو تو اس سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایسا کرنے کے وقت باوضو تھے، بے وضو نہ تھے، لیکن بعض راویوں نے اختصار کرتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ

فرمان نقل نہیں کیا کہ یہ اس شخص کا وضو ہے، جو بے وضو نہ ہو۔" (السنن الکبریٰ للبیهقي :1/75)

شبہ نمبر ②: عبد خیر تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عَلِيَّ بْنَ أَبِي طَالِبٍ، يَمْسَحُ ظُهُورَ قَدَمَيْهِ، وَيَقُولُ: لَوْلَا أَنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَسَحَ عَلٰى ظُهُورِهِمَا، لَظَنَنْتُ أَنَّ بُطُونَهُمَا أَحَقُّ. "میں نے سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کو اپنے پاؤں کے اوپر والی جانب مسح کرتے دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے: اگر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے پاؤں کے اوپر مسح کرتے نہ دیکھتا تو سمجھ لیتا کہ پاؤں کی نچلی جانب مسح کی زیادہ مستحق ہے۔"

(مسند الحمیدي :1/26، ح: 47، وسندہٗ صحیحٌ)

یہ حدیث ننگے پاؤں پر مسح کے بارے میں نہیں، بلکہ موزوں پر مسح کے بارے میں ہے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے چچا زاد بھائی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پاؤں کو دھونا اور اسے سنتِ نبوی قرار دینا ہم ثابت کر چکے ہیں۔ اسی لیے بعض اہل علم نے اس حدیث کو منسوخ بھی کہا ہے، جیسا کہ:

❁ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد خود امام حمیدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِنْ كَانَ عَلَى الْخُفَّيْنِ، فَهُوَ سُنَّةٌ، وَإِنْ كَانَ عَلٰى غَيْرِ الْخُفَّيْنِ، فَهُوَ مَنْسُوخٌ.

"اگر اس حدیث میں موزوں پر مسح مراد ہے تو یہ سنت ہے اور اگر ننگے پاؤں مسح کا ذکر ہے تو یہ منسوخ ہے۔"

❁ امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ اس بارے میں فرماتے ہیں:

مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ مَنْ يَّحْمِلُ هٰذَا عَلَى الْمَسْحِ عَلٰى ظُهُورِ الْخُفَّيْنِ، وَيَقُولُ: مَعْنٰى ذِكْرِ الْقَدَمَيْنِ هٰهُنَا أَنْ يَّكُونَا مُغَيَّبَيْنِ فِي الْخُفَّيْنِ، فَهٰذَا هُوَ الْمَسْحُ الَّذِي ثَبَتَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِعْلُهٗ، وَأَمَّا الْمَسْحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ، فَلَا يَصِحُّ عَنْهُ بِوَجْهٍ مِّنَ الْوُجُوهِ، وَمَنْ قَالَ: إِنَّ هٰذَا الْحَدِيثَ عَلٰى ظَاهِرِهٖ، جَعَلَهٗ مَنْسُوخًا بِقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «وَيْلٌ

لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» . ”بعض اہل علم اس حدیث کو موزوں کے اوپر مسح کرنے پر محمول کرتے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ اس حدیث میں پاؤں سے مراد موزوں سے ڈھکے ہوئے پاؤں ہیں۔یوں یہ مسح وہی ہے جو نبی اکرم ﷺ سے فعلاً ثابت ہے۔اس کے برعکس ننگے پاؤں پر مسح کرنا آپ ﷺ سے کہیں بھی ثابت نہیں۔جو اہل علم اس حدیث کو اس کے ظاہری معنیٰ (ننگے پاؤں پر مسح) پر محمول کرتے ہیں،وہ اسے نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان کے ذریعے منسوخ قرار دیتے ہیں: «وَيْلٌ لِلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» (خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے)۔“ (149/11)

❀ امام دارمی رحمہ اللہ (181-255ھ) فرماتے ہیں:

هٰذَا الْحَدِيثُ مَنْسُوخٌ بِقَوْلِهٖ : ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَيْنِ﴾ . ”یہ حدیث اس فرمانِ باری تعالیٰ کے ذریعے منسوخ ہوگئی ہے کہ: ﴿وَامْسَحُوْا بِرُءُ وْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَی الْكَعْبَيْنِ﴾ (تم اپنے سروں کا مسح کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوؤ)۔“ (مسند الدارمي :1/195)

صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی یہ حدیث موزوں پر مسح کرنے کے بارے میں ہے،کیونکہ رسول اللہ ﷺ سے موزوں پر مسح کرنا سیدنا علی رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا ہے اور اس سلسلے میں دیگر صحابہ کرام بھی سیدنا علی رضی اللہ عنہ پر اعتماد کرتے تھے،جیسا کہ:

شریح بن ہانی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: میں موزوں پر مسح کے بارے میں سوال کرنے کے لیے سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:

عَلَيْكَ بِابْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَاسْئَلْهُ، فَإِنَّهٗ كَانَ يُسَافِرُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَسَأَلْنَاهُ، فَقَالَ : جَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَّلَيَالِيَهُنَّ لِلْمُسَافِرِ، وَيَوْمًا وَّلَيْلَةً لِّلْمُقِيمِ .

”آپ ابو طالب کے بیٹے (سیدنا علی رضی اللہ عنہ) کے پاس چلے جائیں اور ان سے پوچھیں، کیونکہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے اور ہم نے انہی سے پوچھا تھا اور انہوں

نے بیان کیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مسح کا وقت مسافر کے لیے تین دن اور تین راتیں، جبکہ مقیم کے لیے ایک دن اور ایک رات مقرر کیا تھا۔“(صحیح مسلم : 276)

یعنی سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے جو پاؤں پر مسح کی روایت بیان کی ہے، تو اس سے مراد موزوں پر مسح ہے، جیسا کہ صحیح مسلم میں ثابت ہو گیا ہے۔ رافضی شیعہ موزوں پر مسح، جو کہ رسول اللہ ﷺ سے متواتر ثابت ہے، کے قائل نہیں ہوئے، الٹا موزوں پر مسح والی حدیث سے پاؤں پر مسح ثابت کرنے کے درپے ہو گئے ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَقَدْ تَوَاتَرَتِ السُّنَّةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَبِغَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَالرَّافِضِيَّةُ تُخَالِفُ هٰذِهِ السُّنَّةَ الْمُتَوَاتِرَةَ.

”وضو میں موزوں پر مسح کرنا اور ننگے پاؤں کو دھونا نبی اکرم ﷺ کی متواتر سنت ہے، لیکن رافضی لوگ ان متواتر سنت کے مخالف ہیں۔“(منهاج السنّة النبويّة : 4/177)

علامہ، محمد بن علی بن محمد، ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں:

تَوَاتَرَتِ السُّنَّةُ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، وَبِغَسْلِ الرِّجْلَيْنِ، وَالرَّافِضَةُ تُخَالِفُ هٰذِهِ السُّنَّةَ الْمُتَوَاتِرَةَ.

”موزوں پر مسح کرنا اور پاؤں کو دھونا، رسولِ اکرم ﷺ کی متواتر سنت سے ثابت ہے، لیکن رافضی لوگ اس سنتِ متواترہ کی مخالفت کرتے ہیں۔“(شرح العقيدة الطحاوية، ص : 386)

اسی سلسلے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَقَدْ ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَشْرُوعِيَّةَ الْمَسْحِ عَلَى الْخُفَّيْنِ، قَوْلًا مِّنْهُ وَفِعْلًا، ---، وَقَدْ خَالَفَتِ الرَّوَافِضُ ذٰلِكَ كُلِّهِ بِلَا مُسْتَنَدٍ، بَلْ بِجَهْلٍ وَضَلَالٍ، مَعَ أَنَّهٗ ثَابِتٌ فِي صَحِيحِ مُسْلِمٍ، مِنْ رِّوَايَةِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ.

”رسول اللہ ﷺ سے تواتر کے ساتھ قولی و فعلی دونوں طرح سے موزوں پر مسح کرنا

ثابت ہے۔۔۔لیکن رافضیوں نے اپنی جہالت وضلالت کی بنا پر بلادلیل ان ساری احادیث کی مخالفت کی ہے، باوجود اس کے کہ صحیح مسلم میں امیر المومنین سیدنا علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کی حدیث بھی اس بارے میں ثابت ہے۔'' (تفسیر القرآن العظیم : 497/2)

شبہ نمبر ③ : افلح مولیٰ ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

أَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِالْمَسْحِ، وَكَانَ هُوَ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ، قَالَ : فَقِيلَ لَهُ فِي ذٰلِكَ، كَيْفَ تَأْمُرُ بِالْمَسْحِ؟ فَقَالَ : بِئْسَمَا لِي إِنْ كَانَ مَهْنَأُهُ لَكُمْ، وَإِثْمُهُ عَلَيَّ، قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَفْعَلُهُ، وَيَأْمُرُ بِهٖ، وَلٰكِنَّهُ حُبِّبَ إِلَيَّ الْوُضُوءُ.

''آپ رضی اللہ عنہ مسح کرنے کا حکم دیتے تھے اور خود اپنے پاؤں دھوتے تھے۔آپ سے پوچھا گیا کہ آپ مسح کا حکم کیسے دیتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: (اگر میں یہ مسح کا حکم اپنی طرف سے دیتا تو) یہ بات میرے لیے بہت بُری ہوتی کہ تمہیں (دھونے کی بجائے مسح کی صورت میں) اس کا فائدہ ہو جاتا اور (اپنی طرف سے حکم دینے کا) گناہ میرے ذمے لگتا رہتا۔میں نے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسح کرتے دیکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا حکم بھی فرماتے تھے،لیکن مجھے وضو(پاؤں دھونا) زیادہ پسند ہے۔''

(المطالب العالية بزوائد المسانيد الثمانية لابن حجر : 103، وسندهٗ صحيحٌ)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

یہ حدیث بھی ننگے پاؤں پر مسح کرنے کی دلیل نہیں، بلکہ اس میں موزوں پر مسح کی بات ہو رہی ہے۔ بات اتنی سی ہے کہ سیدنا ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ لوگوں کو موزوں پر مسح کا حکم دیتے تھے،لیکن خود انہیں موزے اتار کر پاؤں دھونا زیادہ پسند تھا۔

شبہ نمبر ④ : سیدنا اوس بن ابو اوس ثقفی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے :

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلٰى نَعْلَيْهِ وَقَدَمَيْهِ.

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا اور اپنے اپنے جوتوں اور پاؤں مبارک پر مسح کیا۔''

(سنن أبي داؤد : 60، الطهور للقاسم بن سلّام : 388)

یہ روایت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کے راوی عطاء عامری کی سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ

(الثقات : 202/5) کے کسی نے توثیق نہیں کی، لہذا یہ "مجہول الحال" ہے۔

اسے حافظ ابن قطان فاسی رحمہ اللہ نے "مجہول الحال" قرار دیا ہے۔

(بیان الوهم والإیهام : 116/4، الرقم : 1565)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا یُعْرَفُ إِلَّا بِابْنِهٖ .

"یہ صرف اپنے بیٹے سے معروف ہے۔" (میزان الاعتدال : 78/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے "مقبول" (مجہول الحال) کہا ہے۔ (تقریب التهذیب : 4609)

شبہ نمبر ⑤ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب ہے کہ :

اَلْوُضُوءُ غَسْلَتَانِ، وَمَسْحَتَانِ . "وضو میں دو دفعہ دھونا اور دو دفعہ مسح کرنا ہوتا ہے۔" (تفسیر الطبري : 195/8)

اس روایت کی سند میں محمد بن قیس خراسانی نامی راوی موجود ہے، جس کی توثیق نہیں مل سکی، نیز اس میں ابن جریج رحمہ اللہ کی "تدلیس" بھی ہے۔

یہی روایت مصنف عبد الرزاق (19/1، ح : 55) میں بھی موجود ہے، اس میں امام عبد الرزاق رحمہ اللہ کی "تدلیس" ہے۔

شبہ نمبر ⑥ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ﴿وَاَرْجُلَكُمْ﴾ کی تفسیر میں فرمایا :

هُوَ الْمَسْحُ . "اس سے مراد مسح ہے۔"

(تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر : 491/2)

اس کی سند علی بن زید بن جدعان "ضعیف عند الجمهور" کی وجہ سے "ضعیف" ہے۔

شبہ نمبر ⑦ : امام حسن بصری تابعی رحمہ اللہ سے منقول ہے :

إِنَّمَا هُوَ الْمَسْحُ عَلَى الْقَدَمَيْنِ . "پاؤں پر مسح ہی فرض ہے۔"

(مصنف ابن أبي شيبة : 18,17/1)

اس کی سند یونس بن عبید کی "تدلیس" کی بنا پر "ضعیف" ہے۔

شبہ نمبر ⑧ : عکرمہ مولیٰ ابن عباس رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَيْسَ عَلَى الرِّجْلَيْنِ غَسْلٌ، إِنَّمَا نَزَلَ فِيهِمَا الْمَسْحُ .

''پاؤں کو دھونا فرض نہیں، بلکہ ان کے بارے میں مسح کا حکم نازل ہوا ہے۔''

(تفسير الطبري : 196/8، وسندهٗ حسنٌ)

اسی طرح امام ایوب سختیانی رحمہ اللہ نے فرمایا : رَأَيْتُ عِكْرِمَةَ يَمْسَحُ عَلٰى رِجْلَيْهِ، وَكَانَ يَقُولُ بِهٖ . ''میں نے عکرمہ رحمہ اللہ کو اپنے پاؤں پر مسح کرتے ہوئے دیکھا۔وہ اس بارے میں فتویٰ بھی دیتے تھے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة :170/1، وسندهٗ صحيحٌ)

نیز امام شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : إِنَّمَا هُوَ الْمَسْحُ عَلَى الرِّجْلَيْنِ، أَلَا تَرٰى أَنَّهٗ مَا كَانَ عَلَيْهِ الْغَسْلُ جُعِلَ عَلَيْهِ الْغَسْلُ، وَمَا كَانَ عَلَيْهِ الْمَسْحُ أُهْمِلَ .

''پاؤں پر مسح ہی فرض ہے، دیکھتے نہیں کہ جس عضو پر دھونا ضروری تھا،اس پر دھونا ضروری قرار دیا گیا اور جس پر مسح ضروری تھا،اس کو مہمل چھوڑ دیا گیا۔''

(تفسير الطبري : 196/8، وسندهٗ صحيحٌ)

منذر ثوری رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں : كُنَّا مَعَ ابْنِ الْحَنَفِيَّةِ، فَأَرَادَ أَنْ يَّتَوَضَّأَ، وَعَلَيْهِ خُفَّانِ، فَنَزَعَ خُفَّيْهِ، وَمَسَحَ عَلٰى قَدَمَيْهِ .

''ہم (ابو القاسم محمد بن علی بن ابو طالب) ابن حنفیہ رحمہ اللہ کے پاس تھے۔انہوں نے وضو کرنے کا ارادہ کیا،انہوں نے موزے پہن رکھے تھے،انہوں نے موزے اتارے اور اپنے پاؤں پر مسح کیا۔''(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : 115/5، وسندهٗ صحيحٌ)

ان میں سے بعض اقوال موزوں پر مسح کے بارے میں ہیں اور بعض میں مسح سے مراد غسل خفیف (ہلکا سا دھونا) ہے، جیسا کہ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) فرماتے ہیں :

فَهٰذِهٖ آثَارٌ غَرِيبَةٌ جِدًّا، وَهِيَ مَحْمُولَةٌ عَلٰى أَنَّ الْمُرَادَ بِالْمَسْحِ، هُوَ الْغَسْلُ الْخَفِيفُ، لِمَا سَنَذْكُرُهٗ مِنَ السُّنَّةِ الثَّابِتَةِ فِي وُجُوبِ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ،۔۔۔، وَمِنْهُمْ مَنْ قَالَ : هِيَ مَحْمُولَةٌ عَلٰى مَسْحِ الْقَدَمَيْنِ إِذَا كَانَ عَلَيْهِمَا الْخُفَّانِ،۔۔۔، وَعَلٰى كُلِّ تَقْدِيرٍ، فَالْوَاجِبُ غَسْلُ الرِّجْلَيْنِ فَرْضًا، لَا بُدَّ مِنْهُ، لِلْآيَةِ وَالْأَحَادِيثِ الَّتِي سَنُورِدُهَا .

''یہ بہت ہی منفرد سے آثار ہیں۔ان میں مسح سے مراد غسل خفیف (ہلکا سا دھونا) ہے، اس کی دلیل پاؤں دھونے کی فرضیت میں وہ صحیح حدیث ہے، جسے ہم ذکر کرنے والے ہیں۔۔۔اور بعض اہل علم کا کہنا ہے کہ یہ (بعض) موزے پہنے ہونے کی حالت پر محمول ہیں۔ ان آثار سے جو بھی مراد ہو، آیتِ کریمہ اور وہ احادیث جو ہم پیش کرنے والے ہیں، ان کی بنا پر وضو میں پاؤں کو دھونا فرض واجب ہے۔'' (تفسیر القرآن العظیم : 492,491/2)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ کی اس بات کی تائید ان احادیث سے بھی ہوتی ہے :

❁ سیدنا تمیم بن زید مازنی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں :

رَأَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ، وَمَسَحَ بِالْمَاءِ عَلٰی لِحْیَتِہٖ وَرِجْلَیْہِ . ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وضو کرتے دیکھا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ڈاڑھی مبارک اور پاؤں مبارک پر پانی کے ساتھ مسح کیا (ان کو دھویا)۔''

(مسند الإمام أحمد : 40/4، المعجم الكبير للطبراني : 60/2، واللفظ لہٗ، وسندہٗ صحیحٌ)

امام ابن خزیمہ (201) رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَرِجَالُہٗ مُوَثَّقُونَ .

''اس کے راویوں کی توثیق کی گئی ہے۔'' (مجمع الزوائد :234/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : زَعَمَ ابْنُ عَبْدِ الْبَرِّ أَنَّہٗ لَا یَقُومُ بِہٖ حُجَّۃٌ، وَھُوَ طَعْنٌ مَّرْدُودٌ، وَرِجَالُہٗ رِجَالُ الصَّحِیحِ .

''حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ یہ قابل حجت نہیں،لیکن ان کی یہ جرح مردود ہے اور اس حدیث کے سارے راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔'' (اتّحاف المهرة : 644/6)

نیز فرماتے ہیں : رِجَالُہٗ ثِقَاتٌ . ''اس کے راوی ثقہ ہیں۔''

(الإصابة في تمييز الصحابة :490/1)

ثابت ہوا کہ لفظ مسح مشترک ہے،اس کا اطلاق دھونے پر بھی ہو جاتا ہے۔

اسی طرح سیدنا عبد اللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

تَخَلَّفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفْرَةٍ سَافَرْنَاهَا، فَأَدْرَكَنَا، وَقَدْ أَرْهَقَتْنَا صَلَاةُ الْعَصْرِ، وَنَحْنُ نَتَوَضَّأُ، فَجَعَلْنَا نَمْسَحُ عَلَى أَرْجُلِنَا، فَنَادٰى بِأَعْلٰى صَوْتِهٖ : «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ»، مَرَّتَيْنِ أَوْ ثَلَاثًا .

''ایک سفر میں رسولِ اکرم ﷺ ہم سے پیچھے رہ گئے۔آپ ﷺ جب ہم سے ملے تو عصر کی نماز کا وقت ہو چکا تھا اور ہم وضو کر رہے تھے۔ہم پاؤں کو دھونے میں مصروف تھے تو آپ ﷺ نے بلند آواز سے دو یا تین مرتبہ فرمایا: خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے۔''(مسند الإمام أحمد : 211/2، واللفظ لهٗ، صحيح البخاري : 60، صحيح مسلم : 241)

یہ حدیث اس بات پر صریح دلیل ہے کہ مسح بمعنیٰ غسل (دھونا) بھی مستعمل ہے۔

اسی قبیل سے سیدنا رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ کا بیان کردہ یہ فرمانِ رسول ہے:

«فَيَغْسِلَ وَجْهَهٗ وَيَدَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، وَيَمْسَحَ بِرَأْسِهٖ وَرِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ» .

''پھر وہ اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھوئے اور اپنے سر کا مسح کرے اور ٹخنوں سمیت پاؤں کو دھوئے۔''(سنن أبي داوٗد : 858، مسند الإمام أحمد : 340/4، وسندهٗ صحيحٌ، وصحّحه ابن الجارود [194]، وابن خزيمة [545]، وابن حبان [1787]، والحاكم [242/1]، ووافقه الذهبي)

اس حدیث میں بھی پاؤں کے مسح سے مراد ان کو دھونا ہے،یا اس میں وضو کے اعضاء کی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے تقدیم وتاخیر سے کام لیا گیا ہے اور پاؤں کا عطف چہرے اور ہاتھ دھونے پر ہے، نہ کہ سر کے مسح پر۔متواتر احادیث سے اسی کی تائید ہوتی ہے۔

خلاصۂ کلام

وضو میں پاؤں کو دھونا فرض ہے۔نبی اکرم ﷺ نے پوری زندگی بغیر موزوں کے پاؤں پر مسح نہیں کیا، بلکہ پاؤں کو اچھی طرح دھونے کا حکم بھی فرمایا۔دورانِ وضو پاؤں میں خشک جگہ رہ جانے پر جہنم کی وادی 'ویل' کی وعیدِ شدید بھی سنائی۔اگر وضو میں ننگے پاؤں پر بھی مسح کی گنجائش ہوتی تو اتنی وعید کیوں ہوتی؟

قرآنِ کریم کی آیتِ مبارکہ میں ﴿وَاَرْجُلَکُمْ﴾ پر زبر پڑھیں یا زیر، دونوں صورتوں میں پاؤں دھونے ہوں گے، کیونکہ خود نبی اکرم ﷺ نے وضو میں پاؤں دھوئے اور امت کو اسی کی تعلیم دی ہے، بلکہ پاؤں دھونے ہی کو اللہ تعالیٰ کا حکم بتایا ہے۔ یہ ساری قولی و فعلی احادیث، آیتِ قرآنی کی معتبر تفسیر ہیں۔

زبر کی قراءت کے مطابق ﴿وَاَرْجُلَکُمْ﴾ کا عطف ان اعضاء پر ہے، جنہیں دھونے کا حکم دیا گیا ہے، باقی ترتیب کو ملحوظ رکھتے ہوئے سر کے مسح کے بعد پاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل اس آیتِ کریمہ میں تقدیم و تاخیر کے اسلوب سے کام لیا گیا ہے، جو کہ کلامِ عرب میں رائج ہے۔ جبکہ زیر کی قراءت میں عربی زبان کے مشہور اسلوب کے مطابق چونکہ پڑوسی لفظ 'رؤوس' پر زیر تھی، اس لیے 'ارجل' پر بھی زیر پڑھی گئی۔ یہ لفظی معاملہ ہے، معنوی طور پر پاؤں کا تعلق انہی اعضاء سے ہے جن کو دھونے کا حکم دیا گیا ہے۔ جمع و تطبیق کی ایک صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ یہ دونوں قراءتیں دو مختلف حالتوں کو ثابت کرتی ہیں۔ ننگے پاؤں ہوں تو زبر والی قراءت کے مطابق ان کو دھویا جائے گا اور اگر پاؤں پر موزے ہوں تو ان پر مسح کیا جائے گا۔ نبی اکرم ﷺ کی سنتِ متواترہ ان دونوں صورتوں کی تائید کرتی ہے، لیکن افسوس کہ شیعہ لوگ ان دونوں سنتوں کے منکر ہیں۔

ذرا سوچیں کہ اگر ننگے پاؤں پر مسح کرنے کا حکم ہوتا تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ضرور اس پر عمل کرتے، لیکن کسی ایک بھی صحابی سے ننگے پاؤں مسح کرنا بالکل ثابت نہیں۔ صحابہ کرام ہی نے قرآنِ کریم کی آیاتِ کریمہ کو ہم تک پہنچایا ہے اور انہی نے نبی اکرم ﷺ سے وضو میں پاؤں دھونے کی قولی و فعلی تعلیم نقل کی ہے۔ پھر قرآن کو قبول کر کے اس کی خود ساختہ تفسیر کرنا اور حدیث جو قرآن کی اصلی تفسیر ہے، اس کو یکسر ردّ کرنا کیا معنیٰ رکھتا ہے؟

اسی بارے میں علامہ، محمد بن علی بن محمد، ابن ابی العز حنفی رحمہ اللہ (731-792ھ) فرماتے ہیں:

فَیُقَالُ لَھُمْ : اَلَّذِینَ نَقَلُوا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْوُضُوءَ قَوْلًا وَّفِعْلًا، وَالَّذِینَ تَعَلَّمُوا الْوُضُوءَ مِنْہُ، تَوَضَّئُوا عَلٰی عَھْدِہٖ، وَھُوَ یَرَاھُمْ

وَيُقِرُّهُمْ، وَنَقَلُوهُ إِلٰى مَنْ بَعْدَهُمْ، أَكْثَرُ عَدَدًا مِّنَ الَّذِينَ نَقَلُوا لَفْظَ هٰذِهِ الْآيَةِ، فَإِنَّ جَمِيعَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا يَتَوَضَّئُونَ عَلٰى عَهْدِهٖ، وَلَمْ يَتَعَلَّمُوا الْوُضُوءَ إِلَّا مِنْهُ، فَإِنَّ هٰذَا الْعَمَلَ لَمْ يَكُنْ مَّعْهُودًا عِنْدَهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَهُمْ قَدْ رَأَوْهُ يَتَوَضَّأُ مَا لَا يُحْصِي عَدَدَهٗ إِلَّا اللّٰهُ تَعَالٰى، وَنَقَلُوا عَنْهُ ذِكْرَ غَسْلِ الرِّجْلَيْنِ فِي مَا شَاءَ اللّٰهُ مِنَ الْحَدِيثِ، حَتّٰى نَقَلُوا عَنْهُ مِنْ غَيْرِ وَجْهٍ، فِي كُتُبِ الصَّحِيحِ وَغَيْرِهَا، أَنَّهٗ قَالَ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ، وَبُطُونِ الْأَقْدَامِ، مِنَ النَّارِ»، مَعَ أَنَّ الْفَرْضَ إِذَا كَانَ مَسْحَ ظَاهِرِ الْقَدَمِ، كَانَ غَسْلُ الْجَمِيعِ كُلْفَةً لَّا تَدْعُو إِلَيْهَا الطِّبَاعُ، كَمَا تَدْعُو الطِّبَاعُ إِلٰى طَلَبِ الرِّيَاسَةِ وَالْمَالِ، فَلَوْ جَازَ الطَّعْنُ فِي تَوَاتُرِ صِفَةِ الْوُضُوءِ، لَكَانَ فِي نَقْلِ لَفْظِ آيَةِ الْوُضُوءِ أَقْرَبَ إِلَى الْجَوَازِ، وَإِذَا قَالُوا: لَفْظُ الْآيَةِ ثَبَتَ بِالتَّوَاتُرِ الَّذِي لَا يُمْكِنُ فِيهِ الْكَذِبُ وَلَا الْخَطَأُ، فَثُبُوتُ التَّوَاتُرِ فِي نَقْلِ الْوُضُوءِ عَنْهُ أَوْلٰى وَأَكْمَلُ.

''شیعہ لوگوں سے کہا جائے کہ جن صحابہ نے نبی اکرم ﷺ سے وضو کے بارے میں قولی وفعلی احادیث بیان کی ہیں، جنہوں نے آپ ﷺ سے وضو سیکھا، آپ کے سامنے وضو کیا اور آپ نے اسے برقرار رکھا اور جنہوں نے مسنون وضو کو بعد والوں تک پہنچایا، ان کی تعداد ان صحابہ کرام کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے، جنہوں نے قرآنِ کریم کی آیتِ وضو کے الفاظ بیان کیے ہیں۔ تمام صحابہ کرام جو آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں وضو کرتے تھے، انہوں نے یہ وضو آپ ﷺ ہی سے سیکھا تھا، کیونکہ زمانۂ جاہلیت میں اس وضو کا طریقہ موجود نہ تھا۔ صحابہ کرام نے آپ ﷺ کو بے شمار مرتبہ وضو کرتے ملاحظہ کیا اور بہت سی احادیث میں آپ ﷺ سے پاؤں کو دھونا نقل کیا۔ حتی کہ صحابہ کرام نے نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی نقل کیا، جو کتبِ صحاح وغیرہ میں بہت سی اسانید سے مروی ہے کہ: «وَيْلٌ لِّلْأَعْقَابِ مِنَ النَّارِ» (خشک ایڑھیوں کے لیے جہنم کی وادی 'ویل' ہے)۔ مزید یہ کہ اگر پاؤں کے

اوپر والی جانب مسح کرنا ہی فرض ہوتا تو پورے پاؤں کو دھونا ایک مشقت والا عمل ہوتا جس پر انسانی طبیعت، جو عموماً مال و ریاست کی طرف میلان رکھتی ہے، کبھی مائل نہ ہوتی، (لہٰذا سارے مسلمانوں میں پورے پاؤں کو دھونے کا عمل رائج نہ ہوتا)۔اگر نبی اکرم ﷺ کا وضو بیان کرنے والی متواتر احادیث پر طعن کرنا ممکن ہے تو وضو والی آیتِ کریمہ پر طعن کرنا بالاولیٰ ممکن ہو گا۔اگر شیعہ کہیں کہ آیتِ کریمہ کے الفاظ ایسے تواتر سے منقول ہیں، جس میں غلطی اور جھوٹ کا احتمال نہیں تو بیانِ وضو والی احادیث میں یہ تواتر زیادہ قوی اور کامل ہے۔

(شرح العقيدة الطحاويّة، ص: 387,386)

معلوم ہوا کہ دونوں قراءتیں وضو میں پاؤں کو دھونے کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امتِ مسلمہ اسی پر عمل کرتی رہی ہے، جیسا کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَعَلَيْهِ عَمَلُ الْأُمَّةِ، وَلَا اعْتِبَارَ بِمَنْ شَذَّ .

''امت کا اسی (وضو میں پاؤں دھونے) پر عمل ہے۔امت سے بچھڑ جانے والوں کا کوئی اعتبار نہیں۔'' (سير أعلام النبلاء : 127/4)

شاہ ولی اللہ دہلوی حنفی (1114-1176ھ) فرماتے ہیں:

صِفَةُ الْوُضُوءِ عَلٰى مَا ذَكَرَهٗ عُثْمَانُ، وَعَلِيٌّ، وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ زَيْدٍ، وَغَيْرُهُمْ، رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، بَلْ تَوَاتَرَ عَنْهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَتَطَابَقَ عَلَيْهِ الْأُمَّةُ أَنْ يَّغْسِلَ يَدَيْهِ قَبْلَ إِدْخَالِهِمَا الْإِنَاءَ، وَيَتَمَضْمَضَ، وَيَسْتَنْثِرَ، وَيَسْتَنْشِقَ، فَيَغْسِلَ وَجْهَهٗ، فَذِرَاعَيْهِ إِلَى الْمِرْفَقَيْنِ، فَيَمْسَحَ بِرَأْسِهٖ، فَيَغْسِلَ رِجْلَيْهِ إِلَى الْكَعْبَيْنِ، وَلَا عِبْرَةَ بِقَوْمٍ تَجَارَتْ بِهِمُ الْأَهْوَاءُ، فَأَنْكَرُوا غَسْلَ الرِّجْلَيْنِ مُتَمَسِّكِينَ بِظَاهِرِ الْآيَةِ، فَإِنَّهٗ لَا فَرْقَ عِنْدِي بَيْنَ مَنْ قَالَ بِهٰذَا الْقَوْلِ، وَبَيْنَ مَنْ أَنْكَرَ غَزْوَةَ بَدْرٍ أَوْ

أُحُدٍ، مِمَّا هُوَ كَالشَّمْسِ فِي رَابِعَةِ النَّهَارِ .

''نبی اکرم ﷺ سے جو وضو سیدنا عثمان، سیدنا علی، سیدنا عبد اللہ بن زید، وغیرہ رضی اللہ عنہم نے نقل کیا ہے، بلکہ آپ ﷺ سے متواتر ثابت ہے اور پوری امت اس پر متفق ہے، وہ یہ ہے کہ وضو کرنے والا برتن میں ڈالنے سے پہلے دونوں ہاتھوں کو دھوئے، کلی کرے، ناک میں پانی ڈالے، ناک کو صاف کرے، پھر اپنے چہرے کو دھوئے، پھر کہنیوں سمیت دونوں بازوؤں کو دھوئے، پھر اپنے سر کا مسح کرے اور پھر دونوں پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھوئے۔ ان لوگوں کا کوئی اعتبار نہیں جنہوں نے خواہشاتِ نفسانی کی پیروی کرتے ہوئے پاؤں کو دھونے کا انکار کر دیا اور اس سلسلے میں قرآنِ کریم کے ظاہری الفاظ سے استدلال کرنے کی کوشش کی۔ میرے نزدیک ایسی باتیں کرنے والوں اور ان لوگوں میں کوئی فرق نہیں جو غزوۂ بدر و احد جیسے روزِ روشن کی طرح عیاں معاملات کا انکار کرتے ہیں۔'' (حجّة الله البالغة :175/1)

بعض لوگ مسلمانوں کی جماعت سے خروج کرتے ہوئے وضو سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور وضو کے آخر میں ان پر مسح کرتے ہیں۔ شاید وہ اپنے پاؤں کو پلید خیال کرتے ہیں! یہ قرآن وسنت اور اجماعِ امت کی صریح مخالفت میں بے دلیل عمل ہے۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن و حدیث کو سلف صالحین کے فہم کے مطابق سمجھ کر اسی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، ہمیں حق پر قائم رکھے اور اسی پر ہمارا خاتمہ فرما دے۔

آمین، یا ربّ العالمین!

وضو میں ناک کس ہاتھ سے جھاڑیں؟

وضو کرنے والے کو چاہیے کہ وہ اپنا ناک بائیں ہاتھ سے جھاڑے، کیونکہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انھوں نے وضو میں اپنا ناک بائیں ہاتھ سے جھاڑا اور فرمایا کہ رسولِ اکرم ﷺ کا عمل مبارک یہی تھا۔ (مسند الإمام أحمد :135/1، وسندهٗ صحيحٌ)
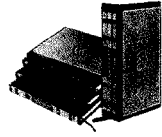
سوال ①: کتنی بار دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے؟

جواب: مدتِ رضاعت، یعنی دو سال کے دوران کم از کم پانچ دفعہ دودھ پلانے سے رضاعت و حرمت ثابت ہوتی ہے۔ دلائل ملاحظہ فرمائیں:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَلَا الْمَصَّتَانِ». ''ایک یا دو دفعہ چوسنا حرمت پیدا نہیں کرتا۔'' (صحیح مسلم: 468/1، ح: 1450)

ایک روایت کے الفاظ یہ ہیں: «لَا تُحَرِّمُ الْإِمْلَاجَةُ وَالْإِمْلَاجَتَانِ».
''ایک یا دو دفعہ پستان منہ میں دینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔''

(صحیح مسلم: 1451)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں: «لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَالرَّضْعَتَانِ».
''ایک یا دو دفعہ دودھ پلانا رضاعت ثابت نہیں کرتا۔''

سیدہ امِ فضل رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ بنو عامر بن صَعصَعہ کے ایک آدمی نے عرض کیا: اے اللہ کے نبی! کیا ایک دفعہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے؟ اس پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ (صحیح مسلم: 469/1، ح: 1451)

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: كَانَ فِيمَا أُنْزِلَ مِنَ الْقُرْآنِ عَشْرُ رَضْعَاتٍ مَّعْلُومَاتٍ يُّحَرِّمْنَ، ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَّعْلُومَاتٍ، فَتُوُفِّيَ رَسُولُ

اللّٰهِ ﷺ ، وَهِيَ فِيمَا يُقْرَأُ مِنَ الْقُرْآنِ . ''پہلے قرآنِ مجید میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ دس دفعہ دودھ پلانے سے حرمت لازم ہوتی ہے، لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوگیا اور پانچ دفعہ دودھ پلانے سے حرمت لازم ہونے کا حکم نازل ہوا۔رسول اللہ ﷺ کی وفات (کے بہت قریب) تک قرآنِ کریم میں اسی طرح پڑھا جاتا تھا۔''(صحيح مسلم :469/1، ح :1452)

اس حدیث سے واضح ہو جاتا ہے کہ اگر بچہ پانچ سے کم دفعہ کسی عورت کا دودھ پیے تو حرمت ثابت نہیں ہوتی۔اگرچہ پانچ دفعہ والی آیت کی قراءت اب قرآنِ کریم میں نہیں ہوتی، لیکن اس کا حکم باقی ہے۔

اس بات کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سیدنا ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ کے غلام سالم کے بارے میں ان کی بیوی، سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا سے فرمایا:

«أَرْضِعِيهِ خَمْسَ رَضْعَاتٍ، فَكَانَ بِمَنْزِلَةِ وَلَدِهِ مِنَ الرَّضَاعَةِ» .

''آپ اس کو پانچ دفعہ دودھ پلا دیں،وہ رضاعت کی بنا پر ان (ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ) کی اولاد کی طرح ہو جائے گا۔''(المؤطّأ للإمام مالك : 605/2، وأصله في صحيح البخاري : 762/2، ح : 5088، مسند الإمام أحمد : 201/6، 271، والسياق لهٗ)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ پانچ ادنیٰ حد ہے، اس سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔قرآنِ کریم میں ﴿وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ﴾(النساء4: 23)(اور تمہاری وہ مائیں [بھی تم پر حرام ہیں] جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہے) اور حدیث میں «يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ»(رضاعت سے بھی وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں، جو رشتہ داری کی بنا پر حرام ہوتے ہیں) یہ بات مطلق بیان ہوئی ہے۔اس مطلق کی تقیید مذکورہ بالا روایات نے کر دی ہے کہ مراد کم از کم پانچ دفعہ دودھ پینا ہے۔اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے قرآنِ کریم میں ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا﴾ (الحج22: 77)

''ایمان والو! رکوع اور سجدہ کرو۔''

اس آیت میں مطلق سجدہ کرنے، یعنی پیشانی کو زمین پر لگانے کا ذکر ہے، لیکن حدیث نے بیان کر دیا ہے کہ رکوع ایک ہی ہے اور سجدے دو ہیں۔ بالکل اسی طرح رضاعت کے مسئلہ کو سمجھ لینا چاہیے۔

بعض لوگ ایک بار دودھ پلانے سے رضاعت ثابت کرتے ہیں۔ان کے مزعومہ دلائل کا مختصر اور تحقیقی جائزہ پیش خدمت ہے:

① سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعِ مَا يَحْرُمُ مِنَ النَّسَبِ، قَلِيلُهُ وَكَثِيرُهُ».

''رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ اس سے وہ رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب سے حرام ہوتے ہیں۔''(جامع مسانيد الإمام أبي حنيفة للخوارزمي: 97/2)

یہ باطل اور جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

۱۔ صاحب کتاب محمد بن محمود بن محمد بن حسن، ابوالمؤید (593-655ھ) کا ثقہ ہونا ثابت نہیں۔

۲۔ ابومحمد، عبداللہ بن محمد بن یعقوب، حارثی ''متروک'' اور ''کذاب'' راوی ہے۔

۳۔ ابراہیم بن جراح کی سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 69/8) کے کسی نے توثیق نہیں کی، لہٰذا یہ مجہول الحال ہے۔

۴۔ احمد بن عبداللہ، کندی کو حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے صاحب مناکیر کہا ہے۔ (ديوان الضعفاء: 62)

اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَهٗ مَنَاكِيرُ بَوَاطِيلُ.

''اس نے منکر اور باطل روایات بیان کی ہیں۔''(لسان الميزان لابن حجر: 199/1)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(لسان المیزان : 199/1)

اس کا ثقہ ہونا ثابت نہیں۔

۵۔ حکم بن عتیبہ ''مدلس'' ہیں۔

۶۔ قاضی ابو یوسف جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' ہیں۔

۷۔ ان کے استاذ بھی باتفاقِ محدثین ''ضعیف'' ہیں۔

② سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے کسی نے حدیث «لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ وَلَا الرَّضْعَتَانِ» (ایک دو مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی) پیش کی،تو آپ نے فرمایا: قَدْ كَانَ ذَاكَ، فَأَمَّا الْيَوْمَ، فَالرَّضْعَةُ الْوَاحِدَةُ تُحَرِّمُ.

''پہلے ایسا تھا،لیکن آج کے دور میں ایک دفعہ دودھ پینا ہی حرمت ثابت کر دیتا ہے۔''

(أحكام القرآن للجصّاص : 125/2)

یہ قول سخت ''ضعیف'' ہے،کیونکہ :

۱۔ ابو خالد احمر ''مدلس'' ہے،سماع کی تصریح نہیں کی۔

۲۔ حجاج بن ارطاۃ راوی جمہور ائمہ محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''سيء الحفظ'' ہے،نیز یہ ''مدلس'' بھی ہے۔

۳۔ حبیب بن ابو ثابت ''مدلس'' ہے۔

③ سیدنا علی بن ابو طالب اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں ہے :

كَانَا يَقُولَانِ : يَحْرُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ، قَلِيلِهِ وَكَثِيرِهِ.

''یہ دونوں اصحاب کہتے تھے :رضاعت تھوڑی ہو یا زیادہ،حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔''

(سنن النسائي : 3313)

اس قول کی سند ''ضعیف'' ہے۔سعید بن ابو عروبہ راوی ''مدلس'' ہیں اور انہوں نے سماع کی تصریح نہیں کی۔یہ مسلم اصول ہے کہ صحیح بخاری و مسلم کے علاوہ ثقہ مدلس کا عنعنہ

مقبول نہیں ہوتا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر (مصنف عبدالرزاق: 7/466، ح: 13911، وسندہٗ صحیح)، طاؤس بن کیسان (مصنف عبدالرزاق: 7/467، ح: 13918، وسندہٗ صحیح) اور عطاء بن ابو رباح (مصنف عبدالرزاق: 7/466، وسندہٗ صحیح) کے نزدیک ایک بار دودھ پلانے سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ صحیح احادیث کے مقابلے میں یہ اقوال ناقابل عمل ہیں۔

سوال ②: ماموں کی وفات کے بعد ممانی سے نکاح شرعاً کیسا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ ممانی ان رشتوں میں سے نہیں ہے، جن سے **اسلام میں** نکاح حرام ہے۔

سوال ③: ایک آدمی نے اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے کر دوسری شادی کر لی۔ کیا وہ اپنی دوسری بیوی کی بہن سے اپنی پہلی بیوی سے ہونے والے بیٹے کا نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: کر سکتا ہے۔ یہ حرام رشتوں میں سے نہیں ہے۔

سوال ④: کیا کوئی شخص اپنے بھانجے کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: جائز ہے۔ یہ بھی حرام رشتوں میں سے نہیں۔

سوال ⑤: ایک شخص نے اپنی بیوی کو رخصتی سے پہلے طلاق دے دی، کیا اب اس کی ماں سے نکاح کر سکتا ہے؟

جواب: نہیں، وہ اس کی ساس ہے اور ساس سے نکاح بروئے **قرآنِ کریم** حرام ہے، جیسا کہ امام ترمذی رحمہ اللہ (279-279ھ) ایک ''ضعیف'' روایت ذکر کرنے کے

بعد فرماتے ہیں: وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، قَالُوا: إِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْمَرْأَةَ، ثُمَّ طَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ بِهَا، حَلَّ لَهُ أَنْ يَّنْكِحَ ابْنَتَهَا، وَإِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الِابْنَةَ، فَطَلَّقَهَا قَبْلَ أَنْ يَّدْخُلَ بِهَا، لَمْ يَحِلَّ لَهُ نِكَاحُ أُمِّهَا، لِقَوْلِ اللّٰهِ تَعَالٰى: ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾، وَهُوَ قَوْلُ الشَّافِعِيِّ، وَأَحْمَدَ، وَإِسْحَاقَ. ''اکثر اہل علم کا اسی پر عمل ہے۔ان کا کہنا ہے کہ جب آدمی کسی عورت سے شادی کرے، پھر اسے خلوت سے پہلے طلاق دے دے تو اس کی بیٹی سے نکاح کرسکتا ہے، لیکن اگر وہ بیٹی سے نکاح کرے اور خلوت سے پہلے اسے طلاق دے دے تو اس کی ماں سے نکاح جائز نہیں، کیونکہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿وَأُمَّهَاتُ نِسَائِكُمْ﴾(النساء4: 23) (اورتمہاری بیویوں کی مائیں[بھی تم پر حرام ہیں])۔امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث: 1117)

سوال ⑥: حرمت والے مہینے کون سے ہیں؟

جواب: حرمت والے مہینے چار ہیں۔

① رجب ② ذوالقعدہ ③ ذوالحجہ ④ محرم

سوال ⑦: اگر کوئی اسلام قبول کرتا ہے تو اس کے لیے غسل کرنا کیسا ہے؟

جواب: اسلام قبول کرنے والے کے لیے غسل کرنا مستحب ہے، جیسا کہ قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: إِنَّهُ أَسْلَمَ، فَأَمَرَهُ النَّبِيُّ ﷺ أَنْ يَّغْتَسِلَ بِمَاءٍ وَّسِدْرٍ. ''وہ مسلمان ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے انہیں پانی اور بیری کے پتوں کے ساتھ غسل کرنے کا حکم دیا۔''(مسند الإمام أحمد: 2611، سنن أبي داوٗد: 355، سنن النسائي: 188، سنن الترمذي: 605، وقال: حسنٌ، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (255,254)، امام ابن حبان (1240) اور امام ابن جارود (14) رحمہم اللہ نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَالْعَمَلُ عَلَيْهِ عِنْدَ أَهْلِ الْعِلْمِ، يَسْتَحِبُّونَ لِلرَّجُلِ إِذَا أَسْلَمَ أَنْ يَّغْتَسِلَ وَيَغْسِلَ ثِيَابَهٗ . ''**اہل علم** کا اسی حدیث پر عمل ہے۔ جب کوئی شخص مسلمان ہو جائے تو وہ اس کے لیے غسل کرنا اور اپنے کپڑے دھونا مستحب سمجھتے ہیں۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 605)

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ثُمامہ بن اُثال رضی اللہ عنہ مسلمان ہوئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِذْهَبُوا بِهٖ إِلٰی حَائِطِ بَنِي فُلَانٍ، فَمُرُوهُ أَنْ يَّغْتَسِلَ» .
''اسے فلاں شخص کے باغ میں لے جاؤ اور غسل کرنے کا کہو۔''

(مسند الإمام أحمد : 304/2، وسندهٗ قويٌّ)

سوال ⑧ : مسافر آدمی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے اوّل وقت میں نماز پڑھ لیتا ہے، پھر اسی نماز کے آخری وقت میں اسے پانی مل جائے تو وہ کیا کرے؟

جواب : مسافر آدمی پانی نہ ملنے کی صورت میں تیمّم کر کے اوّل وقت نماز ادا کر لے، پھر پانی ملنے پر اسے اختیار ہے کہ وہ نماز کو دوہرائے یا نہ دوہرائے، جیسا کہ:

① سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

خَرَجَ رَجُلَانِ فِي سَفَرٍ، فَحَضَرَتِ الصَّلَاةُ، وَلَيْسَ مَعَهُمَا مَاءٌ، فَتَيَمَّمَا صَعِيدًا طَيِّبًا، فَصَلَّيَا، ثُمَّ وَجَدَا الْمَاءَ فِي الْوَقْتِ، فَأَعَادَ أَحَدُهُمَا الصَّلَاةَ وَالْوُضُوءَ، وَلَمْ يُعِدِ الْآخَرُ، ثُمَّ أَتَيَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ، فَذَكَرَا ذٰلِكَ لَهُ، فَقَالَ لِلَّذِي لَمْ يُعِدْ: «أَصَبْتَ السُّنَّةَ، وَأَجْزَأَتْكَ صَلَاتُكَ»، وَقَالَ لِلَّذِي تَوَضَّأَ وَأَعَادَ: «لَكَ الْأَجْرُ مَرَّتَيْنِ».

''دو آدمی سفر میں نکلے۔نماز کا وقت ہوا تو ان کے پاس پانی نہیں تھا۔دونوں نے پاک مٹی سے تیمّم کر کے نماز ادا کی، پھر نماز کے وقت ہی میں انہیں پانی مل گیا۔ایک شخص نے تو وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھ لی، جبکہ دوسرے نے ایسا نہ کیا۔پھر دونوں (سفر سے واپسی پر)رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے اور ساری بات بتائی۔آپ ﷺ نے نماز نہ دوہرانے والے سے فرمایا: تم صحیح طریقے پر چلے ہو اور پہلی نماز ہی تمہیں کافی ہے۔وضو کر کے دوہرانے والے سے فرمایا:تمہیں دوہرا اجر مل گیا ہے۔''

(سنن أبي داوٗد: 338، سنن النسائي: 433، مسند الدارمي: 744، المستدرك للحاكم: 286/1)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

② نافع مولیٰ ابن عمر بیان کرتے ہیں: تَيَمَّمَ ابْنُ عُمَرَ عَلٰى رَأْسِ مِيلٍ أَوْ مِيلَيْنِ مِنَ الْمَدِينَةِ، فَصَلَّى الْعَصْرَ، فَقَدِمَ وَالشَّمْسُ مُرْتَفِعَةٌ، وَلَمْ يُعِدِ الصَّلَاةَ. ''سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما نے مدینہ سے ایک یا دو میل کی مسافت پر تیمّم کر کے عصر کی نماز ادا کی، پھر واپس (مدینہ) آ گئے، اس وقت سورج بلند ہی تھا، لیکن آپ رضی اللہ عنہما نے نماز نہیں دوہرائی۔''(سنن الدارقطني: 86/1، المستدرك للحاكم: 289/1، السنن الكبرٰى للبيهقي: 231/1، 233، وسندهٗ صحيحٌ)

مدنی فقیہ، تابعی، امام ابو الزناد، عبد اللہ بن ذکوان رحمہ اللہ فقہائے سبعہ (تابعین میں سے مدینہ منورہ کے سات فقہائے کرام، عروہ بن زبیر، سعید بن مسیّب، قاسم بن محمد بن ابوبکر، خارجہ بن زید، عبیداللہ بن عبد اللہ بن عتبہ، ابوبکر بن عبدالرحمٰن بن حارث، سلیمان بن یسار رحمہم اللہ) کے بارے میں بیان فرماتے ہیں: وَكَانُوا يَقُولُونَ: مَنْ تَيَمَّمَ، فَصَلّٰى،

ثُمَّ وَجَدَ الْمَاءِ فِي وَقْتٍ أَوْ فِي غَيْرِ وَقْتٍ، فَلَا إِعَادَةَ عَلَيْهِ، وَيَتَوَضَّأُ لِمَا يَسْتَقْبِلُ مِنَ الصَّلَوَاتِ وَيَغْتَسِلُ، وَالتَّيَمُّمُ مِنَ الْجَنَابَةِ وَالْوُضُوءِ سَوَاءٌ .

''فقہائے سبعہ فرماتے تھے کہ جس شخص نے تیمّم کر کے نماز ادا کی، پھر نماز کے وقت ہی میں پانی ملا یا وقت گزرنے پر، اس نماز کو دوہرانا ضروری نہیں۔ہاں! آئندہ کی نمازوں کے لیے وضو اور غسل کرنا پڑے گا۔جنابت اور بے وضو ہونے کے تیمّم کا ایک ہی حکم ہے۔''

(السنن الکبریٰ للبیهقي :232/1، تاریخ دمشق لابن عساکر : 250/40، وسندهٗ حسنٌ)

سوال ⑨ : اگر امام بے وضو نماز پڑھا دے تو کیا مقتدی بھی دوبارہ نماز پڑھیں گے؟

جواب : امام بے وضو نماز پڑھا دے تو اسے نماز دوہرانا پڑے گی، لیکن مقتدی نماز نہیں لوٹائیں گے۔ان کی نماز درست ہے،جیسا کہ:

شیخ الاسلام، امام ابوعبدالرحمٰن، **عبداللہ بن مبارک** رحمہ اللہ (118-181ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ فِي الْحَدِيثِ قُوَّةٌ لِّمَنْ يَّقُولُ : إِذَا صَلَّى الْإِمَامُ بِغَيْرِ وُضُوءٍ أَنَّ أَصْحَابَهٗ يُعِيدُونَ، وَالْحَدِيثُ الْآخَرُ أَثْبَتَ أَنْ لَّا يُعِيدَ الْقَوْمُ، هٰذَا لِمَنْ أَرَادَ الْإِنْصَافَ بِالْحَدِيثِ .

''جو لوگ کہتے ہیں کہ جب امام بے وضو نماز پڑھا بیٹھے تو اس کے مقتدی بھی نماز دوہرائیں گے، ان کے لیے حدیث سے کوئی دلیل نہیں۔اس کے برعکس دوسری حدیث واضح طور پر بتاتی ہے کہ مقتدی نماز نہیں دوہرائیں گے۔جو شخص حدیث کے ساتھ انصاف کرنا چاہے، اس کا یہی موقف ہوگا۔''

(السنن الکبریٰ للبیهقي :401/1، وسندهٗ حسنٌ)

فقیہ و امام، حافظ **عبدالرحمٰن بن مہدی** رحمہ اللہ (م:135ھ) فرماتے ہیں:

وَهُوَ هٰذَا الْمُجْتَمَعُ عَلَيْهِ، الْجُنُبُ يُعِيدُ وَلَا يُعِيدُونَ، مَا أَعْلَمُ فِيهِ

اخْتِلَافًا . ”یہ اتفاقی بات ہے کہ جنبی امام (اگر جنابت کی حالت میں نماز پڑھا دے تو) اسے نماز دوہرانی پڑے گی، البتہ مقتدی نہیں دوہرائیں گے۔ مجھے اس بارے میں کوئی اختلاف معلوم نہیں۔“ (سنن الدارقطني :364/1، السنن الکبرٰی للبیهقي : 400/2، وسندهٗ صحیحٌ)

جب امام ابراہیم نخعی رحمہ اللہ سے ایسے امام کے متعلق پوچھا گیا، جس نے بغیر وضو کے نماز پڑھا دی، تو انہوں نے فرمایا: يُعِيدُ، وَلَا يُعِيدُونَ .

”وہ خود تو نماز دوہرائے، لیکن اس کے مقتدی نہ دوہرائیں۔“

(السنن الکبرٰی للبیهقي : 401/2، وسندهٗ حسنٌ)

سوال ⑩ : اکہری اقامت کے بارے میں کیا ثابت ہے؟

جواب : اکہری اذان کے ساتھ اکہری اقامت اور دوہری اذان کے ساتھ دوہری اقامت کہی جائے گی۔ اس بارے میں وارد ہونے والی تمام روایات کا یہی مفہوم ہے۔ جہاں تک اکہری اقامت کا تعلق ہے، تو یہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، جیسا کہ :

سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

إِنَّمَا كَانَ الْأَذَانُ عَلٰى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ مَرَّتَيْنِ مَرَّتَيْنِ، وَالْإِقَامَةُ مَرَّةً مَرَّةً، غَيْرَ أَنَّهٗ يَقُولُ : قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ، قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ .

”رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اذان دو دو مرتبہ (أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ کہنے کے ساتھ) ہوتی تھی اور اقامت ایک ایک مرتبہ (اکہری) تھی۔ ہاں، صرف قَدْ قَامَتِ الصَّلَاةُ کے کلمات دو مرتبہ کہے جاتے تھے۔“

(مسند الإمام أحمد : 85/2، سنن أبي داوٗد : 510، سنن النسائي : 629، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کو امام ابن خزیمہ (374)، امام ابن حبان (1674، 1677) اور امام حاکم (709) رحمہم اللہ نے ”صحیح“ قرار دیا ہے۔ حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے ان کی موافقت کی ہے۔

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

أُمِرَ بِلَالٌ أَنْ يَّشْفَعَ الْأَذَانَ، وَيُوتِرَ الْإِقَامَةَ .

"(رسول اللہ ﷺ کی طرف سے) سیدنا بلال رضی اللہ عنہ کو اذان کے کلمات دو دو دفعہ اور اقامت کے کلمات ایک ایک دفعہ کہنے کا حکم ہوا۔" (صحيح البخاري : 603، صحيح مسلم : 378)

یاد رہے کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے دوہری تکبیر قطعاً ثابت نہیں۔

امام ابوعبداللہ، محمد بن نصر، مروزی رحمہ اللہ (202-294ھ) فرماتے ہیں:

فَأَرٰى فُقَهَاءَ أَصْحَابِ الْحَدِيثِ، قَدْ أَجْمَعُوا عَلٰى إِفْرَادِ الْإِقَامَةِ .

"میرے علم کے مطابق تمام فقہاء محدثین کا اکہری اقامت پر اجماع ہے۔"

(السنن الكبرٰى للبيهقي :1/420، وسندهٗ صحيحٌ)

سوال ⑪: خاوند کی وفات کے وقت بیوی حاملہ تھی، شریعت کی روشنی میں اس کی عدت کتنی ہو گی؟

جواب: خاوند کی وفات ہو یا طلاق، دونوں حالتوں میں حاملہ کی عدت وضعِ حمل ہے، یعنی جب تک عورت بچے کو جنم نہ دے لے، عدت میں رہے گی اور بچے کی ولادت کے ساتھ ہی عدت ختم ہو جائے گی، خواہ چند دن یا چند لمحے ہی گزرے ہوں۔

فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَأُولَاتُ الْأَحْمَالِ أَجَلُهُنَّ أَنْ يَّضَعْنَ حَمْلَهُنَّ﴾ (الطلاق65 : 4)

"اور حاملہ عورتوں کی عدت یہ ہے کہ وہ اپنے بچے کو جنم دے دیں۔"

سیدہ سُبَیعہ بنت حارث رضی اللہ عنہا حاملہ تھیں، ان کے خاوند فوت ہو گئے۔ چند دنوں بعد ان کے ہاں بچے کی پیدائش ہوئی۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو نیا نکاح کرنے کی اجازت دے دی۔

(صحيح البخاري : 5318، 6906، صحيح مسلم : 1485)

نیز دیکھیں (صحيح البخاري : 5319، صحيح مسلم : 1484، صحيح البخاري : 5320)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَالْعَمَلُ عَلٰی هٰذَا عِنْدَ أَكْثَرِ أَهْلِ الْعِلْمِ، مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وغَيْرِهِمْ، أَنَّ الْحَامِلَ الْمُتَوَفّٰی عَنْهَا زُوْجُهَا إِذَا وَضَعَتْ، فَقَدْ حَلَّ لَهَا التَّزْوِيجُ، وَإِنْ لَّم تَكُنِ انْقَضَتْ عِدَّتُهَا .

''اکثر اہل علم کا اسی حدیث پر عمل ہے، جن میں نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام بھی شامل ہیں کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اور وہ حاملہ ہو تو بچے کی ولادت کے بعد اس کے لیے نکاح کرنا جائز ہے، خواہ اس کی عدت کا عرصہ ابھی نہ گزرا ہو۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث : 1193)

سوال ⑫ : کیا بچے کی شرمگاہ دھونے سے ماں کا وضو ٹوٹ جاتا ہے؟

جواب : وضو نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ اس پر شریعت کی کوئی دلیل نہیں۔

سوال ⑬ : وضو کے لیے پانی اور تیمّم کے لیے پاک مٹی، دونوں نہ ملنے کی صورت میں نماز کا کیا حکم ہے؟

جواب : اگر کسی انسان کو نہ وضو کے لیے پانی ملے نہ تیمّم کے لیے مٹی، تو بھی وہ مکلّف (احکامِ الٰہی کا پابند) ہے۔ اس پر نماز پڑھنا ضروری ہے، جیسا کہ:

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے : أَنَّهَا اسْتَعَارَتْ مِنْ أَسْمَاءَ قِلَادَةً فَهَلَكَتْ، فَبَعَثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا فَوَجَدَهَا، فَأَدْرَكَتْهُمُ الصَّلَاةُ وَلَيْسَ مَعَهُمْ مَّاءٌ، فَصَلَّوْا، فَشَكَوْا ذٰلِكَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَأَنْزَلَ اللّٰهُ آيَةَ التَّيَمُّمِ .

''انہوں نے سیدہ اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار ادھار لیا جو کہ گم ہو گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو تلاش کے لیے بھیجا تو وہ مل گیا۔ اسی اثنا میں نماز کا وقت ہو گیا، لیکن ان کے پاس

پانی نہ تھا۔انہوں نے اسی طرح بغیر وضو کے نماز پڑھ لی۔پھر رسول اللہ ﷺ کو اس بات کی خبر دی تو اللہ تعالیٰ نے تیمّم کی آیت نازل فرما دی۔‘‘(صحيح البخاري : 336)

یعنی آیتِ تیمّم کے نزول سے پہلے پانی نہ ہونے کی صورت میں صحابہ کرام نے نماز ادا کر لی تھی۔گویا ان کے پاس نہ پانی تھا،نہ مٹی،کیونکہ مٹی کے استعمال کی ابھی اجازت نہیں تھی۔امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث سے یہی مسئلہ ثابت کیا ہے،ان کی تبویب یہ ہے:

بَابٌ إِذَا لَمْ يَجِدْ مَاءً وَّلَا تُرَابًا .

’’اس صورت حال کا بیان جب نمازی کو نہ پانی ملے نہ مٹی۔‘‘

شارحِ صحیح بخاری،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ)فرماتے ہیں:

فَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى وُجُوبِ الصَّلَاةِ لِفَاقِدِ الطَّهُورَيْنِ، وَوَجْهُهٗ أَنَّهُمْ صَلَّوْا مُعْتَقِدِينَ وُجُوبَ ذٰلِكَ، وَلَوْ كَانَتِ الصَّلَاةُ حِينَئِذٍ مَّمْنُوعَةً لَّأَنْكَرَ عَلَيْهِمُ النَّبِيُّ ﷺ . ’’یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ پانی اور مٹی دونوں نہ ملنے کی صورت میں بھی نماز فرض ہوتی ہے۔اس کی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرام نے اس موقع پر نماز کو فرض سمجھتے ہوئے ہی اسے ادا کیا تھا۔اگر ایسی حالت میں نماز ممنوع ہوتی تو نبی اکرم ﷺ ان کو اس سے منع فرماتے۔‘‘(فتح الباري :440/1)

سوال ⑭ : نفاس (بچے کی ولادت پر جاری ہونے والے خون) کی کم سے کم اور زیادہ سے زیادہ مدت کیا ہے؟

جواب : نفاس کی کم سے کم مدت مقرر نہیں،البتہ زیادہ سے زیادہ چالیس دن ہے۔

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: تَجْلِسُ النُّفَسَاءُ نَحْوًا مِّنْ أَرْبَعِينَ يَوْمًا . ’’نفاس والی عورت (زیادہ سے زیادہ) قریباً چالیس دن نماز روزے سے رُکے گی۔‘‘(مصنف ابن أبي شيبة : 28/4، السنن الكبرٰى للبيهقي :341/1، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَدْ أَجْمَعَ أَهْلُ الْعِلْمِ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَالتَّابِعِينَ، وَمَنْ بَعْدَهُمْ، عَلٰى أَنَّ النُّفَسَاءَ تَدَعُ الصَّلَاةَ أَرْبَعِينَ يَوْمًا، إِلَّا أَنْ تَرَى الطُّهْرَ قَبْلَ ذٰلِكَ، فَإِنَّهَا تَغْتَسِلُ وَتُصَلِّي، فَإِذَا رَأَتِ الدَّمَ بَعْدَ الْأَرْبَعِينَ، فَإِنَّ أَكْثَرَ أَهْلِ الْعِلْمِ قَالُوا: لَا تَدَعُ الصَّلَاةَ بَعْدَ الْأَرْبَعِينَ، وَهُوَ قَوْلُ أَكْثَرِ الْفُقَهَاءِ، وَبِهٖ يَقُولُ سُفْيَانُ الثَّوْرِيُّ، وَابْنُ الْمُبَارَكِ، وَالشَّافِعِيُّ، وَأَحْمَدُ، وَإِسْحَاقُ. ''نبی اکرم ﷺ کے صحابہ کرام، تابعین عظام اور بعد کے اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ نفاس والی عورت چالیس دن تک نماز نہیں پڑھے گی، ہاں اگر وہ اس سے پہلے پاک ہو جائے تو غسل کر کے نماز شروع کر دے گی۔ اگر وہ چالیس دن کے بعد بھی خون دیکھے تو اکثر اہل علم کے نزدیک وہ نماز پڑھتی رہے گی۔ اکثر فقہائے کرام کا یہی قول ہے۔ یہی بات امام سفیان ثوری، امام عبداللہ بن مبارک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور امام اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ نے کہی ہے۔''

(سنن الترمذي، تحت الحديث: 139)

اس بارے میں ساری کی ساری احادیث ''ضعیف'' ہیں۔ اجماعِ امت نے ان سے مستغنی کر دیا ہے۔

سوال ⑮: حمل ساقط ہونے کے بعد عورت کو جو خون آتا ہے، کیا وہ نفاس کا ہوگا؟

جواب: اسقاطِ حمل (Miscarriage) کی صورت میں دیکھنا ہوگا کہ حمل واضح ہے یا نہیں۔ اگر وہ واضح ہے تو خون نفاس کا ہی ہوگا۔ حمل نوے دن میں واضح ہو جاتا ہے۔ اگر حمل واضح نہیں تو وہ خون نفاس کا نہیں۔

سوال ⑯: کیا سیدنا زکریا علیہ السلام کو درخت نے پناہ دی تھی؟

جواب: اس بات کی کوئی حقیقت نہیں۔ معراج کے بارے میں ایک لمبی چوڑی روایت میں سیدنا زکریا علیہ السلام کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مکالمہ مروی ہے کہ:

قَالَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ : قَدْ غَضِبَ إِلٰهُ زَكَرِيَّا لِزَكَرِيَّا، فَتَعَالَوْا حَتّٰى نَغْضَبَ لِمَلِكِنَا، فَنَقْتُلَ زَكَرِيَّا، قَالَ : فَخَرَجُوا فِي طَلَبِي لِيَقْتُلُونِّي، فَجَائَنِي النَّذِيرُ، فَهَرَبْتُ مِنْهُمْ، وَإِبْلِيسُ أَمَامَهُمْ، يَدُلُّهُمْ عَلَيَّ، فَلَمَّا أَنْ تَخَوَّفْتُ أَنْ لَّا أُعْجِزَهُمْ، عَرَضَتْ لِيَ شَجَرَةٌ، فَنَادَتْنِي، فَقَالَتْ : إِلَيَّ، وَانْصَدَعَتْ لِي، فَدَخَلْتُ فِيهَا، قَالَ : وَجَاءَ إِبْلِيسُ حَتّٰى أَخَذَ طَرَفَ رِدَائِي، وَالْتَأَمَتِ الشَّجَرَةُ، وَبَقِيَ طَرَفُ رِدَائِي خَارِجًا مِّنَ الشَّجَرَةِ، وَجَائَتْ بَنُو إِسْرَائِيلَ، فَقَالَ إِبْلِيسُ : أَمَا رَأَيْتُمُوهُ دَخَلَ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ، هٰذَا طَرَفُ رِدَائِهٖ، دَخَلَهَا بِسِحْرِهٖ، فَقَالُوا : نُحَرِّقُ هٰذِهِ الشَّجَرَةَ، فَقَالَ إِبْلِيسُ : شُقُّوهَا بِالْمِنْشَارِ شَقًّا، قَالَ : فَشُقِقْتُ مَعَ الشَّجَرَةِ بِالْمِنْشَارِ، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ : «يَا زَكَرِيَّا ! هَلْ وَجَدْتَّ لَهٗ مَسًّا أَوْ وَجَعًا؟»، قَالَ : لَا، إِنَّمَا وَجَدَتّْ ذٰلِكَ الشَّجَرَةَ جَعَلَ اللّٰهُ رُوحِي فِيهَا .

”بنی اسرائیل نے کہا کہ زکریا کا الٰہ اس سے ناراض ہو گیا ہے، آؤ ہم اپنے بادشاہ کی خاطر زکریا سے ناراض ہو جائیں اور اسے قتل کر دیں۔ وہ مجھے قتل کرنے کے لیے تلاش کرنے لگے۔ ایک شخص نے مجھے اس بات کی اطلاع دی تو میں بھاگ نکلا۔ ابلیس ان لوگوں کے آگے آگے تھا اور میرے بارے میں ان کو بتا رہا تھا۔ جب مجھے خوف ہوا کہ میں مزید بھاگ نہیں پاؤں گا تو ایک درخت میرے سامنے آ کر کہنے لگا: میرے پاس آ جاؤ۔ یہ کہہ کر اس کا تنا پھیل گیا۔ میں اس میں داخل ہونے لگا۔ اتنی دیر میں

ابلیس نے آ کر میری چادر کا ایک کونہ پکڑ لیا۔اسی دوران درخت کا تنا لپٹ گیا اور میری چادر کا کونہ درخت سے باہر ہی رہ گیا۔جب بنی اسرائیل آئے تو ابلیس ان سے کہنے لگا: کیا تم دیکھ نہیں رہے کہ زکریا اپنے جادو کے ذریعے اس درخت میں داخل ہو گیا ہے۔یہ رہا اس کی چادر کا کونہ! بنی اسرائیل کہنے لگے کہ ہم اس درخت کو جلائیں گے۔ابلیس نے کہا: اسے آرے سے چیر دو۔یوں آرے سے مجھے درخت کے ساتھ ہی چیر دیا گیا۔نبی اکرم ﷺ نے سیدنا زکریا علیہ السلام سے پوچھا: کیا اس سے آپ کو کوئی گزند یا تکلیف پہنچی؟ سیدنا زکریا علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، مجھے تو یوں لگا کہ میری روح اللہ تعالیٰ نے درخت ہی میں ڈال دی تھی۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 56/19)

لیکن یہ جھوٹی روایت ہے۔اس کو گھڑنے کا سہرا اسحاق بن بشر بن محمد بن عبد اللہ، ابوحذیفہ، بخاری کے سر ہے، جو کہ ''متروک'' اور ''کذاب'' راوی ہے۔

(دیکھیں : میزان الاعتدال للذہبي :1/184-186)

سیدنا زکریا علیہ السلام سے منسوب اسی طرح کا واقعہ کچھ تابعین سے بھی بیان کیا گیا ہے،ان سے مروی روایات کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں:

سعید بن مسیّب والی روایت (تاریخ دمشق : 207/64) میں علی بن زید بن جدعان راوی ''ضعیف'' ہے۔

وہب بن منبہ والی روایت (تاریخ دمشق : 55/19) میں عبد المنعم بن ادریس راوی موجود ہے جو کہ باتفاقِ محدثین ''متروک'' اور ''کذاب'' ہے۔نیز اس کا باپ ادریس بن سنان، ابوالیاس صنعانی بھی ''ضعیف'' ہے۔

اسی طرح محمد بن اسحاق بن یسار کی بیان کردہ روایت (تاریخ طبری :536/1) محمد بن حمید رازی کے غیر معتبر ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

معلوم ہوا کہ بعض الناس کا یہ مشہور کرنا کہ سیدنا زکریا علیہ السلام نے درخت سے پناہ مانگی تھی، سفید جھوٹ ہے۔

سوال ⑰ : امام تکبیر اونچی آواز سے کہے گا اور مقتدی آہستہ آواز سے، اس کی کیا دلیل ہے؟

جواب : نماز میں اصل سکوت (خاموشی) ہے، جیسا کہ سیدنا زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں: «فَأُمِرْنَا بِالسُّكُوتِ، وَنُهِينَا عَنِ الْكَلَامِ» .

''ہمیں (رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے نماز میں) خاموش رہنے کا حکم دیا گیا اور باتوں سے منع کر دیا گیا۔''

(صحيح البخاري : 160/1، ح : 1200، صحيح مسلم : 204/1، ح : 539، واللّفظ لهٗ)

یہ حکم عام ہے جو کہ امام، مقتدی اور منفرد سب کو شامل ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں اصل سکوت ہے۔ ہر ایک کو نماز میں خاموش رہنا چاہیے۔اصل سے ہٹنے کے لیے دلیل درکار ہوگی۔مطلب یہ کہ اونچی آواز سے تکبیر کہنے کے لیے دلیل ہونا ضروری ہے۔امام کے لیے یہ دلیل قائم ہو چکی ہے، لہٰذا وہ اونچی آواز سے تکبیر کہے گا اور مقتدی ومنفرد کے لیے ایسا ثابت نہیں، لہٰذا وہ آہستہ ہی تکبیر کہیں گے۔امام کے اونچی تکبیر کہنے کی دلیل یہ ہے:

سعید بن حارث تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں:

صَلّٰى لَنَا أَبُو سَعِيدٍ، فَجَهَرَ بِالتَّكْبِيرِ حِينَ رَفَعَ رَأْسَهٗ مِنَ السُّجُودِ، وَحِينَ سَجَدَ، وَحِينَ رَفَعَ، وَحِينَ قَامَ مِنَ الرَّكْعَتَيْنِ، وَقَالَ : هٰكَذَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . ''سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ہمیں نماز پڑھائی۔انہوں نے سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے، سجدے میں جاتے ہوئے، پھر سر اٹھاتے ہوئے اور دو رکعتوں کے بعد (تیسری کے لیے) کھڑے ہوتے ہوئے بلند آواز سے تکبیر کہی اور فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی کرتے دیکھا ہے۔'' (صحيح البخاري : 114/1، ح : 825)

یہی روایت امام بیہقی رحمہ اللہ نے ان الفاظ کے ساتھ بیان کی ہے:

فَجَهَر بِالتَّكْبِيرِ حِينَ افْتَتَحَ، وَحِينَ رَكَعَ، وَبَعْدَ أَنْ قَالَ : «سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ» . ''آپ رضی اللہ عنہ نے نماز شروع کرتے اور رکوع کو جاتے وقت اور سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہنے کے بعد (سجدے کو جاتے ہوئے بھی) بلند آواز سے تکبیر کہی۔''

(السنن الکبریٰ : 18/2)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) نے اس کی سند کو ''حسن'' قرار دیا ہے۔

(خلاصة الأحكام في مهمّات السنن وقواعد الإسلام :350/1)

اس کے راوی فُلَیْح بن سلیمان صحیح بخاری و مسلم کے راوی ہیں۔ان پر جرح مردود ہے، جمہور محدثین کرام نے ان کی توثیق کر رکھی ہے، یوں یہ ''حسن الحدیث'' راوی ہیں۔

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے : وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي بِالنَّاسِ، وَأَبُو بَكْرٍ يُسْمِعُهُمُ التَّكْبِيرَ . ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے اور سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ ان کو 'اللہ اکبر' سناتے تھے۔'' (صحیح مسلم :179/1، ح : 418)

یعنی صرف امام بلند آواز میں 'اللہ اکبر' کہے گا۔ اگر مقتدی بھی بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے تو سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دور والے لوگوں کو سنانے کے لیے مُکَبِّر بننے کی کیا ضرورت تھی؟

معلوم ہوا کہ نماز میں اصل سکوت، یعنی خاموشی ہے، ہاں جہاں جہاں امام اور مقتدی کے لیے بلند آواز کرنے کی دلیل شرعی موجود ہے، وہاں وہ آواز بلند کریں گے۔ اسی طے شدہ اصول کے تحت نماز میں امام اور مُکَبِّر تکبیر بلند آواز سے کہیں گے اور مقتدی و منفرد آہستہ آواز سے۔

سوال (۱۸) : میت کے ساتھ قرآنِ مجید رکھنا کیسا ہے؟

جواب : یہ بے اصل، بے ثبوت اور بدعت ہے۔ قرآنِ مجید، کلامِ الٰہی ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لیے اُتارا ہے، نہ کہ مُردوں کے سرہانے رکھنے کے لیے۔ اس سے مرنے والے کو کیا فائدہ؟ سلف صالحین ایسا ہرگز نہیں کرتے تھے۔

ایک مؤمن کو چاہیے کہ دینی اُمور میں کتاب وسنت اور اسلافِ امت کے فہم پر اکتفا کرے۔

سوال ⑲ : بعض لوگ دورانِ وضو ہر ہر عضو کے لیے الگ الگ دُعا پڑھتے ہیں، اس کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب : دورانِ وضو ہر ہر عضو کے لیے ذکر و دُعا ثابت نہیں، اگرچہ بعض الناس نے اپنی کتابوں میں بغیر دلیل کے یہ اذکار درج کیے ہیں۔ یہ ایجادِ دین، یعنی بدعت ہے۔اس بارے میں حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الدُّعَاءِ عَلٰی أَعْضَاءِ الْوُضُوءِ، فَلَمْ یَجِیْٔ فِیهِ شَیْءٌ عَنِ النَّبِيِّ ﷺ .

''وضو کے ہر ہر عضو پر دُعائیں نبی اکرم ﷺ سے ثابت نہیں۔'' (الأذکار، ص: 70)

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) اسے بدعت قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَأَمَّا الْأَذْکَارُ الَّتِي یَقُولُهَا الْعَامَّةُ عَلَی الْوُضُوءِ، عِنْدَ کُلِّ وَضُوءٍ، فَلَا أَصْلَ لَهَا، عَنْ رَّسُولِ اللّٰهِ ﷺ، وَلَا عَنْ أَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ، وَالتَّابِعِینَ، وَلَا الْأَئِمَّةُ الْأَرْبَعَةِ، وَفِیهَا حَدِیثٌ کَذِبٌ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ .

''وضو کے ہر ہر عضو کو دھوتے وقت عوام الناس جو اذکار پڑھتے ہیں، ان کا ثبوت نہ رسول اللہ ﷺ سے ہے، نہ صحابہ و تابعین اور ائمہ اربعہ سے۔اس بارے میں ایک جھوٹی حدیث رسول اللہ ﷺ سے منسوب کی گئی ہے۔'' (الوابل الصیّب، ص: 384)

البتہ وضو سے پہلے 'بسم اللہ' اور وضو کے بعد اذکار ثابت ہیں۔مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ انہی کو یاد کریں اور پڑھیں تاکہ دین و دنیا کی بھلائیاں سمیٹ سکیں۔

سوال ⑳ : وضو کے بعد یا وضو میں پاؤں دھوتے وقت سورۃ القدر پڑھنا کیسا ہے؟

جواب : بدعت ہے، اس حوالے سے یہ غیر معتبر روایت بھی وارد ہوئی

ہے، سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَرَأَ فِي إِثْرِ وُضُوئِهِ : ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ﴾، مَرَّةً وَّاحِدَةً، كَانَ مِنَ الصِّدِّيقِينَ، وَمَنْ قَرَأَهَا مَرَّتَيْنِ، كُتِبَ فِي دِيوَانِ الشُّهَدَاءِ، وَمَنْ قَرَأَهَا ثَلَاثًا، حَشَرَهُ اللّٰهُ مَحْشَرَ الْأَنْبِيَاءِ .

''جو شخص وضو کرنے کے بعد ایک دفعہ سورۃ القدر کی تلاوت کرتا ہے، صدیقین میں شمار کیا جاتا ہے، جو اسے دو مرتبہ پڑھتا ہے، اس کا نام شہداء کے رجسٹر میں لکھ دیا جاتا ہے اور جو اسے تین مرتبہ پڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ اسے انبیائے کرام کے ساتھ حشر میں جمع فرمائے گا۔''

(مسند الديلمي، نقلًا عن الحاوي للفتاوي للسيوطي :339/1)

علامہ سیوطی (م :911ھ) اس کے ایک راوی کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَأَبُو عُبَيْدَةَ مَجْهُولٌ . ''ابو عبیدہ نامی شخص مجہول ہے۔'' (أيضًا)

ابن حجر ہیتمی (909-974ھ) نے بھی لکھا ہے: وَفِي سَنَدِهِ مَجْهُولٌ .

''اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔'' (الفتاوى الفقهيّة الكبرىٰ :59/1)

اس کی سند میں امام حسن بصری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔ نیز ابو عبیدہ سے نیچے سند بھی مذکور نہیں۔

حافظ سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَكَذَا قِرَائَةُ سُورَةِ ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ﴾، عَقِبَ الْوُضُوءِ، لَا أَصْلَ لَهُ .

''اسی طرح وضو کے بعد سورۂ قدر کی تلاوت بے اصل (بدعت) ہے۔''

(المقاصد الحسنة، ص : 664)

سوال (۲۱) : جمعہ کے دن نماز فجر کی مسنون قراءت کیا ہے؟

جواب : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَقْرَأُ فِي الْجُمُعَةِ، فِي صَلَاةِ الْفَجْرِ ﴿الٓمّٓ ۞ تَنْزِيلُ

السَّجْدَة﴾، وَ ﴿هَلْ أَتٰى عَلَى الْـإِنْسَانِ حِينٌ مِّنَ الدَّهْرِ﴾.

''نبی اکرم ﷺ جمعہ کے دن نماز فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر کی قراءت فرماتے تھے۔''

(صحيح البخاري :891، صحيح مسلم : 880)

یہ نمازِ فجر کی مسنون قراءت ہے۔بعض ائمۂ مساجد ان سورتوں کے بعض حصے پر اکتفا کرتے ہیں۔یہ اقدام درست نہیں، پوری سورت کی قراءت ہی سنت ہے، کیونکہ رسولِ اکرم ﷺ سے دونوں رکعتوں میں دونوں مکمل سورتیں پڑھنا ہی ثابت ہیں۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) فرماتے ہیں:

اَلسُّنَّةُ أَنْ يَّقْرَأَ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ، يَوْمَ الْجُمُعَةِ، بَعْدَ الْفَاتِحَةِ، فِي الرَّكْعَةِ الْأُولٰى ﴿الٓمٓ * تَنْزِيلُ﴾ بِكَمَالِهَا، وَفِي الثَّانِيَةِ ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ بِكَمَالِهَا. ''جمعہ کے دن نمازِ فجر میں سورۂ فاتحہ کی قراءت کے بعد پہلی رکعت میں مکمل سورۂ سجدہ اور دوسری رکعت میں مکمل سورۂ دہر کی تلاوت مسنون ہے۔''

(التبيان في آداب حملة القرآن، ص : 178)

نیز فرماتے ہیں: وَلْيَجْتَنِبِ الِاقْتِصَارَ عَلَى الْبَعْضِ.

''سورت کے ایک ٹکڑے پر اکتفا کرنے سے پرہیز کرنا چاہیے۔''(أيضًا)

شیخ الاسلام ثانی، عالم ربانی، علامہ ابن قیم رحمہ اللہ (691-751ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا يُسْتَحَبُّ أَنْ يُّقْرَأَ مِنْ كُلِّ سُورَةٍ بَعْضُهَا، أَوْ يُقْرَأَ إِحْدَاهُمَا فِي الرَّكْعَتَيْنِ، فَإِنَّهٗ خِلَافُ السُّنَّةِ، وَجُهَّالُ الْأَئِمَّةِ يُدَاوِمُونَ عَلٰى ذٰلِكَ.

''(جمعہ والے دن نمازِ فجر میں) ہر سورت کا بعض حصہ پڑھنا یا ایک ہی سورت کو (تقسیم کر کے) دونوں رکعتوں میں پڑھنا مستحب نہیں، بلکہ خلافِ سنت ہے۔جاہل ائمہ مساجد نے اسے ہمیشہ کا معمول بنایا ہوا ہے۔''(زاد المعاد في هدي خير العباد :1/369)

معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن نمازِ فجر میں سورۂ سجدہ اور سورۂ دہر مکمل ہی پڑھنی مسنون ہیں۔